گوانتانامو کی
ٹوٹی زنجیریں

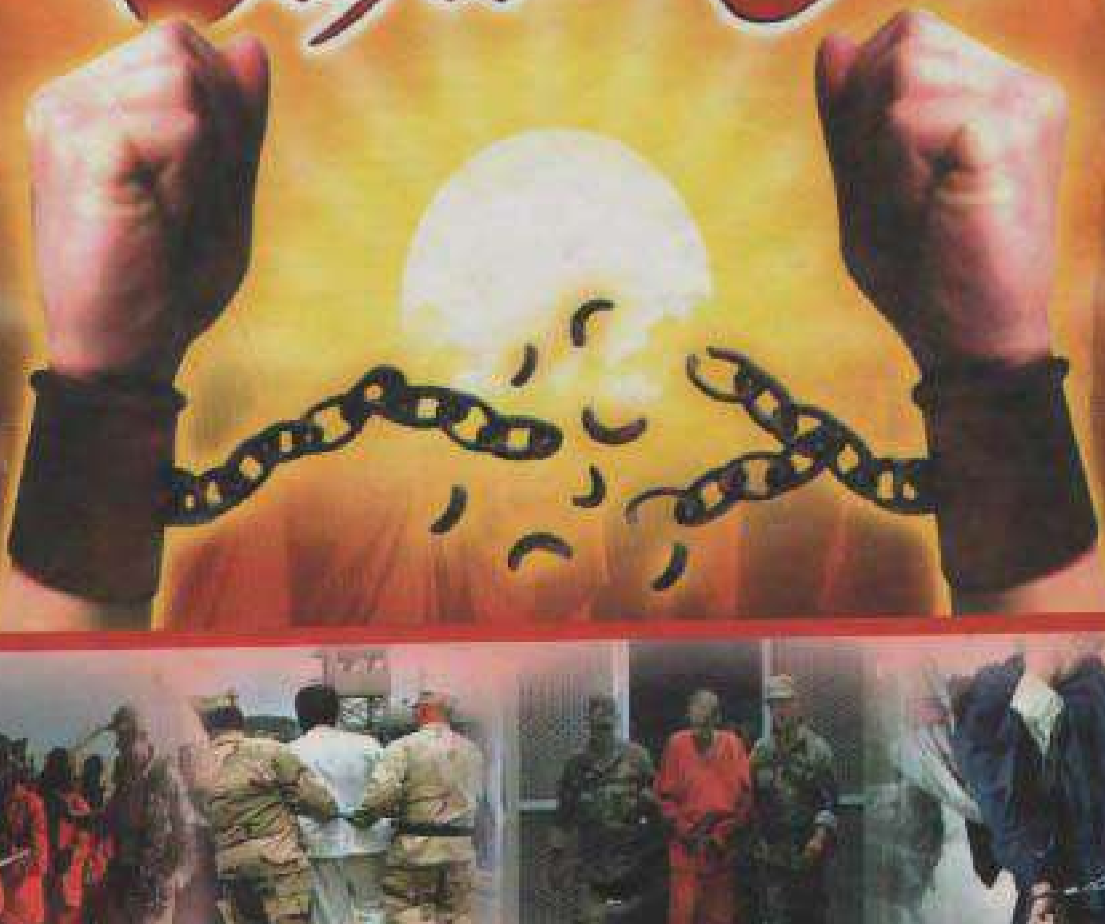

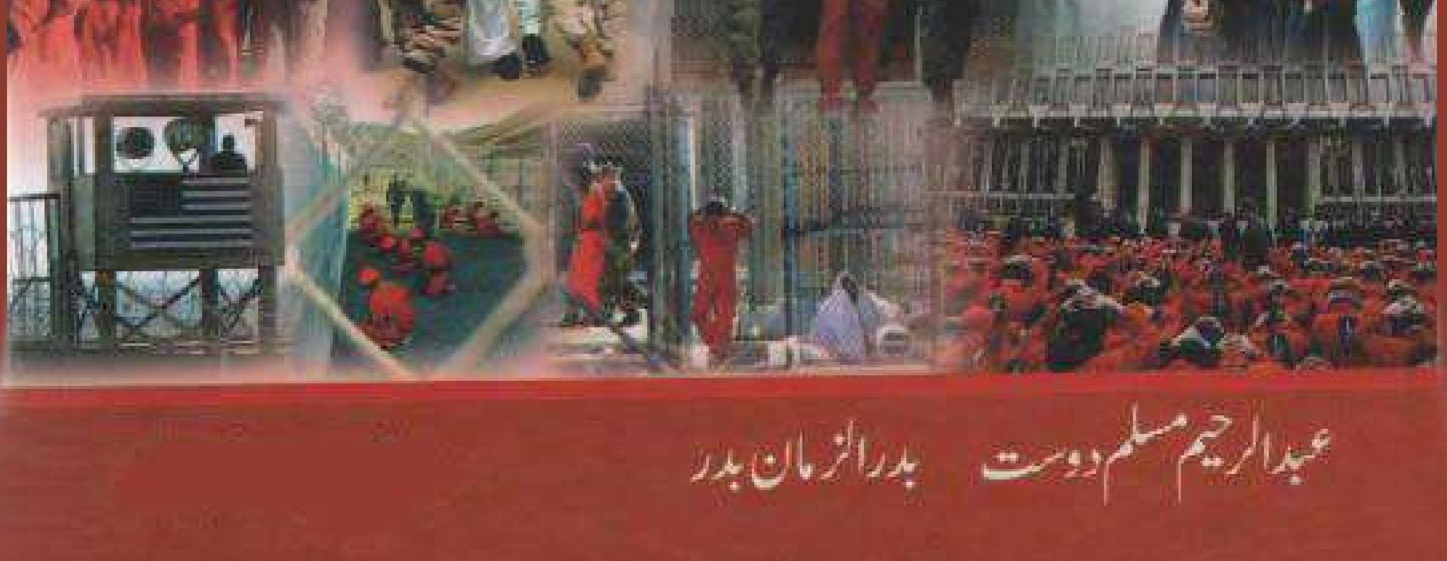

عبدالرحیم مسلم دوست

بدرالزمان بدر

"تہلکہ مچا دینے والی ایمان افروز کتاب"

گوانتاناموکی ٹوٹی زنجیریں

نامور افغان صحافی عبدالرحیم مسلم دوست اور بدرالزمان بدر کی گوانتاناموجیل میں چار سال قید و بند کے حالات واقعات کی خون دل سے لکھی گئی تحریریں پہلی بار پشتو کے بعد اردو زبان میں منظر عام پر آ گئی۔

- ○ نام نہاد جہادی تنظیم کالعدم لشکر طیبہ اور موجودہ جماعۃ الدعوۃ کی مسلم فروشی اور ڈالروں کے عوض امریکہ کو بیچے گئے مجاہدین کی داستانیں اور مجاہدین کے کروڑوں ملین کی امانتیں ہڑپ کرنے کے انکشافات۔
- ○ رونگٹے کھڑے کر دینے اور لہو گرما دینے والے سچے واقعات۔
- ○ CIA اور FBI کی تحقیق کے دوران کالے کرتوت۔
- ○ ڈاکٹر عافیہ صدیقی اور چھوٹی عمروں کے ننھے بچوں پر رواں رکھے جانے والے ظلم و ستم کی داستانیں۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں وہ سب کچھ بیان کیا گیا ہے جسے آج تک پردہ میں رکھا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فکوا العانی ”تم قیدی آزاد کراؤ“

گوانتاناموکی

ٹوٹی زنجیریں

مصنفین: الشیخ عبدالرحیم مسلم دوست، استاد بدرالزمان بدر حفظہما اللہ

اردو ترجمہ: محمد ناصر خان حفظہ اللہ

الخلافہ پبلیکیشنز اُردو بازار، لاہور
0322-4632378

انٹرنیٹ ایڈیشن
مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان
website : http://www.muwahideen.tk

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر
عرض مصنفین	12
مصنفین کتاب کا مختصر تعارف	15
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	18
ظاہر شاہ کے خلاف داؤد خان کی فوجی بغاوت	18
افغانستان کی اسلامی تنظیموں کا راہ عمل	23
گھر سے گوانتانامو اور گوانتانامو سے گھر تک	33
آئی ایس آئی کے خفیہ سیل اور ڈالرزدہ قیدی	44
استاد بدر الزمان بدرؔ کی سرگزشت	46
تشدد کی کہانی مسلم دوست کی زبانی	67
پشاور کے ہوائی اڈے میں امریکیوں کے مظالم	69
باگرام کے ہوائی اڈے کی داستان	69
ایک ہنسانے والا ڈرامہ	73
بگرام میں قیدیوں کو صفائی کی سہولت	74
باگرام جیل میں قیدیوں کا کھانا	74
باگرام میں امریکی فوجیوں کا بُرا سلوک	75
باگرام امریکی مظالم کا مرکز	75
باگرام میں امریکی عقوبت میں قتل کئے گئے قیدی	76

جلال آباد میں عقوبت خانے	77
اُستاد بدر کی زبانی باگرام کی کہانی	77
قندھار کی طرف سفر	92
قندھار میں تحقیق اور گھٹیا الزامات	94
قندھار میں میرے قیدی ساتھی	102
قندھار کی حالت زار	103
قندھار جیل میں قیدیوں کی خوراک	105
قیدیوں کا بالٹیوں میں رفع حاجت	106
قندھار جیل میں صفائی کا غیر مؤثر انتظام	107
قندھار میں ڈاکٹروں کا سلوک اور دوائیاں	107
قندھار میں قیدیوں کا لباس	108
قندھار جیل میں امریکی کٹھ پتلی	108
قندھار جیل میں دیگر قیدیوں کی آمد	109
قندھار میں قید تنہائی کے لئے الگ جیل	110
قندھار کے جیل کے آخری شب و روز	110
گوانتانانو جیل بھیجنے کی نشانیاں	110
قندھار سے گوانتانامو تک	128
گوانتانامو بے کی تاروں میں	130
ڈین این اے ٹیسٹ کیا ہے؟	134
آہنی پنجرے	135
پنجروں کی زندگی	136

خوابوں کی شکل میں بشارتیں	148
جرأت مند شیر	153
گوانتانامو کا جزیرہ	154
کیمپس اور بلاکس	155
ایکسرے کیمپ	156
ایکسرے کیمپ میں پہلا مظاہرہ	156
ڈیلٹا کمپلکس	157
پہلے کیمپ کے بلاک	157
دوسرے کیمپ کے بلاک	158
تیسرے کیمپ کے بلاک	158
چوتھے کیمپ کے بلاک	158
گولف بلاک میں میرے قریبی ساتھی	158
قید تنہائی کے بلاک	163
رومیو بلاک	164
ڈیلٹا بلاک میں پاگل قیدی	165
ایکو کیمپ	165
چوتھا کیمپ	166
چوتھے کیمپ کی سہولتیں اور آسائش	168
چوتھے کیمپ کی مشکلات	170
پانچواں کیمپ	172
ایگوانا کیمپ	173

خفیہ کیمپ	174
برزخ کا عالم	175
گوانتانامو میں سورج کا عجیب دورانیہ	176
مچھر اور گرمی	176
گوانتانامو کا لباس	177
قیدیوں کا کھانا پینا	178
قیدیوں کا علاج اور ادویات	179
گوانتانامو کی عیدیں	182
قیدیوں کا دوران قید اطمینان	185
قیدیوں کی جرأت اور حوصلے	185
گوانتانامو کی نمازیں اور روزے	186
جماعۃ الدعوۃ اور حافظ سعید کے لئے گوانتانامو میں بددُعائیں	188
گوانتانامو جیل میں دلچسپ واقعات	190
بلاک میں قیدی کا استقبال	193
امریکیوں کی بداخلاقیاں	193
امریکیوں فوجیوں کے اختیارات	197
قیدیوں کی سخت تلاشی	197
قیدیوں کو سزائیں دینا	198
قرآن کریم کی توہین اور بے توقیری	199
مظاہرے اور بھوک ہڑتالیں	200
اللہ سے قیدیوں کے رابطے توڑنے کی کوششیں	202

قیدیوں میں بے اتفاقی پیدا کرنے کی کوششیں	203
ریڈ کراس کا طریقہ کار	203
جنگی قیدی اور جنیوا کنونشن	204
نامکمل خطوط	207
نگرانی اور تجسس کے آلات	209
گوانتانامو میں بزرگ اور کم عمر قیدی	210
خاتون قیدی	211
قیدیوں میں امریکیوں کے جاسوس	212
قیدیوں سے امریکیوں کی اعصابی ونفسیاتی جنگ	216
CIA، FBI اور امریکی فوج کی حماقتیں	218
امریکی افواج کے بے اندازہ اخراجات	220
امریکیوں کا خوف اور بزدلی	222
روسیوں اور امریکیوں کا موازنہ	224
ترجمانی کی سختیاں	225
تفتیش یا پوچھ گچھ	228
چوتھے کیمپ کی باتیں	243
قیدیوں کی درجہ بندی	243
چوتھے کیمپ کے بعض قیدیوں کا تبادلہ	244
جھوٹ کی پہچان کے لئے جھوٹی مشین	260
ذوق واحساس کی آزمائش	261
قیدیوں کی رہائی	262

گوانتانامو کی فوجی عدالت	262
امریکیوں نے ہمیں ہماری تحریریں نہیں دیں	268
کابل کی طرف روانگی	269
جلال آباد کی طرف روانگی	274
جذبوں اور ولولوں سے بھرپور استقبال	274
پشاور گھر پہنچنا	275
ولولوں اور جذبوں سے بھرپور مہمان	276
صحافیوں کا سیلاب	277
رہا ہونے والے قیدیوں سے ملاقاتیں	277
ھماری غیر موجودگی میں افواہیں	277
ھماری نئی زندگی	278
آئی ایس آئی کے تاریک منصوبے	279
دس ماہ کا معصوم دہشت گرد	284
امریکہ کافر، ڈالر مسلمان	285
شمالی اتحاد کی سیاہ تاریخ	286
مجاہدینِ راہ حق کا طاغوتی ایجنٹوں کو مشورہ	290
فہرست جو پینٹا گون نے شائع کیں	297

☆☆☆

یہ کتاب اُردو ترجمہ میں اس سے پہلے مصنفین کی نظر سے گزرے بغیر چھپ گئی تھی۔ جس میں کچھ اغلاط ہیں لہٰذا قارئین نوٹ فرمالیں کہ آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب ہی نظر ثانی شدہ ترجمہ ہے۔

جملہ حقوق بحق ناشر و مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب .... گوانتاناموکی ٹوٹی زنجیریں
مصنفین .... الشیخ عبدالرحیم مسلم دوست، استاد بدرالزمان بدر

zaman_badr@yahoo.com

alkhilafa_alkubra@yahoo.com

مترجم .... محمد ناصر خان
اشاعت اوّل (پشتو) .... دولاکھ پچاس ہزار (2,50000)
اشاعت اوّل (اُردو) .... بیس ہزار (20,000)
سن اشاعت .... ربیع الاول 1430ھ مارچ 2009ء
برائے خط و کتابت .... P.O Box No 532 Peshwar Pakistan
قیمت .... 200/- روپے

.... ملنے کے پتہ ....

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار لاہور

مکتبہ محمودیہ حیدر آباد

مکتبہ ابن مبارک لاہور

الخلافہ پبلیکیشنز اُردو بازار، لاہور

0322-4632378

کتاب کا تعارف

یہ کتاب میں نے یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور سے خریدی اور اس کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کتاب کے مصنفین عبدالرحیم مسلم دوست اور بدرالزمان بدر نے اس کتاب کی تحریر کو اپنے خون کی روشنائی سے لکھا کیونکہ اس کتاب کو پڑھنے پر معلوم ہوا کہ امریکیوں نے مسلمان قیدیوں پر ایسے ایسے مظلوم ڈھائے جس کو پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور روح جسم کا ساتھ برقرار رکھنے کے لیے بہت ہی مشکل مراحل سے گزرتی ہے۔ راقم نے اس کتاب کو پشتو زبان میں پڑھا تو راقم کو اشتیاق ہوا کہ اس کتاب پر پختونوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کا حق بھی ہے جس سے وہ کتاب کے پشتو زبان میں ہونے سے محروم ہیں اور اس محرومی کو ختم کرنے کے لئے راقم نے کتاب کا اُردو ترجمہ کرنے کی ٹھانی اور بہت زیادہ محنت کے بعد ترجمہ عرصہ چھ ماہ میں مکمل کرنے میں کامیاب ہوسکا۔ کتاب ٹھوس پشتو زبان میں ہونے کی وجہ سے زیادہ تر پختون بھی کتاب کو پڑھنے سے محروم تھے چونکہ کتاب اُردو زبان میں شائع ہونے کی وجہ سے اب ہر عام وخاص گوانتانا موبے میں ہونے والے مظالم سے باخبر ہو سکتے ہیں اور اس کتاب کے ذریعے امریکی وحشی درندوں کی وحشت ناکی سے بخوبی آگاہ ہو سکتے ہیں یہ کتاب عالمی استعمار اور انسانی حقوق کے ان علمبرداروں کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے جو انسانی حقوق کا ڈھونگ رچا کر دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس کتاب میں وہ تمام حقائق پوشیدہ ہیں جو ان کے چہروں سے ان کے بہروپ کا نقاب کرید کرید کر ان کا اصل چہرہ دنیا کے سامنے بے نقاب کرتا ہے۔ یہ کتاب ظلم، بربریت کی وہ زندہ مثال ہے جو دنیا کی نظروں سے چھپائے جا رہے ہیں اور میڈیا وار کے ذریعے بے گناہ مسلمانوں کو دور حاضر کے بدترین انسان بنا کر پیش کر رہے ہیں مگر یہ کتاب ان وحشی درندوں اور ان کے آقاؤں کے اصل کرتوت پیش کرتی ہے جو سو فیصد حقائق پر مبنی ہے یہ وہ آپ بیتی ہے جو مصنفین پر اور دوسرے مسلمانوں پر پیش آئی ہے۔ قارئین پڑھ کر خود ہی انصاف کریں کہ مجرم اور وحشی کون ہیں ظلم سہنے والے وہ بے گناہ مسلمان یا عالمی استعمار امریکہ۔

بس راقم کے لیے یہی جواب کافی ہوگا جو کتاب کے پڑھنے پر آپ کے تاثرات کے ذریعے اُبھرے گا۔ پس اپنے دل، دماغ اور ضمیر کے مطابق فیصلہ کرنا آپ کے اپنے اختیار میں ہے اور یہ مقدمہ آپ نے ہی لڑنا ہے جو پیش خدمت کر دیا گیا ہے۔

مترجم: محمد ناصر خان

عرضِ مصنفین

یہ کتاب (گوانتانا موکی ٹوٹی زنجیریں) زخمی اور دردمند دلوں کے احساسات کی زندہ تصویر ہے جب ۲۰۰۱ء میں امریکہ پر استشہادی حملے کے بعد امریکہ نے اپنے اتحادی ملکوں کے ساتھ مل کر تمام اسلامی ملکوں خصوصاً افغانستان کے مظلوم اور نہتے عوام پر بزدلانہ حملہ کیا، اس خطے کے کچھ مرتدوں اور منافقوں نے ان کا ساتھ دیا، افغانستان کے بعض اسلام دشمن اور افغان دشمن ہمسایہ ملکوں اور ان کے دین فروش، قوم فروش اور ناموس فروش ایجنٹوں نے گدلے پانی میں مچھلی پکڑنے کے اس سنہری چانس کو ہاتھ سے نہ نکلنے دیا، شرم اور عار کے اس بزدلانہ حملے میں ان کے ساتھ مکمل حصہ لیا، انہوں نے ہمارے جیسے سینکڑوں بے گناہ افغان اور دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کو ایک مٹھی ڈالر کے عوض امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کیا، آئی ایس آئی کے خفیہ جیل خانوں، بگرام اور قندھار، گوانتانا مو بے، کے وحشی زندانوں اور آہنی پنجروں میں انسانی تاریخ کے بے مثال مظالم دیکھ لیے تو ان سب تصاویر کو اپنے دل و دماغ میں ثبت کیا اور رہائی کے بعد ان سب کو کتاب کے اوراق میں زندہ اسناد کے ساتھ لکھ دیا۔

کتاب میں جتنی تصاویر آپ دیکھ رہے ہیں ان میں سے کچھ کو تو ہم نے انٹرنیٹ کے ذریعے کچھ ہم سے پہلے اور بعد میں رہا ہونے والے قیدیوں سے حاصل کیں اور کچھ تصاویر پہلے سے انٹرنیٹ میں موجود تھیں، یہ وہ تصاویر ہیں جنہیں خود امریکی فوجیوں نے کھینچا ہے اور پھر خفیہ طور پر میڈیا پر بھاری رقم کے عوض فروخت کی ہیں اور میڈیا نے ان تصاویر کو انٹرنیٹ کے ذریعے سے شائع کی تھیں ان تصاویر کو میڈیا پر فروخت کرتے وقت بعض امریکی فوجی اپنی حکومت سے غداری کے جرم میں گرفتار بھی ہوئے ہیں۔ کچھ تصاویر برطانوی دستاویزی فلم The Road to Guantanamo سے لی گئی ہیں ہم نے ان تصاویر کو دوسری دیگر اسناد کے ساتھ یکجا کتاب میں شائع کئیں تا کہ قارئین حضرات کی توجہ اپنے طرف مبذول کرائیں۔ الحمدللہ زندان کے سرخ بھٹیوں سے نکلنے کے بعد ہمارا عقیدہ، ایمان و جرأت قوی اور مضبوط ہوا کہ کسی بھی طاغوت کا ڈر ہمارے دلوں میں جگہ نہیں پا سکتا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارکہ کی وجہ

سے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔

واعلم ان الامة لواجتمعت علی ان ینفعوک بشئ لم ینفعوک بشی الا قد کتبه اللّٰه لک وان اجتمعوا علی ان یضروک بشئ لم یضروک الابشئ قد کتبه اللّٰه علیک رفعت الاقلام وجفت الصحف .رواه الترمذی واحمد

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب ہم پشتو کتاب کو منظر عام پر لائے تو ہم پر ہر طرف سے مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور عالم اسلام کے موجودہ حالات سے بھی ہم آزردہ ہیں۔ اوّل تو کتاب چھپنے کے بعد لشکرِ خبیثہ کا ایک وفد ہمارے پاس آیا۔

ناپاک فوج کا لشکر جب ہمارے پاس آیا تو ہم نے ان کو مباھلے کی دعوت دی جس پر وہ قائم نہ رہ سکے بلکہ ہمارے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ شروع ہو گیا اور وقت نے بتا دیا کہ کون جھوٹا اور کون سچا ہے۔ ناپاک لشکر جس طاغوت کے ہاتھوں پلا اور پوسا اللہ تعالیٰ نے ان ہی کو ان پر مسلط کر دیا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ”جماعۃ الدعوۃ“ والے لشکرِ طیبہ سے اپنے تعلق کی تردید کرتے ہیں لیکن یہ ایک کتاب کے دو ورق ہیں۔ عوام الناس کو بے وقوف بنانے کے لئے نام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ یہ چاہے اپنی پبلیکیشنز یا نام بدلتے رہے لیکن غیور مسلمان مجاہد ان کو جان چکے ہیں۔

اب جس کے دل میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے چراغ جلا کے سرِ عام رکھ دیا ہے

کافی لمبے چوڑے مباحثے کے بعد اپنی غلطیوں کے اعتراف اور معافی کی بجائے ایجنسیوں کو ہمارے خلاف الرٹ کیا جس کی وجہ وہ مواد بنا جو کہ آئندہ صفحات پر آپ پڑھیں گے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہم میں سے ایک بھائی (مسلم دوست صاحب) پابند سلاسل ہوا اور دوسرے (استاد بدرؔ) بھی کوئی معمول کی زندگی نہیں گزار رہے ہیں۔

لیکن ان تمام تکالیف کی بجائے ہم نے عہد کیا ہے کہ ہم راہ حق کے مجاہدین کے ساتھ رہیں گے اور نہ صرف اپنے قلم سے بلکہ عمل سے حق کی حمایت جاری رکھیں گے۔ ہم افغانستان، پاکستان، فلسطین، صومالیہ، الجزائر، چیچنیا اور دنیا کے کونے کونے میں مجاہدین کے ساتھ ہیں ہم غزہ میں اسرائیل کے مظالم، افغانستان میں

امریکی جارحیت اور پاکستان میں جامعہ حفصہؓ، لال مسجد، سوات، وزیرستان، باجوڑ اور باقی تمام قبائلی علاقوں میں پاکستانی فوج کی جارحیت اور امریکی ڈراون میزائلوں کی پرزور مذمت کرتے ہیں اور طاغوتی حکمرانوں اور ان کی کٹھ پتلی جماعتوں پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ اپنی خباثت سے باز نہ آئے تو یہ آگ دنیا کے کونے کونے تک پھیل جائے گی۔

ہم ظالم حکمرانوں کی تمام جیلوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ انشاء اللہ فتح بہت قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ سب مجاہدین کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ رہائی نصیب فرمائے۔

یہاں پر ہم ایک وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ کتاب میں جہاں پر پنجابی کرنل و جرنل یا پنجابی مفاد وغیرہ کے حوالے سے جو باتیں آئی ہیں اس سے مراد پنجاب کے عوام نہیں بلکہ پنجابی اسٹبلیشمنٹ ہے جو اس وقت مجاھدین کے خلاف متحرک ہے۔ پنجاب کے نیک عوام' علماء کرام اور مجاہدین تو ہمارے بھائی ہیں اور ہمارے ساتھ جہاد میں شامل ہیں۔ ہماری کہانی میں جہاں پنجابی کرنل کی خباثت کا ذکر ہے وہاں پٹھان، امریکی اور شمالی اتحاد کی خباثت کا بھی ذکر موجود ہے لہٰذا ہم اپنی تمام اردو قارئین سے بھی یہی نظریہ ذہن میں رکھنے کی توقع رکھتے ہیں۔

شیخ عبدالرحیم مسلم دوست
اُستاد بدرالزمان بدر

zaman_badr@yahoo.com

alkhilafa_alkubra@yahoo.com

مصنفین کتاب کا مختصر تعارف

شیخ عبدالرحیم مسلم دوست

مرحوم حاجی عبدالمنان کا فرزند حاجی عبدالحنان کے پڑپوتے اور غازی صوفی محمد عالم جو صوفی عالم گل کے نام سے مشہور تھے پڑپوتے ہے ۱۳۲۸ ہجری شمسی میں صوبہ ننگرہار ضلع کوٹ صاحبان نامی گاؤں میں تولد ہوئے پرائمری تعلیم کوٹ کے لاغرجوی سکول میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم مزار شریف کے جامعہ اسدیہ اور ننگرہار کے نجم المدارس میں حاصل کیا۔ عالمی تحصیلات پشاور کے حدیقۃ العلوم المرکز الاسلامی اور جامعۃ الاثریہ میں حاصل کئے ہیں سن ۱۳۵۶ھ ش میں افغانستان سے ہجرت کر کے پشاور آیا بعض سیاسی تنظیموں کے ساتھ ثقافتی، جہادی، سیاسی اور دفتری کاموں میں حصہ لیا ہے ۳۷ کتابوں کے مصنف ہے مادری زبان پشتو کے علاوہ فارسی، عربی اور اردو زبان میں روانی سے بات کرتے ہیں عربی اور پشتو زبان میں شعر اور نثر بھی لکھ چکے ہیں مگر فارسی میں صرف شعر لکھے ہیں۔

استاد بدرالزمان بدر

جناب مسلم دوست کے چھوٹے بھائی سن ۱۳۴۴ھ شمسی صوبہ ننگرھار میں واقع کوٹ گاؤں میں تولد ہوئے ہیں، پرائمری تعلیم پشاور میں حاصل کر چکے ہیں انگلش میں ماسٹر ڈگری پشاور یونیورسٹی سے حاصل کی ہے سن ۱۳۵۶ھ شمسی میں صوبہ ننگرہار سے ہجرت کر کے پشاور آئے، روسیوں کے خلاف جہاد کے گرم محاذوں میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ پشاور کی بعض پرائیویٹ یونیورسٹیوں میں استاد بھی رہ چکے ہیں ثقافتی سرگرمیوں میں فعال کردار ادا کیا ہے پشتو اور انگلش زبان میں شعر اور نثر لکھ چکے ہیں عربی، پشتو، فارسی، انگلش اور اردو زبان میں روانی سے بولتے ہیں۔

پشتو اور اردو میں مقالے بھی لکھے ہیں موصوف مسلم دوست صاحب کا چھوٹا بھائی گوانتانامو زندان کا ساتھی بھی ہے دونوں بھائیوں نے مل کر یہ کتاب لکھی ہے لہٰذا بہت جالب اور دلکش ہے۔

محمد عبید

پیش لفظ

یہ کتاب گوانتانا موبے کی ٹوٹی زنجیریں اسلامی اُمہ اور خاص طور پر افغانستان کے مظلوم اور نہتے شہریوں کے دُکھی دلوں کی تصویر ہے‘ جن پر امریکہ پر ہونے والے نائن الیون کے حملوں کے نتیجہ میں، امریکی اتحادی افواج نے سخت خوف و ہراس کے عالم میں اپنے بھاری اسلحہ اور وسائل کے ساتھ بزدلانہ یلغار کر دی۔ علاقے کے مرتدوں اور منافقوں نے ساتھ دیا۔ افغانستان کے بعض افغان دشمن اور اسلام دشمن ہمسایوں اور افغان وطن فروشوں‘ دین فروشوں‘ ناموس فروشوں‘ کٹھ پتلیوں‘ مرتدوں اور منافقوں نے بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دو ڈالے‘ شرم و عار سے لبریز اس یلغار میں بھرپور حصہ لیا اور ہم جیسے بے گناہ افغانوں اور دُنیا کے دوسرے مسلمانوں کو چند ڈالروں کے عوض امریکیوں کے ہاتھ بیچ دیا۔

ہم نے پشاور میں ISI کی خفیہ جیل امریکی باگرام‘ قندھار جیل اور گوانتانا موبے کے وحشی زندانوں اور پنجروں میں انسانی تاریخ کی بے حساب ظلم وتشدد دیکھے اور یہ خاکے اپنے دلوں اور دماغوں میں نقش کیے ۔ آزادی کے بعد اس کتاب کے صفحات پر خون دل سے تحریر کر دیے اور زندہ ثبوتوں کے ساتھ شائع کر دی۔

اس کتاب کی رنگین تصاویر کچھ انٹرنیٹ سے حاصل کئیں اور کچھ دوسرے رہائی پانے والے قیدیوں سے حاصل کئیں۔ کچھ تیار انٹرنیٹ پر موجود تھیں جو امریکی فوجیوں نے اُتاریں تھیں اور پھر خفیہ طور پر خبر رساں اداروں کے ہاتھ بیچ دیں اور اُنہوں نے انٹرنیٹ اور دوسرے ذرائع میں شائع کروا دیں۔ ہم نے یہ تصاویر اس کتاب میں مناسب جگہوں پر لگا دی ہیں تاکہ پڑھنے والوں کے لئے زیادہ محفوظ ہوں اور اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو سکے۔ زندانوں کے سرخ گڑھوں سے نکلنے کے بعد الحمدللہ ہمارا عقیدہ‘ ایمان اور یقین اتنا زیادہ مضبوط ہو گیا کہ کسی بھی طاغوت کا ڈر ہمارے دلوں میں نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے اور زیادہ حوصلہ بڑھا۔

”واعلم اَن الامة لو اجتمعت علی اَن ینفعوک بِشی لم ینفعوک
بشئی اِلا قد کتبه اللّٰه لک واِن اجتمعوا علی اَن یضروک بشی لم

یضروک اِلا بشئی قد کتبہ اللّٰہ علیک رفعت الأ قلام وجفت الصحف"(روایت الترمذی واحمد)

ہم نے پوری جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا اور بہت سے حقائق سے پردہ اُٹھایا یہ اس لیے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر راہ حق پر چلتے ہوئے ہمارے سر بھی کاٹ دیے جائیں تو پھر بھی نہیں جھکائیں گے۔ بزدلوں کے منہ کالے اور سر جھک جائیں اور حق والوں کے چہرے چمکتے اور سر فخر سے بلند ہو جائیں۔

مصنفین
عبدالرحیم مسلم دوست / بدرالزمان بدر
E-mail: alkhilafa_alkubra@yahoo.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لانبی بعده وبعد:

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ جب ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کو امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر طیاروں کے ذریعے حملہ ہوا تو امریکہ نے اپنے اتحادی ممالک کے ساتھ مل کر بحری اور فضائی راستوں سے افغانستان پر بھرپور حملہ کیا. اس حملے میں کروز میزائیل کے علاوہ محدود معمولی مقدار میں ایٹمی ، بائیولوجیکل اور بڑے پیمانے پر کیمیاوی ہتھیار استعمال کیا. امریکہ نے افغانستان کی جنگ میں وہ نیا ہتھیار بھی استعمال کیا جو اس سے پہلے دنیا کے کسی بھی گوشے میں استعمال نہیں کیا گیا تھا. اس وقت پاکستانی حکمرانوں نے اپنے دوغلی سیاست کی وجہ سے اور ڈالروں کے لالچ میں امریکہ کو اپنے فضائی اڈے حوالے کر کے افغانستان پر امریکی حملے میں حصہ لیا. اور بہت سے بے گناہ افراد ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالے کیا اس ضمن میں ، ہم دونوں بھائی عبدالرحیم ''مسلم دوست'' اور استاد بدرالزمان بدر بھی پاکستانی اور امریکی ظالمانہ چنگل میں پھنس گئے. شامی روڈ پر واقع آرمی سٹیڈم کے قریب آئی ایس آئی کے دفتروں کے اندر خصوصی زندان سے لے کر باگرام ، قندھار اور کیوبا گوانتانامو کے پنجروں تک ہم نے ساڑھے تین سال قید و بند میں گزارے. یعنی ۱-۹-۱۴۲۲ ہجری قمری سے ۹-۳-۱۴۲۵ ہجری قمری تک جیل میں پر مشقت زندگی گزارنے کے بعد اللہ تعالی کے فضل و کرم سے آزاد ہوئے. یہ طویل مدت اسلام اور انسانیت کے خلاف ایسی اذیت ناک اور اندوھناک کہانیوں سے بھری ہوئی ہے جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اس سے پہلے کہ ہم قارئین کرام کو اپنی سرگذشت بیان کریں بہتر ہوگا کہ حالات کی مناسبت سے افغانستان اور خطے کے سیاسی حالات، جہادی اور سیاسی تنظیموں، اور بعض ہمسایہ ممالک کے سیاسی طرز العمل اور ان کی انٹیلی جینس اداروں کی کارکردگی پر روشنی ڈالیں گے۔ جب سردار داؤد خان نے فوجی بغاوت کے ذریعے شاہ ظاہر شاہ کی بیالیس سالہ شاہی اقتدار کا خاتمہ کر دیا تو انھوں نے افغانستان میں جمہوریت کا اعلان کیا. ہم یہاں مختصر طور پر داؤد خان کے فوجی بغاوت کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالیں گے.

ظاہر شاہ کے خلاف داؤد خان کی فوجی بغاوت

جب سردار داؤد خان ۲۶/۴/۱۳۵۲ ہجری، شمسی مطابق ۱۷/۷/۱۹۷۳ میلادی سال میں ایک

بغاوت کے ذریعہ مسند اقتدار پر قابض ہوا اور شاہ ظاہر شاہ کا بیالیس سالہ اقتدار ختم کیا تو اس وقت شاہ ظاہر شاہ اٹلی کے دورے پر تھے. داؤد خان نے بغاوت کے بعد سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے یعنی صدر کے عہدے سے لیکر وزارت عظمی، دفاع اور وزارتِ خارجہ تک کے تمام تر عہدوں کا مالک بن بیٹھا. چونکہ فوج میں موجود کیمونسٹ افسروں نے بغاوت میں داؤد خان کا ساتھ دیا تھا چنانچہ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سردار داؤد کا سیاسی محاصرہ کیا اور حکومت و فوج میں اپنا نفوس بڑھا دیا۔

یہی وجہ تھی کہ داؤد خان کے دور اقتدار میں مسلمان تنظیموں کے خلاف سازشیں زور پکڑ گئیں داؤد خان نے افغانستان کی ترقی کیلئے دس سالہ منصوبہ تیار کیا. پشتونستان کے مسئلے کو اور بھی ہوا دی؟ یہاں تک کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان تعلقات بہت خراب ہونے لگے۔ چونکہ پاکستان ڈیورنڈ لائن کے معاہدے کے خاتمے کے بعد ایک مضبوط اور ترقی یافتہ افغانستان برداشت نہیں کر سکتا تھا اور پاکستان کو یقین تھا کہ داؤد خان کا ماسٹر پلان پاکستان کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے تو پاکستان نے افغانستان میں موجود مسلمان تنظیموں کے ساتھ خفیہ روابط قائم کئے ادھر سردار داؤد کے دور حکومت میں مسلمان تنظیمیں ظلم و جبر کا شکار تھیں اس لئے پاکستان نے موقع کو غنیمت جانا جنرل نصیر اللہ بابر ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں صوبہ سرحد کے گورنر اور انٹیلی جینس ادارے کا ایک فعال کارکن تھا اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور افغانستان کی اسلامی تنظیموں کے بڑے بڑے اراکین کو پاکستان میں پناہ دی. اگرچہ افغانستان کی اسلامی تنظیموں کے اراکین اور پاکستانی حکمرانوں کے اہداف میں بہت بڑا فرق تھا لیکن مشترک دشمن کو مٹانے کیلئے دونوں نے ایک دوسرے کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا. حکومت، فوج اور افغانستان کی اسلامی تنظیموں کے ارکان کے درمیان روابط میں نصیر اللہ بابر نے بڑا کردار ادا کیا. افغانستان کی اسلامی تنظیم کے کارکن خفیہ راستوں سے پشاور آتے یہاں قلعہ بالا حصار میں میجر رنگ بادشاہ کے توسط سے متعلقہ حکام سے ان کی ملاقات کی جاتی تھی. وہ انہیں ٹریننگ کیلئے فوجی گاڑیوں میں چراٹ اور اسلام آباد بھیجتے پشاور میں علاقہ گنج، پیر سکو اور فقیر آباد میں ان کیلئے دفاتر قائم کئے گئے تھے. فوجی ٹریننگ کے بعد انہی دشوار پہاڑی راستوں سے واپس افغانستان بھیجا جاتا. جس کے نتیجے میں ۱۳۵۴ ہجری شمسی میں افغانستان کے مختلف صوبوں اور ضلعوں میں حکومتی اہداف پر مسلح حملے ہوئے. ابتداء میں عوام نہیں جانتے تھے کہ یہ حملے کون کر رہے ہیں؟ ہر کوئی اپنی اپنی سوچ کے مطابق بات کرتا. تاہم بہت جلد عوام اس حقیقت سے آگاہ ہوئے کہ یہ حملے افغانستان کے

اخوان المسلمین تنظیم کے ارکان کر رہے ہیں. اس وقت اسلامی تنظیم کے اراکین نے خفیہ طور پر بعض چھاپ شدہ منشور، لٹریچر اور شبنامے بھی افغانستان پہنچا دیئے جن میں داؤد خان کا مضحکہ خیز ڈرامہ، فاجعہ ۱۲۶ سرطان (نامی کتاب) وغیرہ وغیرہ....

مجاہدین کے مسلح تصادم کی وجہ سے سرکار وقت نے اسلامی تحریک کو کچلنے کا پروگرام شروع کیا اور اس سلسلے میں اسلامی تحریک پر حملے کے ضمن میں تنظیم کے کچھ ارکان جیسے مولوی حبیب الرحمان، ڈاکٹر عمر وغیرہ افغانستان کے فوجیوں کے ہاتھوں پکڑے گئے. کچھ اشخاص کو داؤد خان کے دور حکومت میں اور کچھ اشخاص کو کیمونسٹ انقلاب کے بعد شہید کیا گیا اور بہت سے اشخاص ابھی تک لا پتہ ہیں.

مختصر یہ کہ اس دوران اسلامی تحریک کے لیڈروں کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا' اسلامی تحریک' حزب اسلامی اور جمعیت اسلامی کے نام سے دو دھڑوں میں بٹ گئیں ایک دھڑے کا سربراہ انجینئر گلبدین حکمت یار نامزد ہوا اور دوسرے دھڑے کا سربراہ برہان الدین ربانی، حزب اسلامی کا موقف یہ تھا کہ افغانستان میں مسلح جدوجہد جاری رکھی جائے اور جمعیت اسلامی کا موقف یہ تھا کہ سیاسی گفت وشنید سے کام لیا جائے. یہ تنظیم لسانی اور نسلی تعصب کا بھی شکار تھی اسلامی تنظیم کے جوان خفیہ طور پر پاکستان جا کر وہاں فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد افغانستان واپس آتے. یہ سلسلہ جاری تھا کہ داؤد خان کے اقتدار کے اواخر میں روس اور داؤد حکومت کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے. یہ اس لیے کہ روسی حکمران افغانستان کو اپنی کالونی اور داؤد خان کو اپنا غلام تصور کرتا تھا. مگر داؤد خان روسیوں کے اس تصور کے خلاف ڈٹ گئے اور روسیوں کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا. یہی وجہ تھی کہ داؤد خان اور خلق نامی کیمونسٹ پارٹی کے درمیان تعلقات خراب ہو گئے. انہوں نے سویت یونین کے سربراہ برژنف کو رپورٹ دی کہ داؤد خان نے امریکہ سے روابط استوار کر لئے ہیں اور وہاں سے فوجی مشیر مانگے ہیں. ۱۸/۱۷ اپریل ۱۹۷۸ کو داؤد خان کو ماسکو کے دورے کی دعوت دی گئ. برژنف نے داؤد خان سے پوچھا کیا یہ بات درست ہے کہ تم نے امریکہ سے فوجی مشیر بھیجنے کی درخواست کی ہے؟ داؤد خان نے جواب میں کہا: میں ایک آزاد اور مستقل ملک کا سربراہ ہوں کوئی بھی مجھ سے پوچھنے کا حق نہیں رکھتا. سردار داؤد نے ہندوستان، مصر، سعودی عرب، کویت اور دوسرے ممالک کا بھی دورہ کیا تا کہ اسلامی ممالک سے اپنے روابط کو فروغ دیں. اسی دوران ۱۹۷۸/۴/۱۷ عیسوی کو کیمونسٹ پارٹی کے پرچم دھڑے کے ایک لیڈر میر اکبر خیبر کو قتل کر دیا گیا.

خیال کیا جاتا ہے کے میر اکبر خیبر کو روسیوں نے مارا تھا‘ اس لیے کہ وہ ایکطرف تو ببرک کارمل کا سخت رقیب تھا اور دوسری جانب اس کے قتل کا الزام داؤد کے سر پر ڈالا تا کہ کیمونسٹ داؤد خان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں. کیمونسٹوں نے اس کی لاش کو کابل کے گلی کوچوں میں گھمایا پھرایا تا کہ داؤد خان کے خلاف کیمونسٹوں کے جذبات بھڑکائیں اور یوں داؤد خان اور کیمونسٹوں کے درمیان تعلقات اور روابط بہت خراب ہو گئے . یہاں تک کہ روسیوں سے مشورے کے بعد خلق دھڑے نے سن ۷/۲/۱۳۵۲ ہجری شمسی بہ مطابق ۲۷/۴/۱۹۷۸ جنرل عبدالقادر اور دوسرے کیمونسٹوں کے تعاون سے داؤد کے خلاف خونریز فوجی بغاوت کی. اسے محل کے اندر محاصرہ کر کے ختم کرنے کی زبردست کوشش کی گئی مگر داؤد خان نے کیمونسٹوں کے خلاف زبردست مقابلہ کیا اور زندگی کی آخری سانس تک بے جگری سے لڑتے رہے بالآخر فضائی بمباری کے ذریعہ اسے قتل کیا گیا. خلق دھڑے نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا. نور محمد ترکئی خلق دھڑے کا سربراہ تھا افغانستان کا صدر اور انقلابی شوری کے سربراہ کی حیثیت سے مقرر کیا گیا. ببرک کارمل کو جو پرچم دھڑے کا سربراہ تھا نائب صدر اور انقلابی شوری کا معاون بنایا گیا. یوں دونوں دھڑوں کے درمیان حکومت مساویانہ طور پر تقسیم کر دی گئ. پاکستان میں موجود مسلمان تنظیموں نے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں اور کیمونسٹ حکومت کے خلاف مسلح جہاد کا آغاز کیا. پاکستان نے مجاہدین کو امریکی ساخت مارپور، ہندوستانی ساخت جی تھری بندوق اور کچھ پرانے زمانے کی انگریزی اور درہ آدم خیل میں بنائی گئی بندوقیں حوالے کیں اور یوں پاکستان میں مقیم مجاہدین اور پاکستانی خفیہ اداروں کے درمیان روابط مستحکم ہو گئے. جنرل ضیاء الحق نے ۶/۷/۱۹۷۷ کو ذوالفقار علی بھٹو کو فوجی انقلاب کے ذریعے گرفتار کر کے اقتدار پر قبضہ کیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے خود فوجی حکمران بن بیٹھا ضیاء الحق کے دور میں پاکستان ملٹری انٹیلی جنس ایجنسی بہت مستحکم اور مضبوط ہو گئی اور آئی ایس آئی کی مضبوط بنیاد ڈالی گئی جو افغانستان کے حوالے سے اور بھی متحرک ہو گئی. ترکئی، امین، ببرک اور نجیب انھی کے دور میں برسر اقتدار آئے. سن ۲۵/۶/۱۳۶۸ ہجری شمسی مطابق ۱۷ /۹/ ۱۹۷۹ میلادی میں نور محمد ترکئی کے وفادار شاگرد حفیظ اللہ امین نے بغاوت کر کے ترکئی کو ہلاک کر دیا. اور اقتدار پر قابض ہوا اور اسی ماہ کے ۱۹ تاریخ کو انقلابی شوری کا سربراہ اور ملک کا صدر بنا.

۲ دسمبر ۱۹۷۹ کو ایک محدود تعداد میں روسی فوجی بگرام ائیرپورٹ لا کر اتارے گئے‘ اور یہ بہانہ بنایا گیا کہ افغانستان پر اچانک حملے کی صورت میں وہ دفاع کریں گے. لیکن ۲۷ دسمبر کو روسی فوجیوں نے افغان

صدر حفیظ اللہ امین کو قتل کر دیا اور اسی طرح روسی فوجیوں نے افغانستان پر زمینی یلغار کر دی اور ببرک کارمل کو لا کر افغانستان کا صدر مقرر کیا. ببرک کارمل نے ریڈیو تاشقند سے کابل ریڈیو کی فریکونسی پر بیان جاری کیا اور وہاں سے روسی فوجی کے قافلے کے ساتھ افغانستان داخل ہوا. افغانستان میں روسی افواج کی تعداد پہلے (۸۰۰۰۰) اسی ہزار تک تھی مگر یہ تعداد بعد میں ایک لاکھ پچاس ہزار تک جا پہنچی. پھر سن ۱۹۸۶/۵/۴ میں ببرک کارمل کو استعفیٰ کیلئے مجبور کیا گیا اور ڈاکٹر نجیب اللہ کو انقلابی شوری کا سربراہ بنا دیا گیا. سن ۱۹۸۹ فروری کے مہینے روسی افواج افغانستان سے نکلنے پر مجبور ہوئیں.

ببرک کارمل نے پہلے سے ایک نسلی گروپ تیار کر رکھا تھا اور اسے انجینئر احمد شاہ مسعود کے سپرد کیا جو بالآخر شمالی اتحاد کے نام سے منظر عام پر آیا. نجیب حکومت کے سقوط کے فوراً بعد پہلے سے تیار کردہ منصوبے کے تحت شمالی اتحاد کے دستے کابل میں داخل ہوئے یوں نجیب کا اقتدار عملاً ختم ہوا. اور افغانوں پر بہ زور و زبردستی مسلط شدہ معاہدہ پشاور کے مطابق صبغت اللہ مجددی کا برائے نام دو مہینے پر مشتمل اقتدار رشید دوستم کی ملیشیا کے سائے میں ختم ہوا، اور پھر برہان الدین ربانی کو اقتدار حوالے کیا گیا. شمالی اتحاد میں ستمی، پرچمی برائے نام اخوانی مسعود، محمود بریالے نجم الدین کاویانی، فرید مزدک، عبدالرشید دوستم، جنرال مومن، بنی عظیمی، پیگیر، آصف دلاور، بابا جان اور دیگر قوم پرست اشخاص شامل تھے انہوں نے کابل شہر کو ظلم، بدنظمی افراتفری اور لوٹ مار سے دو چار کیا امن و امان اور حکومتی عملداری کا خاتمہ ہو گیا ہر طرف راستوں میں پھاٹک بنا کر مقامی کمانڈروں نے اپنے اپنے علاقوں میں الگ ریاستیں قائم کر لیں۔ کابل ظلم، بے انصافی، لوٹ مار چوری چکاری اور قتل و غارت گری کے اندھیروں میں ڈوب گیا. ربانی اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے اہل حل و عقد کے نام سے شوریٰ کا ڈرامہ رچا کر مسند اقتدار پر جما رہا. یہاں تک کہ طالبان کے دور حکومت میں بھی اپنے آپکو افغانستان کا قانونی صدر کہتا تھا اور افغانستان کے شمال میں واقع چودہ صوبوں میں صدر کی حیثیت سے چھپتے چھپتے گھومتا پھرتا اور اپنی حکومت کی اسٹیمپ اپنی جیبوں میں رکھتا تھا. یہاں تک کہ برہان الدین ربانی نے، شاہ شجاع، امیر عبدالرحمان اور ببرک کارمل کی یادیں تازہ کر دیں اور بالآخر امریکی افواج کے قافلے کے ساتھ کابل میں داخل ہوا. امریکہ نے ربانی کو استعمال کر کے اس کو لات ماری اور یوں ربانی دنیا کے سامنے ذلیل ہو گیا. اس سے پہلے کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں ہم ایک بار پھر مسلح جہاد اور مزاحمت پر روشنی ڈالیں گے اور اسلامی تحریکوں کے بارے میں معلومات فراہم کریں گے.

افغانستان کی اسلامی تنظیموں کا راہ عمل

پاکستان میں موجود افغانی اسلامی تنظیموں کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ یہ ہے کہ حزبِ اسلامی اور جمعیت اسلامی کے بعد دیگر چھوٹی چھوٹی پارٹیاں بھی وجود میں آئیں مثلاً جبہہ نجات ملی، محاذ ملی وغیرہ۔

ایکبار ان سب پارٹیوں کو متحد کرنے کیلئے کوششیں ہوئیں اور حرکت انقلاب اسلامی کے نام سے مولوی محمد نبی محمدی کی قیادت میں سب پارٹیاں متحد ہوئیں مگر مولوی محمد یونس خالص اپنے حواریوں کے ساتھ اس اتحاد میں شامل نہ ہوا چونکہ وہ پہلے انجینئر گلبدین حکمتیار کی قیادت میں حزب اسلامی کی تنظیم میں تھا تو انہوں نے حزب اسلامی (خالص) کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کی۔ جب حرکت انقلاب اسلامی کا یہ اتحاد ختم ہوا تو اس سے مزید پارٹیاں وجود میں آئیں اور حرکت انقلاب اسلامی کے نام سے جو اتحاد بنا تھا اسی کا نام برقرار رکھتے ہوئے مولوی محمد نبی اس کا سربراہ بنا اور یہ نام مولوی محمد نبی محمدی کی پارٹی کے نام سے موسوم ہوا۔ جب بھی اتحاد ہوا تو اس سے مزید پارٹیاں وجود میں آئیں۔ اتحاد کے ختم ہونے کے بعد حزب اسلامی حکمتیار پاؤں پر کھڑی ہوئی تو مولوی خالص نے اپنی پارٹی حزب اسلامی کے نام کو الٹ کر اسلامی حزب کا نام رکھ لیا۔ جب پروفیسر عبدالرب رسول سیاف کابل کی پل چرخی جیل سے رہا ہو کر پشاور آیا تو ایک بار پھر اتحاد کیلئے کوششیں تیز ہوگئیں جس کے نتیجے میں چھ تنظیموں نے جس میں حزب اسلامی، اسلامی حزب، حرکت انقلاب اسلامی، جمعیت اسلامی، جبھہ نجات ملی، اور محاذ ملی شامل تھیں مجاہدین کے اتحاد اسلامی کے نام پر یکجا ہوئیں اور استاد سیاف اس اتحاد کا امیر مقرر ہوا۔ افغانستان میں روسی افواج کی آمد کے بعد دنیا میں ہلچل مچ گئی اور پوری دنیا جاگ اٹھی۔ بحر ہند کے گرم پانیوں تک روسیوں کی آمد اور خلیجی ممالک کے تیل پر روسیوں کے قبضہ ہو جانے کا خطرہ اور اندیشہ پیدا ہو گیا۔ افغانستان کے اندر مجاہدین کی کاروائیوں اور جہادی سرگرمیوں میں شدت آ گئی۔ بڑے پیمانے پر افغان عوام ہجرت کرنے لگے۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں لاکھوں افغان مہاجرین کیلئے خیمہ بستیاں قائم کی گئیں۔ بہت سے افغان ایران بھی ہجرت کر گئے۔

امریکہ اور دوسرے ممالک کو اندیشہ لاحق ہوا کہ روسیوں کا اصل ہدف بحر ہند کے گرم پانیوں اور خلیجی ممالک کے تیل پر قبضہ کرنا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی توجہ افغانستان کیطرف ہوئی۔ پاکستان نے بھی اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھایا "تیمّم نبود گنج خدا بود، اموختہ شدم اسودہ شدم" کی ضرب المثل پاکستان کیلئے سچ اور

حقیقت ثابت ہوئی. افغان جہاد اور ہجرت پاکستان کیلئے بیش بہا خزانہ ثابت ہوا. پوری دنیا نے پاکستان کے ساتھ تعاون کا سلسلہ شروع کیا اور بارش کیطرح ہرطرف سے مال و دولت برسنے لگی. پاکستانی حکمرانوں نے بھی اس موقع کو غنیمت جان کر پوری دنیا سے مدد اور تعاون کرنے کی استدعا کی. آئی ایس آئی اور افغان کمشنریٹ میں معمولی نوکری کیلئے لاکھوں روپیہ رشوت دی جاتی تھی اور ہر کوئی کوشش کرتا تھا کہ ان کے دفتروں میں نوکریاں حاصل کریں اور یوں افغان مہاجرین کیلئے آنے والی امداد میں خورد برد کر کے اپنی جیبیں بھریں.

آئی ایس آئی نے افغانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا. پاکستان نے اپنی افواج کیلئے افغان مجاہدین کے نام پر سٹینگر میزائل تک کا ہتھیار حاصل کیا. آٹے میں نمک کے برابر مجاہدین کو بھی دیا اور باقی اپنے لئے محفوظ رکھا. پاکستانی بینک افغانوں کے لئے امدادی اداروں کے پیسوں سے بھر گئے. سڑکیں دو رویہ ہوگئیں اقتصادی حالت اچھی ہوگئی یہاں تک کہ ایٹم بم بنانے کے بھی قابل ہوگیا.

صرف سعودی حکومت نے امریکہ کی ہدایت پھر مہاجرین کے کیمپوں کے کرایہ کے نام پر سالانہ تین سو ستر ملین ڈالر پاکستان کے حوالہ کیا اسکے علاوہ عرب ممالک یورپ اور امریکہ نے مہاجر کیمپوں کیلئے جو امداد کی وہ ان کیمپوں کی زمین کی اصل قیمت سے بیس گنا زیادہ ہے. اس کے علاوہ تیل سمیت خوردنی اشیاء بھی پاکستان روانہ کرتا تھا. مختصر یہ کہ افغانوں کی قربانی میں پاکستانی قوم کو بہت بڑا فائدہ ہوا اور چاروں انگلیاں گھی میں ڈوب گئیں. سینکڑوں خیراتی اداروں نے پاکستان کے فلاحی کاموں میں حصہ لیا. گھروں اور دفاتروں کے کرایہ بڑھ گیا مگر پھر بھی پاکستانی حکمران یہ واویلا کرتے تھے کہ پاکستان کے مسائل بہت زیادہ ہیں اور افغان مہاجرین پاکستانی معیشت پر بوجھ ہیں. افسوس کی بات تو یہ تھی کہ افغانوں کی کوئی اپنی آواز نہ تھی اور افغانوں کی وکالت پاکستان ہی کر رہا تھا. جہادی لیڈر آئی ایس آئی کے مرہون منت ہو کر کھل کر بات نہیں کر سکتے تھے. خلیجی اور دوسرے ممالک سے جوق در جوق مسلمان جوان افغانستان میں جہاد کیلئے پاکستان آئے. بہت سے ممالک کے مجاہدین کیلئے تو پاسپورٹ کی بھی ضرورت نہ تھی اور پاسپورٹ کے بغیر آزادانہ طور پر پاکستان اور اپنے وطن آتے جاتے تھے. چنانچہ الجزائر، المغرب (مراکش)، تیونس وغیرہ عرب ممالک کے کئی خاندان پاسپورٹ کے بغیر پاکستان میں مقیم تھے مختلف تنظیموں اور شخصیتوں نے مہمان خانے بنائے اور ہر کوئی اس کوشش میں لگا رہا کہ آنے والے مہمانوں کو اپنے اپنے مہمان خانوں میں ٹھہرا کر ان سے مالی تعاون حاصل کریں اور جوانوں کو جہاد کیلئے بھیج دیں. اسامہ بن لادن، عبداللہ عزام اور بہت

سے اشخاص اور اداروں نے اس میں بڑا کردار ادا کیا. عبداللہ عزام رحمہ اللہ نے پشاور میں مکتب الخدمات کے نام سے ایک بڑا دفتر بنایا 'الجہاد' کے نام پر ماہانہ عربی رسالہ نکالتا تھا اور اس نے عرب ممالک سے سب سے زیادہ تعاون حاصل کیا. پشاور میں عرب ممالک سے آنے والے مجاہد نوجوانوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ ہر ملک نے اپنے لئے خصوصی مہمان خانے بنائے. افغانستان کی مشہور پارٹیوں کے علاوہ مزید کئی چھوٹے چھوٹے گروپ اور دھڑے بھی بن گئے تھے جن میں حرکت انقلاب اسلامی سے علیحدہ ہونیوالا نصر اللہ منصور اور رفیع اللہ موذن کے دھڑے، اسی طرح مولوی محمد افضل کی سرپرستی میں دولت انقلابی اسلامی اور شوریٰ نظار کے دھڑوں کے نام قابل ذکر ہیں.

پاکستانی حکمرانوں، فوج اور انٹیلی جنس اداروں کے افسران یعنی جنرل ضیاء الحق، جنرل اختر عبدالرحمان، جنرل حمید گل، کرنل سلطان امیر تارڑ جو کرنل امام کے نام سے مشہور تھے ان سب نے مسئلہ افغانستان کو اپنے ہاتھ میں لیا اور سب کچھ خود کرنے لگے. آئی ایس آئی نے آہستہ آہستہ مجاہد تنظیموں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا دیا. کمانڈروں کے ساتھ اپنے تعلقات مستحکم کر لئے یہاں تک کہ بہت سے جہادی کمانڈر اپنی اپنی پارٹیوں سے بغاوت کر کے براہ راست آئی ایس آئی کے ماتحت کام کرنے لگے. بات یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ کمانڈر حضرات اسلام آباد کی خاطر افغانستان کے مفادات بھی قربان کرنے لگے تاریخ کے اس طول وعرض میں ۱۴۰۵ھ ق سال میں الجماعۃ السّلفیہ کے نام سے بھی ایک چھوٹی سی جماعت کی بنیاد ڈالی گئی اس جماعت نے جامعۃ الدعوہ الی القران والسنہ کی نام سے ایک مدرسہ بھی قائم کیا.

کچھ عرصہ بعد جماعة السلفيه کا نام تبدیل کر کے جماعة الدعوة الى القران والسنه کر دیا سن تاسیس کے مونوگرام میں ۱۴۰۵ ہجری قمری سال کی جگہ ۱۳۸۴ھ ق لکھدیا تا کہ یہ جماعت قدیم نظر آئے ہم نے اس جھوٹے دعوے پر شدید احتجاج اور مخالفت کی مگر کسی نے نہ سنی حزب اسلامی کا رُکن اور صوبہ کنڑ کا باشندہ مولوی حسین اخونزادہ جو بعد میں مولوی جمیل الرحمان کے نام سے مشہور ہوا پہلے اس تنظیم کا امیر بن گیا. اس تنظیم میں شامل افراد کی اکثریت حکمت یار کی حزب اسلامی کے سابقہ ارکان تھے اور کچھ افراد دوسری تنظیموں سے بھی آکر اس میں شامل ہوئے تھے. مثلا مرحوم شارق اور اس کے ساتھی حضرات. ہم بھی ان لوگوں میں سے تھے جو جماعۃ الدعوۃ کے اس خوبصورت نام سے دھوکہ کھا کر اس میں شامل ہوئے تھے. ہمارا خیال تھا کہ یہ تنظیم قران وحدیث، صحیح عقیدہ اور افغان عوام کے مفاد اور بہتری کیلئے مخلصانہ جدوجہد کریگی. اگر یہ

مقصد نہ ہوتا تو نئی تنظیم بنانے کا کوئی جواز نہ تھا چاہیے یہ تھا کہ تنظیموں کو محدود کیا جائے کیونکہ تنظیموں کی زیادت اختلاف کا باعث بنتی ہیں اور یہ اختلاف اسلام اور اسلامی امت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے. یہی وجہ تھی کہ میں بھی اس تنظیم کا سرگرم رکن بنا، اور کلچرل کمیٹی کی ذمہ واری میرے سپرد کی گئی. ہم نے شیخ جمیل الرحمان کو دنیا والوں کو متعارف کرایا. کویت اور سعودی کے ہلال احمر نیز عرب ممالک کے بڑے بڑے تاجروں اور سعودی سلطنت کے بڑے حکومتی عہدیداروں نے اس تنظیم کے ساتھ تعاون کرنا شروع کیا اور بے حساب مالی تعاون سے نوازا ایک مصری عرب ابوصہیب نے معہد کی بنیاد رکھی جو بعد میں امام بخاری یونیورسٹی کے نام سے پہچانا گیا .المجاہد کے نام پر ایک عربی رسالہ بھی باقاعدگی سے شائع کیا جو سعودی حکمرانوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے امیر سلمان اور اس کے خصوصی نمائندے کے مشورے سے ہر مہینہ شائع کیا جاتا تھا. اس رسالے میں سعودی حکمرانوں کے مفادات کا خصوصی خیال کیا جاتا تھا. ایک بار ابوصہیب نے سعودی نمائندوں کے مشورے کے بغیر رسالہ شائع کیا جس میں کسی عرب ملک کے حکمران کیلئے طاغوت کا لفظ استعمال کیا گیا تھا. سعودی نمائندوں نے اس رسالے کو تقسیم کرنے سے روک دیا اور اس مہینے کے سارے رسالوں کو جمع کر کے آگ میں جلا کر راکھ کر دیا. یہ کام اس لیے کیا کہ کہیں سعودی حکمران یہ مطلب نہ نکالے کہ یہ لفظ ہمارے لئے استعمال ہوا ہے. ابوصہیب نے امیر سلمان کے خصوصی نمائندہ کو کہا کہ اس سے مراد ایک کمیونسٹ حکمران تھا. اس نے جواب میں کہا کہ اگر تمہارا مطلب فرعون بھی ہو پھر بھی مجلّہ میں طاغوت لفظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں. **جماعةالدعوة** شیخ جمیل الرحمٰن کی شخصی ملکیت بن گئی. شوری کے ارکان صرف اس لئے مخصوص کئے گئے تھے کہ جب عرب تاجر اور شیوخ تشریف لائیں تو شوری کے ارکان کو جن کی بڑی بڑی داڑھیاں تھی اور بڑے بڑے عمامے پہنے ہوتے تھے ان کے سامنے پیش کر کے انہیں یہ باور کرایا جائے کے ہمارا سارا کام شورائیت پر مبنی ہے اور ہمارے پاس علماء بھی ہیں اس طریقے سے ان سے پیسے بٹورے جاتے تھے. عرب ممالک سے آنے والوں کیلئے اسلام آباد اور پشاور میں مہمان خانے بنائے گئے اور ان مہمان خانوں کا انچارج سعودی ایجنسیوں کا ایک رکن کو بنایا گیا.

شیخ جمیل الرحمان کا ایک بھتیجا ولی اللہ ایک یورپی ملک کے ایک ہوٹل میں برتن صاف کرنے کا کام کر رہا تھا. شیخ جمیل نے اسے بلا کر ایک (این جی اوز) خیریہ موسسہ کا سربراہ بنایا پھر کچھ عرصہ بعد یہ ادارہ انسانی حقوق کے ادارے کے نام سے موسوم کیا گیا. اس نے مغربی ممالک کے کنیساؤں اور انٹیلی جنس اشخاص سے

تعلقات استوار کیئے اور یوں ایک طرف عربی ممالک سے اسلام کے نام پر اور مغربی ممالک سے انسانی حقوق کے تحفظ کے نام پر مال و دولت اکھٹا کرنے کا دھندہ شروع کیا.

پاکستانی آئی ایس آئی سے تعلق اور روابط استوار کرنے کیلیئے اپنے دوسرے سوتیلے بیٹے حیات اللہ کو ذمہ داری سپرد کی. حیات اللہ اس وقت کے آئی ایس آئی کے بڑے بڑے جرنیلوں اور کرنیلوں کو بڑی بڑی رشوتیں اور دوسرے قیمتی تحفے دے کر اس ادارے کی رکنیت حاصل کر لی. اس دوستی میں اتنی ترقی کر لی کہ پشاور میں واقع شامی روڈ کے قریب آئی ایس آئی کے دفتر سے سفارش کر کے ان چھوٹے ملازمین کو راستے سے ہٹا دیتے جوان کی چودھراہٹ ماننے سے گریز کرتے تھے.

یوں **جماعة الدعوة** سعودی حکومت، مغربی ممالک اور پاکستانی جاسوسی اداروں کے ہاتھوں کٹھ پتلی جماعت بن گئی. اس تنظیم کا اصلی مشن پاکستانی آئی ایس آئی کے مفاد کیلیئے کام کرنا تھا. شیخ جمیل الرحمان کا بھتیجے روح اللہ کو عرب اداروں اور ایجنسیوں کے ساتھ متعارف کرایا گیا تا کہ ان سے مالی تعاون حاصل کرے گویا کہ اب جماعت کا مقصد ہی پیسہ جمع کرنا تھا. **جماعة الدعوة** کے بعض اہم امور بھی شیخ جمیل کے بھتیجوں اور بھانجوں کے مشوروں سے انجام پاتے تھے. بالآخر حیات اللہ ولی اللہ اور روح اللہ آئی ایس آئی کے اتنے پکے کٹھ پتلی اور غلام بن گئے کہ شیخ جمیل خود بھی اور برائے نام شوری ان تینوں کی ناجائز حرکات اور کرتوتوں کے سامنے بے بس ہو گئے اور جس منشور پر جماعت میں لوگ جمع ہوئے تھے اس عقیدے اور منشور کو پاؤں تلے روندا اور جماعت محض دنیاوی اغراض کی جماعت بن گئی. شیخ جمیل کے تین بھتیجوں کو مثلث خبیثہ کا نام دیا گیا.

آئی ایس آئی کے لئے سمگلنگ، سیاسی قتل اور جاسوسی کے تمام امور اس مثلث خبیثہ کے سپرد تھے. یہاں تک کہ یہودی پلان میں شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ کے قتل کا منصوبہ بھی اس تنظیم کے حامی حیات اللہ کو سونپ دیا گیا. حاجی حیات اللہ نے پشاور کے ارباب روڈ میں جوس کارنر کی دوکان کے بہانے ایک کیبن لیا اور شیخ عبداللہ عزام رحمہ اللہ کے ارباب روڈ والے مرکز میں دو دن ریکی کر کے اُن کو تیسرے دن ریموٹ کنٹرول بم دھماکے میں شہید کر دیا. یہ راز حیات اللہ کی تنظیم کے ایک معتمد ساتھی جو بعد میں اس تنظیم کو خیر باد کہہ چکا اُس نے افشاں کیئے اور اس واقع کے تمام شواہد سے ہمیں بھی آگاہ کر دیا. اسی دن سی حاجی حیات اللہ کو ایک نئی ماڈل کی گاڑی اور سیکورٹی کے لئے افراد مہیا کیئے گئے اور ان کی جماعت پاکستانی ایجنسیوں کی توجہ کا مرکز تھا. انہوں نے پشاور، اسلام آباد اور باجوڑ میں بہت سی زمینیں خریدیں، بڑی بڑی بلڈنگ اور عمارتیں بنائیں اور نئی ماڈل کی قیمتی گاڑیوں کے

مالک بنے. خیرات سے پلے ہوئے اخونزادوں کیلئے شراب خوری اور زنا کاری ایک عادی کام بن گیا. جھوٹ اور فریب کے کاموں میں بہت ترقی کر لی. ان کی حفاظت کیلئے پاکستانی ایجنسیوں کی طرف سے محافظ مقرر ہوئے. آئی ایس آئی نے انہیں ایسے کارڈ جاری کیئے تھے جن کو دیکھ کر پولیس ان کے کسی بھی ناجائز کام میں رکاوٹ نہیں بن سکتے اور جہاں بھی چاہتے جا سکتے تھے. ہم نے شیخ صاحب کو بہت سمجھایا کہ وہ ان تینوں کو اس کام سے باز رکھیں اور **جماعة الدعوة** کے دعوے کو اس انحراف سے نجات دیں مگر شیخ نے ایک بھی نہ سنی.

بالآخر بات اس حد تک پہنچ گئی کہ شیخ جمیل الرحمان نے پاکستانی حکمران کو ایک درخواست لکھی کہ افغانستان کو پاکستان میں ضم کیا جائے. شیخ نے یہ درخواست جو پشتو میں لکھی ہوئی تھی ہمارے سپرد کی اور کہا کہ اس کو اردو زبان میں لکھو. جب میں (مسلم دوست) نے یہ درخواست پڑھی جس میں شیخ جمیل الرحمٰن نے اس میں پاکستان حکمران کو یہ مشورہ دیا تھا کہ افغانستان کو جہادی پارٹیوں کی تعداد کے برابر ۸ حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک پارٹی کے امیر کو ایک ایک حصہ سپرد کیا جائے. کنڑ، ننگرھار اور لغمان صوبوں کو ایک صوبہ بنا کر اس کا سربراہ مجھے یعنی جمیل الرحمٰن کو بنایا جائے. میں اٹھ کر سیدھا جمیل الرحمٰن کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تمہارا یہ کام تو اسلام اور افغانستان کے ساتھ بڑی خیانت ہے. افغانستان تمہاری شخصی ملکیت تو نہیں کہ اسے اپنی مرضی سے فروخت کریں، افغانستان تمام افغانوں کا مشترک گھر ہے پوری اسلامی امت نے اپنے خون اور مال سے افغانستان کا دفاع کیا ہے پندرہ لاکھ افغان شہید اور لاکھوں معذور ہو چکے ہیں. لاکھوں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہوئے ہیں. اب جبکہ افغانستان آزادی کے قریب ہے آپ افغانوں کی ان ساری قربانیوں کو انگریزی قانون پر فروخت کرنے کیلئے تلے ہوئے ہیں تمہارے اس کام کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی آدمی کسی ڈاکو اور لٹیرے کو کہدیں کے آئیں ہمارے گھر پر قبضہ کر لیں لیکن اس میں موجود ایک کمرہ ہمیں بھی دیدیں. آخر آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ افغانستان کو اس شرط پر پاکستان کے حوالہ کر دیں کہ اس کے ایک گوشے میں ہمیں بھی جگہ دیدیں. ہم خواہ افغانستان ہو یا پاکستان یا سعودی عرب، صرف اسلام کے لئے چاہتے ہیں جہاں سے ہم اسلامی خلافت پھیلائے ورنہ ہم نے کسی ملک یا سرزمین کے لیئے قربانی نہیں دی ہے ہمیں تو پاکستان کی اسلامی تنظیموں سے بھی یہی شکایت ہے کہ کشمیر کی زمینی تنازع میں مخلص مسلمان نوجوانوں کو مروا کر کس کام کے لیئے یہ ٹکڑا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟. اللہ تعالی نے تو کشمیر سے بڑا ٹکڑا ہمیں دیا ہے کیا ہم نے اس پر اسلام نافذ کیا ہے؟. اب جو افغانستان کافی قربانی اور کاوشوں کے بعد آزادی کے قریب ہے اسے انگریزی قانون کے محافظین

کے حوالے کرنا امت مسلمہ سے جفا اور خیانت ہوگی. کاش کہ پاکستان میں شریعت نافذ ہوتی تو افغانستان تو درکنار تمام دنیا کے مسلمان اس ملک کے ساتھ اپنے الحاق کا اعلان کرتے. اب تو حال میں ثابت ہوا کہ پاکستانی حکومت سینکڑوں عرب اور افغان مجاہدین کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کر رہے ہیں. جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں ہمارے بہن بھائیوں اور شیوخ کو بے رحمانہ طور پر شہید کر چکے ہیں. قبائلی علاقوں اور سوات میں امریکیوں کے ساتھ قتل و غارت میں برابر کے ریک ہیں اور سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ مُلک خداداد میں انگریزی قانون اور کفر کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف معاہدات کئے جا چکے ہیں اور اس عمل میں پاکستان کی بعض اسلامی تنظیموں کے کچھ اہل کار اور عہدے دار انگریزی قانون کے محافظین کے جاسوس بن کر مجاہدین کو فروخت کر رہے ہیں. ہماری قربانیوں کا مقصد تو یہ نہ تھا کہ آزادی کے بعد غلاموں کے غلام بن جائیں.

شیخ جمیل الرحمان کی طرف سے اس بیان کا جواب یہ تھا کہ "جس ملک میں میری کوئی حیثیت نہ ہو میرا اس سے کیا کام؟" میں نے کہا آخر تم کونسی حیثیت چاہتے ہو.؟ افغانوں کے جہاد اور ہجرت کی برکت سے تو آپ ایک تنظیم کے امیر ہیں. بڑی بڑی قیمتی گاڑیاں آپ کیلئے کھڑی ہیں. عرب اور عجم کے اموال آپ کے تصرف میں ہیں یہاں تک کہ پوری کی پوری تنظیم کو ایک ہی بریف کیس میں رکھ کر گھومتے پھرتے ہو اور ایک مطلق العنان حکمران بنے ہوئے ہو. اگر آپ کی یہ حالت ہے تو ہم آج سے اس طرح کی پارٹی سے الگ ہیں اور دیکھیں گے کہ تمہاری یہ بادشاہت کب تک جاری رہیگی ؟.

ہم نے اس پارٹی کے خلاف اپنی مخالفت جاری رکھی اور ہر میدان میں ان کی خیانتوں پر آواز اٹھائی تا کہ عوام کو معلوم ہو جائے کہ اس پارٹی کے سربراہ کتنی بڑی بڑی خیانتوں میں ملوث ہے. اس تنظیم نے عرب ممالک سے کتابوں مدرسوں، اسلامی دعوت، مسجدوں، بیواؤں، یتیموں او دوسرے فلاحی کاموں کے نام پر بہت سا روپیہ اکٹھا کیا تھا اس ساری رقم کو تینوں مذکورہ مثلث خبیثہ والوں نے اپنے ذاتی اکاؤنٹوں میں جمع کیا جب ہم اس جماعت سے الگ ہوئے تو انہیں خیانت کرنے میں اور بھی سہولت اور آسانی ہوئی کیونکہ ان کے سامنے ہمارے علاوہ کوئی اور شخص بولنے کی جرائت نہیں کرسکتا تھا. کچھ عرصے بعد سعودی حکومت اور پاکستانی آئی ایس آئی کے فرمان سے صوبہ کنڑ میں حزب اسلامی کے خلاف جنگ چھیڑ دی. سعودی حکومت نے کروڑوں کے حساب سے روپیہ بھیج دیا. شیخ جمیل نے اس رقم کو وصول کرنے کے لئے حاجی روح اللہ کو متعین کیا. انہوں نے یہ ساری رقم وصول کرکے کچھ کو اپنے ذاتی اکاؤنٹوں میں جمع کیا اور باقی کو گاڑیوں میں

باجوڑ منتقل کیا.

چونکہ حزب اسلامی حکمتیار اور **جماعة الدعوة** کے درمیان بہت شدید جنگ جاری تھی اور حزب اسلامی کے مجاہدین افغانی **جماعة الدعوة** کے جنگی کمانڈروں کو ہزیمت سے دوچار کر رہا تھا حاجی روح اللہ نے اس صورت حال کو غنیمت جان کر شیخ جمیل الرحمان کو قتل کرنے کیلئے منصوبہ بنایا تا کہ ایکطرف سارے کا سارا پیسہ اس کے ہاتھ میں آجائے اور **جماعة الدعوة** کے پورے اختیار کا مالک بھی خود بن جائے. شیخ صاحب جمیل الرحمٰن اور عبداللہ رومی نامی ایک عرب ایک کمرے میں کسی موضوع پر بحث کرنے کیلئے الگ بیٹھے ہوئے تھے. جب دوسرے لوگ نماز پڑھنے کیلئے مسجد گئے تو روح اللہ کے پروگرام سے اس موقع کو غنیمت جان کر پہلے شیخ جمیل الرحمان کو قتل کیا گیا اور پھر عبداللہ رومی پر فائر کر کے شہید کر دیا گیا. جب لوگ فائرنگ کی آواز سن کر یہاں پہنچ گئے تو روح اللہ نے مشہور کیا کہ شیخ جمیل کو عبداللہ رومی نے قتل کر دیا ہے اور میں نے شیخ کا انتقام لے کر شیخ رومی کو قتل کر دیا ہے.

امریکی حمایت حاصل کرنے کے لئے سال ۲۰۰۷ء کو اس تنظیم کے شائع شدہ ایک رسالے ''آفاق'' میں جماعة الدعوة والوں نے شیخ جمیل الرحمٰن کی ایک تصویر شائع کی ہے اور اس کے نیچے یہ کیپشن لکھا ہے کہ شیخ جمیل الرحمٰن کو القاعدہ کے ایک عرب نژاد کارکن نے قتل کیا تھا. انہوں نے اپنی نشریات میں مسلسل القاعدہ اور طالبان کی مخالفت کر کے ثابت کر دیا ہے کہ اگر مربع خبیثہ القاعدہ اور طالبان جیسے وقت کے چیدہ اور آزمودہ مسلمانوں کے مخالف ہے تو پھر کس کے حامی ہیں؟.

مولوی سمیع اللہ نجیبی کا کہنا ہے کہ ایک بار روح اللہ، حیات اللہ اور ولی اللہ نے مجاہدین کے لئے ہتھیار خریدنے کیلئے اپنے شیخ جمیل سے احکام حاصل کئے تھے وہ تینوں میرے پاس آئے اور مجھے دھمکی دی کہ آپ ان احکام پر لکھ دیں کہ یہ ہتھیار خریدا اور پہنچا دیا گیا ہے. میں ان دنوں مالی امور کا انچارج تھا. حالانکہ انہوں نے ایک کارتوس بھی نہیں خریدا تھا یوں انہوں نے لاکھوں روپیہ کو ہڑپ کر کے اپنے اپنے اکاؤنٹوں میں جمع کیا. ان چند حقائق کو ہم نے مثال کے طور پر قارئین کے سامنے پیش کیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ **جماعة الدعوة** کی تنظیم میں اس مثلث سمیع اللہ نجیبی اور اس کے بیٹوں نے کتنی بڑی بڑی خیانتیں کی ہیں.

اس مسئلے پر مزید معلومات مستند دستاویز اور اسناد موجود ہیں جو بہ وقت ضرورت سامنے لائی جائینگی.

شیخ جمیل الرحمان کے قتل کے بعد مولوی سمیع اللہ کو جو بہت ضعیف شخصیت کا مالک تھا اور حاجی روح

اللہ حیات اللہ اور ولی اللہ کے ساتھ خیانتوں میں برابر کا شریک تھا اس جماعت کا امیر بنایا گیا. اور یوں یہ جماعت مکمل طور پر چوروں اور لیٹروں کے قبضہ میں آئی. ان چاروں لیٹروں نے یتیموں، بیواؤں، مدارس، مساجد اور دیگر فلاحی کاموں کے نام پر ہلال احمر اور سعودی حکومت سے بے پناہ مال حاصل کر کے ۹۵ فیصد روپیہ کو اپنی اپنی جیبوں میں ڈال دیا. یہاں تک کہ اس چوری اور خیانت میں، ہلال احمر کے کچھ عرب اور افغان کارکن بھی شریک تھے اور اس حرام رقم سے پلازے، بارگین اور مکانات بنائے. پشاور شہر کے قریب ہشتغری میں خان کلب کے نام پر ایک کلب بھی بنایا گیا. جس میں شراب خوری اور زنا کاری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو رہا ہے پاکستان اور بیرون ممالک سے بڑے بڑے زنا کار یہاں آ کر ان کیلئے سب کچھ مہیا کیا جا رہا ہے. مختصر یہ کہ اس جماعت کے یہ بے ضمیر افراد اسلام افغانستان اور افغانوں کے ساتھ خیانت کر کے افغانوں کی بدنامی کا باعث بنے.

ہم دونوں بھائیوں کا گناہ صرف اور صرف یہی تھا کہ ہم ان مفسدین کے جرائم سے مسلمانوں کو مطلع کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ ان کے جرائم کے سامنے بند باندھا جائے. انہوں نے ہمیں راستے سے ہٹانے کیلئے مجھ پر تین بار قاتلانہ حملہ کیا لیکن اللہ تعالی نے ان کی مراد پوری نہ ہونے دی. ہم نے حوصلہ نہ ہارا اور ان کے خلاف مزید تیز تر ہو گیا.

جب گیارہ ستمبر امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہوا تو امریکہ نے اس کا الزام اسامہ بن لادن پر لگایا اور کہا کہ یہ کام القاعدہ والوں نے کیا ہے یہی بہانہ بنا کر امریکہ نے افغانستان پر بڑا حملہ کیا. ہم نے امریکہ کے اس حملے کی قلم اور زبان سے شدید مذمت کی. حملے سے پہلے بھی ہم نے امریکہ کے ظالمانہ اور متکبرانہ پالیسی کی بھرپور مذمت کی تھی اور کلنٹن پر بھی طنز لکھا تھا.

امریکہ نے حملے سے پہلے پاکستان کے خفیہ ادارہ آئی ایس آئی کو کہا کہ ہمیں ایسے افغانوں کے نشاندہی کیجئے جو افغانستان میں ہمارے لئے کام کریں' یہ بات ہمیں **جماعة الدعوة** کے قریبی اور کلیدی اشخاص نے بتائی ہے.' ایجنسیوں نے اپنی کٹھ پتلی **جماعة الدعوة** کے کچھ مخلص افراد کی فہرست امریکہ کے حوالے کی، امریکہ نے ان افراد کو اپنے خفیہ اداروں میں متعین کیا. انہوں نے انہیں یقین دلایا کہ ہم تمہارے لئے کام کریں گے لیکن جماعت کے مثلث خبیثہ نے سب سے خیانت کی، مسلمانوں سے بھی اور کفار اور منافقین کے سرغنوں سے بھی. مختصر یہ کہ امریکہ جب تکبر اور غرور کے ساتھ افغانستان میں داخل ہوا تو وہ

اندھا تھا، ہر غدار اور منافق کو ڈالر سے نوازتا تھا تا کہ ان سے مخبری کروا کر معلومات حاصل کرلے .

جماعۃ الدعواۃ کے چار مفسد سمیع اللہ، روح اللہ، حیات اللہ اور ولی اللہ کیلئے یہ ایک سنہری موقع تھا.

انہوں نے امریکہ سے ۱۵۰۰۰۰۰۰۰ ایک صد پچاس ملین ڈالر، سینکڑوں سیٹلائٹ فون اور دوسرے وسائل حاصل کئے. امریکہ نے یہ ڈالر پوست کی کاشت روکنے، جہادی کمانڈروں، سرداروں اور تحریک طالبان کے اعلیٰ رتبہ اشخاص کو خریدنے کیلئے دئے تھے. مگر آئی ایس آئی اور ان چار مفسدین نے یہ رقم اپنے درمیان تقسیم کی. امریکہ کو جعلی فہرستیں دیں، فہرست میں ایسے افراد کے نام بھی تھے جن کا دنیا میں وجود ہی نہ تھا. بعض نام ایسے تھے جن کو ایک روپیہ بھی نہیں دیا گیا تھا. اور بعضوں کو تھوڑی سی رقم دی گئی لیکن کئی گنا زیادہ لکھا گیا تھا. کچھ علاقوں میں پوست تلف کرنے کا ایسا ڈرامہ رچایا کہ افیون حاصل کرنے کے بعد پوست کی فصل تلف کرکے اس کی ویڈیو تیار کرلی. جس زمیندار کو سو ڈالر دیئے تھے تو اس کے کھاتے میں دس ہزار ڈالر لکھدئے. اور جس کو دو سو ڈالر دئے تھے اس کے کھاتے میں بیس ہزار ڈالر لکھدئے. افغانستان پر امریکی حملے کے وقت پاکستانی اور افغانی **جماعة الدعوة** کے یہ مفسدین دوسرے دھوکوں اور فریب کے علاوہ عرب اور دوسرے غیر ملکی افراد کے پکڑنے کیلئے متحرک ہوئے اور یوں ڈالر حاصل کرنے کے لئے مسلم فروشی کی تجارت کا نیا باب کھولا. افغانی **جماعة الدعوة** کے ان چاروں ڈاکوؤں اور پاکستانی **جماعة الدعوة** نے آپس میں مل کر عربوں اور دوسرے خارجیوں کے ساتھ تین طرح کی چال چلائی. بعضوں کو بتایا کہ ٹیلی فون کے ذریعے اپنے گھروں سے بڑی رقم طلب کریں اور یوں انہیں آئی ایس آئی کے ذریعے ائیر پورٹ کے مخصوص دروازوں اور دوسرے راستوں سے نکال دیا. غریب اور نادار عربوں کو امریکہ کے حوالہ کیا اور بعض عربوں سے پیسے اور گاڑیاں لینے کے باوجود امریکیوں کے حوالہ بھی کیا...... ان ڈالروں کے حساب اور دوسری جعل سازیوں کے نتیجے میں امریکیوں نے روح اللہ کو گرفتار کرکے گوانتانامو جیل بھجوا دیا. انشاء اللہ آگے اس پر مزید بحث کریں گے.

دوسری طرف ان چاروں مفسدوں نے ہمارے وہ سب میگزین منشورات اور اخباری مضامین کو جو ہم نے امریکہ کی مخالفت میں لکھے تھے ترجمہ کرکے ۹۹ فیصد، جھوٹ کے ساتھ امریکیوں کے حوالہ کیا اور یوں ہمیں بھی ڈالر کے عوض آئی ایس آئی کے ذریعہ گرفتار کرکے امریکیوں پر فروخت کردیا. اس تمام بے شرمی کے باوجود مذکورہ جماعت والے اب دوبارہ اپنے پرانے آقاؤں کے اشاروں پر جہاد کی بھی باتیں کررہے

ہیں اور خفیہ ادارے دوبارہ پھر ان کو ہمارے اوپر مسلط کرنے کی بے جا کوشش کر رہے ہیں ۔

ہمارے خلاف جھوٹ پر مبنی گواہی دی اور ہمارا تعلق طالبان ، اسامہ بن لادن (القاعدہ) اور دنیا کی دوسری اسلامی تنظیموں سے جوڑنے کی کوشش کی ، جو ہمارے پکڑنے اور گوانتانامو تک پہنچنے کا ذریعہ بنا. اب ہم اس مقدمے کے بعد گوانتانامو سے رہائی کی داستان اور دیگر حقیقتوں پر درج ذیل روشنی ڈالیں گے .

گھر سے گوانتانامو اور گوانتانامو سے گھر تک

ہم پشاور میں خیبر ہسپتال کے عقب میں واقع اکیڈمی ٹاؤن کے قریب کرایہ کے گھر میں سکونت پذیر تھے .۱۴۲۲ء ہجری یکم رمضان المبارک بمطابق ۱۷ نومبر ۲۰۰۱ عیسوی کو ہم تینوں بھائی مولوی سید محمد وحدتیار، عبدالرحیم مسلم دوست اور استاد بدر ہمارے ساتھ موجود دوسرے مہمان عبدالحلیم ہمت ،نور الحبیب نثار، درویش، قاری غلام موسیٰ اور میرے بیٹے عبدالاحد، عبدالوہاب اور دوسرے مہمان اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رات کے وقت ساڑھے گیارہ بجے ڈاکوؤں کی طرح پاکستانی پولیس اور آئی ایس آئی کی بھاری نفری ہمارے گھر میں داخل ہوئی ہمارے گھر کے داخلی دروازے کے اندر دائیں جانب کتب خانہ اور حجرے کے دروازے کھلے تھے اور ہم اپنے مہمانوں کے ساتھ محفل میں محو گفتگو تھے کہ اچانک مسلح پولیس اور آئی ایس آئی کے افراد حجرے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے .کلاشنکوف کی نالیوں کو ہماری طرف سیدھا کرتے ہوئے کہا کہ خبردار اپنی جگہ سے نہ ہلیں. میں نے اٹھ کر انہیں بتایا کہ کیا بات ہے؟ تم چور ہو یا پولیس؟ تم کس قانون اور جواز کے تحت ڈاکوؤں کی طرح ہمارے گھر میں گھسے ہو؟ ہم تو شہر کے اندر پرامن طور پر رہتے ہیں، ہم نہ تو مفرور ہیں اور نہ ہی یہ جگہ کوئی قبائلی علاقہ ہے. اگر ہمارے ساتھ تم لوگوں کا کوئی کام تھا تو ہمیں اطلاع کرتے ہم خود حاضر ہو جاتے. ایک پنجابی اہلکار ہاتھ میں کلاشنکوف پکڑ کر ہمارے روبرو کھڑا تھا. ہم نے اسے اردو میں بتایا کہ آپ آرام سے بیٹھیں ہم نہ تو مجرم ہیں اور نہ ہی بھاگنے والے .وہ کسی کی بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ادھر ادھر پریشانی میں دیکھتا رہا. ایک گنجا پنجابی کرنل، ایک لمبا پختون، چھوٹی داڑھی والا تھانیدار اس کے علاوہ کچھ اور افراد بھی ان کے ہمراہ تھے. دو کالے رنگ کی عورتیں بھی ان کے ساتھ موجود تھیں. وہ دونوں ہمارے گھر کے اندر چلی گئی اور مرد اہلکار کتب خانے میں تلاشی لینے لگے . پورے کے پورے کتاب خانے کو چھان مارا.

الماریوں کی تلاشی لی بعض رسالے، اخبار، مجلوں اور فائلوں کو سمیٹ کر باہر کھڑی گاڑیوں میں ڈال دیا۔ کتاب خانے میں موجود، قران کریم، تفاسیر، احادیث اور دوسری فقہی کتابوں کے ساتھ انہوں نے بڑا توہین آمیز سلوک کیا' وہ انہیں الماریوں سے نکال کر بہت بے ادبی سے نیچے پھینک کر جوتوں سمیت ان پر چلتے پھرتے رہے۔ گھر کے اندر زنانہ پولیس کی تلاشی لینے کے باوجود آئی ایس آئی کے اہلکار خود بھی اندر داخل ہوئے اس وقت ہمارے اہل خانہ محو خواب تھے۔

میں نے انہیں کہا تم نہ مسلمان ہو اور نہ ہی انسان، بے غیرتو! ہمارے گھر سے نکل جاؤ۔ میری آواز سن کر تھانیدار نے کلاشنکوف کا رخ میری طرف کر کے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی، میں نے اسے کہا بے غیرت مجھے مار دو آخر کس بات کا انتظار ہے۔ زنانہ پولیس نے دروازے کے قریب جا کر ہماری عورتوں کو ایک کمرے کے اندر جانے کا حکم دیا، چھوٹے چھوٹے بچے خواب سے بیدار ہوئے اور خوف کے مارے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ظالموں نے گھر کے اندر بھی ہر کمرے کی زبردست تلاشی لی اور گھر کے سارے سامان کو بکھیر دیا۔ ہمارے پاس گھر میں دو پستول تھے۔ ایک کو ہم سے لیا اور دوسرے کو زنانہ پولیس نے نکالا۔ پہلے ایک کمرے کی مکمل تلاشی لی اور اس کے بعد دوسرے کمرے کی تلاشی لی۔ نقدی رقم، قیمتی پتھر، سونا، کمپیوٹر، شخصی اسناد اور دستاویزات کو جو دو بریف کیسوں میں تھیں اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم دونوں بھائیوں مسلم دوست، استاد بدر اور ہمارے بڑے بھائی سید محمد اور دوسرے مہمان عبدالحلیم ہمت کو پکڑ کر اپنے ہمراہ لے گئے۔۔ دوسرے مہمانوں اور میرے بیٹوں کے بارے میں پوچھ کر رہے تھے کہ یہ کون ہیں اور کیوں آئے ہوئے ہیں؟ وہ چاہتے تھے کہ انہیں بھی پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائیں لیکن ہم نے انہیں بتایا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ یہ ہماری روایت اور غیرت گوارا نہیں کرتی کہ تم ہمارے مہمانوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے جاؤ۔ دراز قد پختون سپاہی نے پنجابی افسر کو کہا کہ سر ہم نے تو ان سے ہتھیار بھی لے لئے اور گھر کے سرپرست افراد کو بھی اپنے ساتھ روانہ کیا، اس علاقے کا امن وامان اتنا اچھا نہیں لہٰذا ان دونوں بھائیوں میں سے ایک کو چھوڑ دیتے ہیں؟ پنجابی افسر نے کہا ایک ہی رات کی تو بات ہے۔ یہ بات سن کر بے اختیار پختون خاموش ہو گیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ پختون بھی کرنل ہے اور آئی ایس آئی کا اہلکار ہے لیکن پنجابی کرنل کے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ تینوں صوبوں پر پنجاب کی چوھدراہٹ ہے۔

یہ بات ہمیں اس وقت بھی اچھی طرح معلوم ہوئی کہ جب کوئی پختون فوجی ہمارے قریب چوری

چھپے آجاتے اور کہتے تھے کہ سارے اختیارات پنجابی اہلکاروں کے ہاتھوں میں ہے اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے. ہمیں کہا دو عدد کمبل بھی اپنے ساتھ لے جاؤ، تم ہمارے ساتھ ایک دو دن کے مہمان ہوں پھر اپنے گھر چلے جاؤ گے. ہمارے گھر کے آس پاس سارے علاقے کا محاصرہ کیا گیا تھا. اتنے زیادہ فوجی اور پولیس گاڑیوں میں آئے تھے کہ شاید کسی بارڈر کو فتح کرنے کیلئے آئے ہوں. ہماری رہائی کے بعد اس علاقے کے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ ہمارے گھر کے ارد گرد کا سارا علاقہ فوجیوں نے محاصرے میں لے لیا تھا جو ان کی بزدلی پر دلالت کرتا ہے.

ہم نے ان سے بار بار کہا کہ یہ دونوں مہمان ہیں انہیں چھوڑ دیں مگر انہوں نے ہماری ایک بھی نہ سنی، ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھی، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی اور بغیر نمبر پلیٹ گاڑی میں بٹھایا. ہمیں پتہ تھا کہ یہ آئی ایس آئی کے اہلکار ہیں لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟ ہمارے گھر والوں کو بھی پتہ نہ چلا کہ ہمیں کہاں اور کس مقصد پر منتقل کیا گیا. ہم سوچتے تھے کہ ہمیں کس وجہ سے پکڑا گیا ہے آخر ہم نے کیا جرم کیا ہے جس کی پاداش میں ہمیں پکڑا گیا ہے. ہمیں یہ معلوم تھا کہ آئی ایس آئی کے حلقہ بگوش غلام، ملا سمیع اللہ نجیبی، حاجی روح اللہ، حاجی حیات اللہ اور ماسٹر ولی اللہ کے ساتھ ہماری دشمنی ہے اور حاجی روح اللہ نے ہمیں ٹیلی فون کے ذریعہ دھمکی بھی دیدی تھی کہ آئی ایس آئی کے ذریعے تمہاری گردنوں کو توڑوں گا.

لہٰذا ہمیں پہلے سے معلوم ہوا کہ ہم کو کس نے پکڑا ہے اور کیوں پکڑا ہے کچھ دیر بعد گاڑی کو کھڑی کر کے ہمیں اتارا گیا. وہاں کھڑے افراد ہم سے پوچھنے لگے ان کے ساتھ جو افغانی غلام ہمارے گھر آئے تھے وہ بھی ایکطرف کھڑے تھے. مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا عبدالرحیم اس نے کہا اپنا پورا نام لے اس کا مطلب تھا کہ تخلص بھی بتاؤ میں نے اپنا نام اور تخلص بتایا. ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ ہم پشاور میں شامی روڈ کے قریب آئی ایس آئی کی خفیہ جیل میں ہیں یہ خفیہ جیل باہر سے ایک گھر جیسے تھی اور کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ جیل ہے، جیل کی عمارت کچھ اسطرح کی تھی کہ نیچے سے کنکریٹ کی چند سیڑھیاں بنی ہوئی تھی. اس کے آگے گاڑیوں کی دھلائی کی جگہ بنائی گئی تھی. جیل کا بڑا گیٹ لکڑی سے بنا ہوا تھا. دروازے کے اندر چھوٹی سی گلی تھی دائیں اور بائیں جانب دو کمرے تھے. گلی کے آخری سرے پر لوہے کی سلاخوں کا بنا ہوا سیاہ گیٹ تھا. دروازے کے اس طرف ایک اور راستہ تھا جو دائیں اور بائیں جانب مڑتا تھا. اس کے سامنے ایک باتھ روم تھا جس میں کموڈ بھی تھا. اس میں پانی کا کوئی نلکا نہیں تھا بلکہ دیوار کے نیچے ایک چھوٹے سے سوراخ

میں پلاسٹک کا ایک پائپ نظر آرہا تھا جس میں پانی آرہا تھا۔ کموڈ میں ایک بالٹی رکھی گئی تھی۔ دورازے میں اندر کیطرف چٹکنی نہیں تھی کہ بند کیا جاسکے۔

بیت الخلاء کے بائیں اور دائیں جانب دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، ہر کمرے میں دو دروازے نصب تھے، باہر لگا ہوا گیٹ لکڑی کا تھا جس میں دائرے کے شکل میں سوراخ تھا جو باہر سے گھومنے والے لکڑی کے ذریعے بند اور کھولا جاتا تھا کمروں کے اندرونی طرف سیاہ رنگ کے لوہے کے مضبوط دروازے تھے جس سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ آئی ایس آئی کے عقوبت خانے ہیں۔

یہ کمرے اتنے تنگ اور چھوٹے تھے کہ ایک انسان اپنے پاؤں کو نہ پھیلا سکتے' کمروں کی چھتیں بہت اونچی تھیں، چھت میں بجلی کا ایک بلب لگا ہوا تھا جس کے بٹن کمرے سے باہر تھے۔ کبھی کبھار ان کمروں میں پڑے ہوئے قیدیوں کو ذہنی اذیت دینے کی خاطر ان بلبوں کو بجھا دیتے جس میں دن اور رات کا فرق نہیں ہوسکتا تھا کمرے سیم زدہ تھے ان میں گندا اور پھٹا ہوا برائے نام بستر اور سرہانہ بچھایا گیا تھا جن میں سے گندی بدبو نکل کر کمرے میں پھیلی ہوئی تھی، جو انسان تو کیا جانوروں کے رہنے کیلئے بھی مناسب نہ تھے۔

کمرے کے اوپر دیوار میں ایک فٹ آہنی جالیاں تھیں جن میں سے گاڑیوں اور آرمی سٹیڈیم کے تماشائیوں کی آوازیں سنی جاتی تھی۔ ایک اونچی جگہ پر قیدیوں کی نگرانی کیلئے ایک خفیہ کیمرے کا سٹینڈ لگایا گیا تھا۔

ہمیں مختلف کمروں میں بند کر دیا گیا۔ ہماری جیبوں کی تلاشی لی گئی جیب میں موجود تمام رقم، کاغذ اور قلم ہم سے لے لئے گئے۔ ہر کمرہ میں رفع حاجت کیلئے رنگ وروغن کے ڈبے رکھے ہوئے تھے۔ نماز پڑھنے کی اجازت نہ تھی چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار بیت الخلاء جانے کی اجازت تھی۔ کھانے پینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کیوں کہ رفع حاجت کیلئے جگہ نہیں تھی ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد باقی نمازیں بھی اسی وضو پر ادا کرنا پڑتی۔ اگر بجلی نہ ہوتی تو دن رات کا فرق بھی نہ ہوتا تھا۔ مکمل دو ماہ اور بیس ۲۰ دن ہمیں کمرے میں رکھدیا گیا نہ سورج کی روشنی ہمیں نصیب ہوئی اور نہ ہی باہر کی ہوا۔ ترکاری بھی وہی ملتی تھی' جو ان سے بچ جاتی۔ روٹی بھی جلی ہوئی ملتی تھی جو کھانے کے قابل نہ تھیں۔ میں روٹی کے جلے ہوئے حصوں کو الگ کرتا ایک دن پنجابی محافظ نے مجھ پر غصہ کیا اور کہا کہ کیوں ایسا کرتے ہو؟ جیسا بھی ہو کھاؤ۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ہمیں صرف وہی ہڈیاں دیدی گئی جن میں سے گوشت دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا گیا تھا۔ آئی ایس آئی کی اس جیل کے تمام

باورچی اور چوکیدار پنجابی تھے۔

ہم نے اس جیل میں تقریباً تین ماہ گذارے اور ہمیں ایک پختون بھی نظر نہ آیا ماسوائے ایک پختون کرنل جو ہمارے گھر بھی آیا تھا۔ وہ ہمارے پاس آیا اس نے ہمیں جیل کے پہلے دروازے سے اندر کیطرف کمرے میں ایک ایک کر کے داخل کیا اور تصویریں کھینچی۔ پوچھ گچھ کے بعد ہم سے کہا کیا تمہاری کسی سے دشمنی تو نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں ہماری دشمنی تمہارے حلقہ بگوش غلاموں **افغانی جماعة الدعوة** کے سربراہوں ملا سمیع اللہ، حاجی روح اللہ، ولی اللہ اور حیات اللہ سے ہے جو حقیقت میں سب کے سب اعداء اللہ ہیں۔ جس وقت میں نے حیات اللہ کا نام لیا تو اس نے کہا "وہ شرابی اور زنا کار حیات اللہ!" میں نے کہا ہاں وہی، اس نے کہا وہ تو قتل کے قابل ہے پھر اشاروں اور کنایوں سے مجھے سمجھایا۔ چند دن بعد اصل اسناد اور شواہد بھی مجھے دکھائے اور کہا کہ آپ کی بات صحیح ہے یہی لوگ ہیں۔ "انہوں نے افغانستان میں ہمارے لئے کچھ کام کئے ہیں لہٰذا کچھ دو اور کچھ لو کے حساب سے ہمیں بھی ان کیلئے کام کرنا ہوگا۔ اس نے مجھے کہا کہ ہم بے بس ہیں سارے اختیارات اسلام آباد کے ہاتھ میں ہے۔ **افغانی جماعة الدعوة** کے یہ اشخاص ہمارے افسروں کو شراب اور لڑکیاں سپلائی کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ ان کی باتوں کو مانتے ہیں"۔

ہمارے کمرے کے قریب دوسرے کمرے میں دو عرب باشندے قید تھے۔ میں نے انہیں واش روم جاتے وقت دیکھا تھا۔ انہیں ہم سے کچھ دن بعد لایا گیا تھا اور اسی کمرے میں بند کیا تھا جہاں میرے بھائی سید محمد اور عبدالحلیم ہمت کو بند رکھا تھا۔ عشاء کے وقت کچھ افراد آئے ہمارے ہاتھوں کو باندھ کر آنکھوں پر پٹیاں لگا دیں، ہر قیدی کو الگ گاڑی میں بٹھا کر سڑک کے اُس پار دفتر لے گئے۔ جب مجھے دفتر کے پہلے کمرے میں داخل کر دیا تو میری آنکھوں سے پٹیاں ہٹا دیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ تین امریکی بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ گنجا پنجابی کرنل بھی موجود ہے جو ہمیں پکڑنے کیلئے ہمارے گھر آیا تھا۔ پہلے ایک امریکی نے میری مختلف انداز میں تصویریں کھینچی یعنی ٹوپی کے ساتھ برہنہ سر، سیدھا اور دائیں اور بائیں طرف سے میری تصویر کھینچی اس کے بعد ہاتھوں کی تمام انگلیوں اور ہتھیلیوں کے نشان سیاہ رنگ میں سفید کاغذ پر لگا دیے، پھر مجھے باتھ روم لیجایا گیا۔ وہاں ہاتھ دھونے کے بعد واپس اسی کمرے میں لے آئے۔ مجھے کرسی پر بٹھایا میرے دائیں جانب پنجابی کرنل، سامنے اور بائیں جانب امریکی بیٹھ گئے۔

مجھ سے شخصی تعارف کے بارے میں سوالات کئے، اسم، تخلص، والد کا نام دادا کا نام اور شادی کے

بارے میں پوچھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی پوچھا کہ میں کتنی زبانوں کو جانتا ہوں اور کونسے کونسے کام میں نے کئے ہیں۔ میں نے سب کچھ کہہ دیا اور انہوں نے لکھ دیا۔ ایک داڑھی والا پختون بھی پنجابی کرنل کے قریب بیٹھا ہوا تھا اور اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا کے کوہاٹ کا رہنے والا ہے۔ پھر اس نے اپنا نام طارق ظاہر کیا۔ یہ دونوں ترجمانی کیلئے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب پنجابی کو معلوم ہوا کہ میں اردو میں بھی بات کر سکتا ہوں تو پختون کو کمرے سے جانے کو کہا اور وہ چلا گیا۔ پھر وہ ہمارے قریب نہ آیا۔ پہلے دو دنوں میں پنجابی کرنل نے اس پر غصہ بھی کیا اور کہا کہ تم صحیح ترجمانی نہیں کرتے ہو بیچارہ اور بے اختیار پختون اس کے سامنے خاموش ہو گیا۔ میں اتنا جان گیا کہ گنجے پنجابی کرنل نے کئی بار غلط ترجمانی کی اور اپنی طرف سے باتیں شامل کیں۔

امریکی تحقیق کار عمر رسیدہ تھا جن کی عمر تقریباً ستر سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کے دو اور ساتھی اس کے بہ نسبت جوان تھے۔ ان کے پاس ایک کارٹن بھی تھا جس میں ان کے ضرورت کا سامان پڑا ہوا تھا مختصر یہ کہ انہوں نے میرے بڑے بھائی سید محمد اور عبدالحلیم ہمت سے پوچھ گچھ کی تھی۔ میری متعلق بھی ان سے دریافت کیا تھا۔ جو بعد میں مجھے معلوم ہوا، امریکی تحقیق کاروں نے چار پانچ دنوں میں رات کے وقت کئی کئی بار ہم سے پوچھ گچھ کی۔ ایک رات مجھے دوبار تحقیق کیلئے بلایا۔ انہوں نے جو سوالات ہم سے کئے ان کا خلاصہ یوں ہے۔

انہوں نے ہمیں کہا: نہ ہم نے آپ کو پکڑا ہے اور نہ ہی ہم نے اِن آئی ایس آئی کے اہلکاروں کو کہا ہے کہ تمہیں پکڑیں انہوں نے خود آپ کو پکڑ کر ہمیں بتایا ہے کہ ہم نے دہشت گرد پکڑے ہیں۔ آئیں اور ان سے پوچھ گچھ کریں اور اپنے ساتھ لے جائیں۔ پھر ایک کارڈ اپنے جیب سے نکالا جس میں مولوی سمیع اللہ نجیبی، حاجی روح اللہ، حاجی حیات اللہ اور حاجی ولی اللہ کے نام درج تھے۔ حاجی ولی اللہ کے نام کو صحیح طریقے سے نہیں پڑھ سکتا، کئی بار ''وولا دولا'' کہہ کر بالاخر صحیح تلفظ کیا۔ مجھ سے پوچھا کہ ان لوگوں کو پہنچانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں یہ آئی ایس آئی کے ایجنٹ ہیں۔ انہی کے ذریعے تمہارے خفیہ ہاتھوں میں آئے ہیں۔ ہمیں پکڑنے والے یہی لوگ ہیں۔ پنجابی کرنل پر میری یہ بات اچھی نہ لگی اور میری باتوں کی غلط ترجمانی کی۔ پھر مجھے بتایا کہ ایسا مت کہو لیکن میں نے اس کی بات نہ مانی امریکی تفتیش کرنے والے کے ساتھ دوبار امریکی عورتیں بھی آئی تھی ایک جوان سال اور دبلے پتلے جسم کی مالک تھی۔ اور دوسری عمر رسیدہ اور بہت موٹی تھی۔

امریکی تفتیشی افسر کے سوالات اور میرے جوابات درج ذیل ہیں۔

امریکی: اسامہ بن لادن کو جانتے ہو؟

مسلم دوست: جی ہاں اس کی پہچان تو آپ لوگوں نے ہمیں کروائی ہے .اب اس کو بچے اور دیوانے بھی جانتے ہیں.

امریکی: کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟

مسلم دوست: نہیں میں نے نہیں دیکھا ہے اگر دیکھا بھی ہوتا تو اس کا دیکھنا کوئی جرم نہیں اور میں ضرور کہتا کہ ہاں میں نے دیکھا ہے .میں چاہتا تھا کہ اسے دیکھوں لیکن ابھی تک کامیاب نہ ہوسکا.

امریکی عورت نے چاہا کہ میں اس کیطرف متوجہ ہو جاؤں تا کہ وہ میری جرأت کو آزما سکے .وہ غصہ کے لہجے میں کہنے لگی تم نے اسامہ کو ضرور دیکھا ہے .میں نے کہا آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ کچھ تکرار کے بعد وہ شرمندہ ہوگئی اور اپنی آنکھیں نیچی کر لی.

امریکی: اسامہ کیسا آدمی ہے؟

مسلم دوست: میں نہیں جانتا کہ وہ کیسا ہے کیوں کہ جب میں نے اسے دیکھا نہیں تو میں کیسے اس کے بارے میں اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کرسکتا ہوں.

امریکی: کیا تم نیویارک ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بارے میں جانتے ہو؟

مسلم دوست: جی ہاں وائس آف امریکہ کے ریڈیو سے سن چکا ہوں.

امریکی: جب تم نے حملے کی خبر سن لی تم خوش ہوئے یا غمگین؟

مسلم دوست: یہ فیصلہ کرنا بھی تاھنوز مشکل ہے کیوں کہ ہمیں پتہ نہیں کہ یہ حملہ کس نے کس پر کیا ہے اور کیوں کیا ہے؟.

امریکی: امریکیوں کے متعلق کیا کہتے ہو؟

مسلم دوست: میں امریکا گیا ہی نہیں۔

امریکی: کیا کسی خفیہ ادارے کے ساتھ کام کیا ہے؟

مسلم دوست: نھیں.

امریکی: کونسے ہتھیار کے استعمال جانتے ہو؟

مسلم دوست: بندوق اور پستول کا استعمال.

امریکی: کیا آپ نے جہاد میں حصہ لیا ہے؟

مسلم دوست: ہاں۔

امریکی: پاکستانی انٹیلی جنس ادارے آئی ایس آئی نے تمہارے گھر کی نگرانی کر کے یہ معلومات حاصل کر لی ہے کہ تمہارے گھر میں ان دنوں زیادہ مہمان آتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

مسلم دوست: صرف ان دنوں نہیں بلکہ ہر وقت ہمارے مسلمان خصوصاً ہر افغان کے گھر میں زیادہ مہمان آتے ہیں۔ ہم اپنے مہمانوں کی حتی المقدور عزت کرتے ہیں اور انہیں اپنے گھر سے نہیں نکالتے۔

امریکی: ہمیں بتایا گیا ہے کہ امریکہ کے خلاف تمہارے گھر میں مشورے ہوتے تھے؟

مسلم دوست: یہ بات غلط اور من گھڑت ہے۔

امریکی: کیا تمہارے گھر عرب باشندے آتے تھے؟

مسلم دوست: پہلے آتے تھے لیکن اب نہیں آئے ہیں۔

امریکی: کیا القاعدے کے کارکن آپ کے گھر آئے ہیں۔

مسلم دوست: میں القاعدہ کے کارکن کو نہیں جانتا۔ ہمارے گھر صرف وہ عرب آتے تھے جو امدادی اداروں میں کام کرتے تھے یا کسی تعلیمی اداروں میں استاد تھے۔

امریکی: یہ لوگ کیوں آپ کے گھر آتے تھے؟

مسلم دوست: کتابوں کے مطالعہ، مسائل پوچھنے اور عربی قواعد نحو اور صرف کے جاننے کیلئے۔

امریکی: ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تمہاری ایک بڑی لائبریری بھی ہے؟

مسلم دوست: ہاں یہ خبر ٹھیک ہے۔

امریکی: یہ لائبریری تم نے کس مقصد کیلئے قائم کی ہے؟

مسلم دوست: مطالعہ کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

امریکی: اتنی زیادہ کتابوں پر کیا کرتے ہو؟

مسلم دوست: میں مطالعے کا شائق ہوں، لائبریری کا اس کے علاوہ اور کیا مقصد ہو سکتا ہے، کیا لائبریری قائم کرنا اور کتابیں رکھنا جرم ہے؟

امریکی: نہیں جرم تو نہیں لیکن کیا یہ کتابیں زیادہ نہیں؟

مسلم دوست: میں چاہتا ہوں کے اور کتابیں بھی خریدوں لائبریری کی کوئی حد نہیں ہوتی ہے.

امریکی: تمہاری لائبریری میں کونسی کونسی کتابیں ہیں؟

مسلم دوست: ہمارے پاس تفسیر، احادیث فقہ، اصول اور ادبی کتابیں ہیں.

امریکی: کیا تمہارے گھر میں ہتھیار تھا؟

مسلم دوست: ہمارے گھر میں دو پستول تھے جو تمہارے کٹھ پتلیوں نے ہم سے چھین لئے ہیں.

امریکی: کیا تمہارے گھر میں اس کے علاوہ دوسرے ہتھیار، ٹی وی اور سیٹلائٹ فون تھا؟

مسلم دوست: میں نے ترجمان کو اشارہ کرکے کہا کہ ان لوگوں نے ہمارے گھر کی تلاشی لی ہے اور ایک انچ کے برابر جگہ بھی تلاشی کے بغیر نہیں چھوڑی، ان ہی سے پوچھو کہ یہ چیزیں ملی ہیں یا نہیں؟ امریکی تفتیشی افسر نے آئی ایس آئی کے ترجمان سے پوچھا کہ کیا تمہیں یہ چیزیں ملی ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں یہ چیزیں نہیں تھیں.

امریکی: تم کیوں پکڑے گئے؟

مسلم دوست: ہم پاکستانی انٹیلی جینس کی کٹھ پتلیوں افغانی جماعة الدعوة کے سرکردہ رہنماؤں سمیع اللہ نجیبی. حاجی روح اللہ، حاجی حیات اللہ اور حاجی ولی اللہ کے ساتھ اختلاف رکھتے ہیں. انہوں نے آئی ایس آئی کے ساتھ رابطے سے غلط فائدہ اٹھایا اور ہمیں پکڑوایا. ہم نے تو کسی سے درخواست نہیں کی ہے کہ ہمیں پکڑیں. ان سے پوچھو کہ ہمیں کیوں پکڑا ہے؟ امریکی نے ان سے پوچھا کہ ان لوگوں کو تم نے کیوں پکڑا ہے؟

ترجمان نے کہا کہ انہوں نے اخبارات میں امریکہ کے خلاف مضامین لکھے ہیں. کلنٹن کے قتل کرنے کیلئے پانچ ملین افغانی انعام دینے کا اعلان کیا ہے.

امریکی: کیا تم نے یہ کام کیا ہے؟

مسلم دوست: ہاں پانچ ملین افغانی سے اس وقت ایک سو تیرہ ڈالر بنتے ہیں دراصل یہ کلنٹن، امریکی سیاست اور افغانی روپیہ پر ایک طنز ہے جو ایک کارٹون کی حیثیت رکھتی ہے. اور یہ کام صحافت کے میدان میں آزاد ہے. امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا، بے گناہ عوام کو قتل کیا اور بے حساب گھروں کو مسمار کردیا لہذا ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ تم پر طنز کریں اور اپنا قلم استعمال

کریں.

امریکی نے مجھے کہا کہ یہ تمہارا حق ہے ہم اخباری مخالفت پر کسی کو نہیں پکڑتے اور نہ ہی قانون اس کی اجازت دیتا ہے. ہمارے اپنے صحافی بھی سیاست دانوں اور حکومت پر طنز اور تنقید کرتے ہیں، اسطرح کے لوگ دنیا میں بہت زیادہ ہیں ہم ان سب کو تو نہیں پکڑ سکتے. اس کے بعد امریکی کمرے سے باہر چلے گئے اور باہم مشورہ کرنے لگے، مگر ہمیں پتہ نہ چلا کہ کیا کہا؟

ایک بار ترجمان کو موبائل فون پر کال آئی وہ باہر نکل گیا، اس وقت ایک امریکی نے جلدی میں مجھ سے عربی میں بات شروع کی میں نے بھی عربی بولی اور اس کی باتوں کا جواب دیا. امریکی چاہتا تھا کہ یہ باتیں طول پکڑیں لیکن ترجمان واپس آیا. جب اس نے دیکھا کہ امریکی میرے ساتھ عربی میں بول رہا ہے تو وہ بہت پریشان ہوگیا کیوں کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ ہم نے کیا کہا. امریکی مجھ سے مذکورہ بالا مربع خبیثہ کے بارے میں سوالات کررہے تھے لیکن معلوم ہوا کہ اسے آئی ایس آئی سے چھپاتے تھے. اس نے مجھ سے پوچھا تم کیسے جان گئے کہ امریکی عربی بول سکتا ہے؟. ہم جان گئے کہ اُنکا بھی آپس میں اعتماد نہیں. پھر امریکی نے بات کاٹتے ہوئے انگریزی میں پوچھا:

امریکی: کیا تم ماضی قریب میں جلال آباد گئے ہو؟

مسلم دوست: ہاں گیا ہوں.

امریکی: کب؟

مسلم دوست: جلال آباد کے سقوط سے ایک دن پہلے.

امریکی: ایسی حالت میں کہ وہاں جنگ جاری تھی اور امریکی جہاز بمباری کرتے تھے تو آپ وہاں کیوں گئے تھے؟

مسلم دوست: جلال آباد اور افغانستان ہمارا وطن ہے، ہم ہر وقت آتے جاتے ہیں، وہاں ہماری زمینیں اور مکان ہیں نورستان کے قیمتی پتھر کی کانوں میں کام کرتے ہیں، جلال آباد میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے گیا تھا.

امریکی: کیا وہاں تمہارے اور مدارس بھی ہیں؟

مسلم دوست: ہاں، جلال آباد شہر کی اطراف میں کچھ مدارس اور بھی ہیں.

امریکی: کیا طالبان کے رہنماؤں سے ملنے کیلئے کبھی کابل گئے ہیں؟

مسلم دوست: ہاں.

امریکی: کس کام کیلئے؟

مسلم دوست: اس لئے کہ وہ ہمیں افغانستان میں مدرسے اور سکول قائم کرنے کی اجازت دیں.

امریکی: پھر کیا ہوا؟

مسلم دوست: دو تین دفعہ گئے لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا.

امریکی: جب تم آخری بار جلال آباد گئے تھے تو آپ کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا وہ کون تھا؟

مسلم دوست: میرے ساتھ کوئی نہیں تھا بلکہ میں اکیلا تھا.

امریکی: کیا آپ کے پاس کوئی دستی بکس تھا؟

مسلم دوست: نہیں.

امریکی: کس راستے سے جلال آباد گئے تھے.؟

مسلم دوست: طورخم کے راستے سے.

امریکی: طورخم کو کتنے بجے عبور کیا تھا.

مسلم دوست: معین وقت مجھے معلوم نہیں. اس وقت پنجابی ترجمان نے مجھے کہا کہ ہر چیز سے تو انکار مت کرو. پھر امریکی تفتیشی افسر پر احسان جتلا کر کہا کہ میں نے اسے یہ کہا.

الحمد للہ میں مکمل مطمئن اور بے پروا ایک ٹانگ دوسری پر ڈالکر بیٹھا ہوا تھا. لیکن پنجابی گنجا کرنل امریکی کے سامنے غلام کی طرح بیٹھا ہوا تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ رکوع کی حالت میں ہے لیکن امریکیوں کی عدم موجودگی میں مجھے کہتا تھا کہ یہ ٹماٹر جھوٹ بول رہا ہے.

آئی ایس آئی کے اہلکار امریکیوں سے ڈالر حاصل کرنے کیلئے غلامی کا کردار ادا کر رہے تھے لیکن ان کی عدم موجودگی میں انہیں ٹماٹر کہتے تھے ایک بار امریکی کو پیاس لگ گئی پنجابی کرنل نے منرل واٹر سے بھری بوتل فریج سے نکال کر اس کے سامنے رکھ دی اس نے ایک گھونٹ پانی پی لیا اور بوتل میز پر رکھ دی. جب کچھ دیر بعد دوسری بار پانی پینے کیلئے بوتل کو ہاتھ لگایا تو کرنل نے اسے کہا: نو سر. اس پانی سے اور مت پیجئے، جلدی اٹھ کر فریج سے دوسری بوتل لایا اور اس کے سامنے رکھ دی، پہلی بوتل کو اٹھا کر تبرک حاصل کرنے کیلئے خود پی لیا، مجھے

اس کی یہ ذلت آمیز حرکت بہت بری معلوم ہوئی شاید امریکی کو بھی اپنا یہ غلام بہت برا لگا ہوگا. میرے خیال میں تو امریکی ایسا کام خود وائٹ ہاؤس میں بھی نہیں کرتے ہیں کہ بوتل سے ایک گھونٹ پی کر دوسرے گھونٹ کیلئے دوسری بوتل لے لیں، لیکن یہ چاپلوس اور کم بخت ڈالر حاصل کرنے کی خاطر سب کچھ کرتے ہیں اور ہر کام کرنے کیلئے تیار ہوجاتے ہیں.

آئی ایس آئی کے خفیہ سیل اور ڈالر زدہ قیدی

آئی ایس آئی کے بہت زیادہ خفیہ جیل خانے ہیں، لیکن شامی روڈ کے قریب جیل میں ہمارے قریب اور بھی قیدی لوگ تھے. ایکبار میرے کمرے کے باہر کا دروازہ کھلا ہوا تھا. میں نے دیکھا کہ دو عرب باشندے بالترتیب دروازے کے سامنے سے گذر گئے، ایک نے میری طرف دیکھا اور اشارتاً کہا کہ میرے لئے دعا کرو، پھر اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے گئے لیکن پتہ نہ چلا کہ کہاں گم ہوگئے کیونکہ میں نے انہیں بگرام جیل، قندھار اور گوانتانامو جیل میں بھی نہیں دیکھا.

ایک اور قیدی تقریباً ۱۳-۱۴ سال کا نوجوان تھا. ایک دن میں نے اس لڑکے سے بات چیت کی. یہ لڑکا بنگلہ دیش کا رہنے والا تھا. پاکستان میں بعض بے ضمیر تاجر بنگلہ دیش کے لوگوں کی خراب اور کمزور اقتصادی حالت سے بے جا فائدہ حاصل کرتے ہیں وہاں سے بنگلہ دیشی عورتوں کو بہت کم قیمت پر خرید کر یہاں پاکستان میں عورتوں کی فروخت ہونیوالی خصوصی منڈیوں میں فروخت کردیتے ہیں.

اس لڑکے نے اپنی کہانی یوں بیان کی:

میری ماں کو پاکستانی تاجر نے بنگلہ دیش میں خرید کر پاکستان منتقل کردیا چونکہ میں چھوٹا تھا اس لئے میں بھی اپنی ماں کے ساتھ پاکستان کے شہر کراچی آیا. وہاں میری ماں کو ایک پنجابی چوھدری نے بیس ہزار روپیہ کے عوض خریدا وہ میری ماں اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا. وہ میری ماں کو ایک رکھیل کیطرح استعمال کرتا تھا. اور گھر کے تمام مشکل کام میری ماں کرتی تھی. میری ماں کی زندگی اجیرن ہوگئی اور میں بھی اپنے ماں کے ساتھ بدبختی کے جال میں پھنس گیا. اگرچہ میری ماں اور میں اس چوھدری کے گھر میں خلوص سے کام کرتے تھے مگر پھر بھی وہ بدبخت ہمیں ہر وقت بری طرح مارتا تھا.

یہاں تک کہ پولیس بھی اس چوہدری کے ساتھ تھی اور ہماری آہ وفریاد نہیں سنتے تھے. ایک دن میری

ماں تنگ آ کر تھانہ چلی گئی اور پنجابی چوھدری کے خلاف شکایت کی لیکن بجائے اس کے کہ مظلوم عورت کی فریاد سنی جائے تھانیدار نے چوھدری کو اطلاع کر دی کہ بنگلہ دیشی عورت آپ کے خلاف تھانے میں شکایت کرنے آئی ہے. چوھدری صاحب نے میری ماں کو پکڑ کر ٹریکٹر کے پیچھے باندھا اور دور تک گھسیٹتے رہے جس کے نتیجے میں میری ماں کے بدن پر زخم آئے ہم دونوں چوھدری کے مظالم سے تنگ آ گئے اور موت کو ترجیح دینے لگے.

جب میں اس عمر تک پہنچ گیا جو آپ مجھے اس وقت دیکھ رہے ہیں تو میری ماں نے مجھے بھاگنے کا مشورہ دیا، میں وہاں سے بھاگ گیا. کسی نے مجھے بتایا کہ اگر تم چوھدری سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو افغانستان چلے جاؤ وہاں کے لوگ بہت غیرت مند ہیں وہاں چوھدری کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا ہے. یہاں پاکستان میں جہاں بھی جاؤ گے اسی جگہ سے تمہیں پکڑ کر دوبارہ چوھدری کے حوالے کر دیا جائے گا. جب میں طورخم پہنچا تو یہ لوگ مجھے پکڑ کر یہاں لائے. یہ مجھے مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہندوستان کے جاسوس ہو. حالانکہ اس لڑکے کی عمر اس قابل نہ تھی کہ اپنے ملک سے دوسرے ملک میں جا کر کسی تیسرے ملک کے لئے جاسوسی کا کام کرے جب آئی ایس آئی کے اہلکار اسے مارتے تھے تو کبھی کبھار اس کی چیخیں میری کانوں تک پہنچ آتی تھی .اس بچے کی زندگی کا افسوسناک واقعہ میرے دل میں ہمیشہ داغ بن کر تازہ رہے گا.

اس کے علاوہ چار مزید عرب باشندوں کو بھی یہاں لایا گیا، دو کو ایک کمرے میں اور دو کو دوسرے کمرے میں بند کر دیا. ان میں سے بعض زخمی بھی تھے. ان چاروں میں سے ایک یمن کا دوسرا سعودی عرب، تیسرا اور چوتھا تیونس کا تھا. ایک بار مجھے بھی ترجمانی کیلئے ان کے پاس لے گئے تھے. ہم سے پہلے انہیں نیلی رنگ کی وردی پہنائی گئی اور کہا گیا کہ تمہیں ایک اچھی جگہ پر روانہ کر دیں گے. ان میں سے تین کو تو ہم نے قندھار اور گوانٹانامو کے جیل میں دیکھ لیا مگر سعودی باشندے کو نہ دیکھا. اس سے ملنے کیلئے سعودی سفارت خانے کے کچھ افراد بھی آئی ایس آئی کے خفیہ سیل آئے تھے. اسے امریکیوں سے بھی خفیہ رکھا گیا تھا. بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اسے خطیر رقم کے بدلے میں سعودی حکومت کے حوالہ کیا گیا ہے. یہ بات ہمیں ان کے باقی ساتھیوں نے قندھار اور گوانتانامو میں بتائی. آئی ایس آئی کے خفیہ سیل میں ایک اور قیدی حاجی ولی محمد صراف تھا. جس کو ہمارے ساتھ یکجا با گرام، قندھار اور گوانتانامو جیل منتقل کر دیا گیا. پھر ہمیں معلوم ہوا کہ حاجی ولی محمد بہت اچھے انسان ہے اور بے گناہ پکڑا گیا ہے. حاجی ولی محمد صوبہ بغلان کا باشندہ اور پشاور کے چوک یادگار میں

منی چینجر کا کام کر رہا تھا مگر آئی ایس آئی کے اہلکاروں نے اسے پکڑ کر امریکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

حاجی ولی محمد نے بعد میں ہمیں گوانتانامو میں بتایا کہ جب آئی ایس آئی نے مجھے پکڑا تو مجھے راستے میں کہا کہ تم پشاور میں صرافی کا کام وکاج کر رہے ہو مگر ہمارا خیال نہیں کرتے۔ حاجی ولی محمد نے کہا کہ میں نے انہیں بتایا کہ میں صرافی کا کام کرتا ہوں نہ کہ ہیروئن کا تمہارا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ اب مطلب تیری سمجھ میں آ جائے گا۔ کچھ دن بعد صراحتاً مجھ سے پیسوں کا مطالبہ کیا لیکن میں نے دینے سے انکار کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے القاعدہ کے نام سے امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کیا۔ حاجی ولی محمد نے کچھ ایسے افراد کے نام بھی لئے جو آئی ایس آئی کے ایجنٹ تھے، حاجی صاحب نے مزید کہا کہ میرا ان پر قرض تھا بار بار مطالبے سے تنگ آ کر انہوں نے میرے خلاف منصوبہ بنایا اور مجھے گرفتار کروایا۔ ایک اور قیدی اردنی تھا میں نے ا یکبار اس کی ترجمانی بھی کی تھی وہ عمارتی رنگ کا کام کرتا تھا۔ وہ سیر سیاحت کیلئے نکلا تھا اس کے پاس پاسپورٹ اور ویزہ بھی تھا مگر آئی ایس آئی والوں نے اسے بھی پکڑا تھا جو بعد میں بھاری رشوت لے کر رہا کر دیا گیا۔

استاد بدر الزمان بدؔر کی سرگزشت

جیل میں پہلی رات جو رمضان کا مہینہ تھا سحری کے وقت میری ایک جلی ہوئی چپاتی اور تھوڑے سے سالن سے تواضع کی گئی۔ اللہ جانتا ہے کہ اسی رات ہمارے گھر والوں نے غم اور پریشانی سے سحری بھی کی ہو گی یا نہیں۔ مجھے بھی معلوم نہ ہوا کہ رات کیسی گذری اور سحری کا وقت کیسے پہنچا؟ فجر کی نماز تیمّم کر کے پڑھی۔ رات کی بے خوابی نے مجھ پر غلبہ کیا نیم خوابی کے عالم میں پڑا ہوا تھا کہ میرے کانوں میں آواز گونج اٹھی لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ کیا کہ رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد میرے کمرے کا دروازہ بھی کھلا کیا دیکھتا ہوں؟ کہ وہی پنجابی کرنل جس نے ہمارے گھر پر چھاپہ مارنے کی قیادت کی تھی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سفید کاغذ اور قلم بھی تھا۔ ایک دوسرے اہلکار کو ہدایت دی کہ ہم سے ابتدائی تحقیقات کریں۔ ابتدائی تحقیقات کے وقت اس کے ساتھ ایک پختون اہلکار بھی تھا جو مجھے اور پنجابی اہلکار کیطرف بار بار دیکھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مجھے کوئی بات بتائیں۔ انہوں نے میرے فنگر پرنٹ لئے۔ ابتدائی پوچھ گچھ صرف اتنی تھی کہ اسم ولدیت، سکونت، قومیت، تعلیم پیشہ اور ذمہ واری کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ میں نے پاکستان میں کن کن شہروں کو دیکھا ہے، باہر کی دنیا میں کن کن ممالک کی سفر کی ہے؟ مجھے اس سوال کے بارے میں آخر میں پتہ چلا اور سمجھ گیا کہ اس کا کیا

مقصد ہے.

پورا دن سوچ اور فکر میں گذرا اور رات کی تاریکی چھاگئی. عشا کے بعد میرے کمرے کے قریب کمرے میں صلاح مشورے ہونے لگے کچھ دیر بعد میرے کمرے کا دروازہ کھلا مجھے اٹھا کر پختون کرنل کے سامنے پیش کیا گیا. اس نے میری زندگی کے بارے میں چند سوالات کئے پھر القاعدہ اور طالبان کے ساتھ تعلق کے بارے میں پوچھا. میں نے نفی میں جواب دیا. بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس کا نام کرنل عزیز تھا. وہ چاہتا تو ہمارے ساتھ تعاون کرتا مگر اسکا بھی نوکری پر ایمان تھا وہ اللہ سے نہیں اسلام آباد والوں سے ڈرتا تھا، وہ جن فائلوں پر لکھتا تھا ان پر Top secret (بہت مخفی) الفاظ لکھے گئے تھے. پوچھ گچھ کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ کچھ دن کے بعد اسلام آباد سے کچھ امریکی اہلکار آرہے ہیں وہ بھی تم سے پوچھ گچھ کریں گے.

کرنل کا پہلا سوال یہ تھا کہ کیا آپ کی کسی سے دشمنی یا سیاسی مخالفت ہے؟ میں نے کہا ہاں، تمہارے کٹھ پتلی غلام **جماعة الدعوة** سے شدید مخالفت ہے، **جماعة الدعوة** کے سرکردہ لیڈروں ملا سمیع اللہ نجیبی، حاجی ولی اللہ، حاجی حیات اللہ، حاجی روح اللہ اور دیگر اللہ کے دشمنوں نے ہمیں قتل کرنے کی کئی بار کوشش کی ہیں. لیکن چونکہ موت اور زندگی اللہ کے اختیار میں ہے لہٰذا ان کی ساری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئی ہیں انہوں نے اس مقصد کیلئے بہت سارو پیہ لگایا ہے اور اب بھی لگا رہے ہیں. پختون کرنل نے اپنا سر ہلا کر کہا کہ بس اصل بات واضح ہوگئی. مسلم دوست صاحب نے مجھے بتایا کہ جب مجھ سے بھی یہی سوال ہوا اور میں نے اللہ والوں کے نام گننا شروع کئے اور جب حاجی حیات اللہ کے نام پر آیا تو اس نے کہا اچھا وہ شرابی اور زانی؟ وہ تو جان سے مارنے کے لائق ہے. کرنل صاحب نے قتل کرنے کی بات ہم سے کی لیکن اس کی شکل سے لگتا تھا کہ شراب اور دوسری فحش مجالس میں کرنل صاحب نے خود شرکت کی تھی. بعد میں آئی ایس آئی کے چھوٹے عہدیداروں نے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ تمہارے مخالفین ہمارے بڑے بڑے افسروں کو لڑکیاں اور شراب سپلائی کرتے ہیں، پاکستان اور افغانستان میں ہماری ایجنسیوں کے لئے بہت سی خدمات سرانجام دی ہیں. لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے افسر بھی ان کا کہنا مان لیں اور ان کیلئے کام کریں آئی ایس آئی کے ایک عہدیدار نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ حاجی حیات اللہ کے حیات آباد میں ایک کابلی لیڈی ڈاکٹر سے بھی ناجائز تعلقات ہیں وہ بہت حسین اور خوبرو ہے اسے ہمارے افسروں کو بھی پیش کرتا ہے. خیر یہ باتیں تو بعد میں تفصیل کے ساتھ آنے والی ہیں اب آیئے میری کہانی سنیں.

آئی ایس آئی کی ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد خاموشی ہوئی. ہم پر ایک پنجابی محافظ متعین تھا وہ ہمیں چوبیس گھنٹوں میں صرف ایکبار لیٹرین لے جاتا تھا. ایک ہفتہ بعد وہی گنجا پنجابی کرنل ایک اور کرنل کے ساتھ جس نے واسکٹ اور چترالی ٹوپی پہنی ہوئی تھی بہ ظاہر تو پختون نظر آرہا تھا لیکن پشتو زبان میں بات چیت نہیں کرسکتا تھا. ہمارے پاس آئے اور کہا کہ تم سے تفتیش کی جارہی ہے، ہم چاروں قیدیوں کو بار بار نکال کر ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی اور آنکھوں پر پٹی باندھی ہم سب کو بغیر نمبر پلیٹ والی لینڈ کروزر گاڑی میں بٹھا کر دس منٹ سفر کے بعد ایک بنگلے میں پہنچا دیا. کمرے کے اندر میری آنکھوں سے پٹی ہٹا دی. کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا. گنجے پنجابی کرنل نے فوراً کھڑکی کے پردے بند کئے لیکن میں نے کھڑکی سے باہر سبز لان اور وہاں ایک بڑا درخت دیکھ لیا یہ چمن بہت بڑا اور وسیع تھا کمرہ بھی بہت صاف ستھرہ اور شاندار تھا. کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا. سامنے ڈرائنگ روم میں ٹی وی بھی رکھا ہوا تھا. دوسرے کمروں سے آوازیں بھی آرہی تھی. میری کرسی کے سامنے تین اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں. اور دیوار کے قریب ڈبل بیڈ بھی پڑے ہوئے تھے. اس بنگلے کا رنگ و روغن اچھا تھا. میں نے محسوس کیا کہ آئی ایس آئی کا (Safe house) سیف ہاؤس ہے، وہ اصطلاح جو میں نے پہلے اخباروں میں پڑھی تھی، یہ بھی انہی سیف ہاؤس میں سے ایک ہے جو انٹیلی جینس مقاصد کیلئے استعمال ہوتے ہیں. اس سیف ہاؤس کا ایک مقصد بڑے بڑے معزز مہمانوں کے بٹھانے کا ہے. میں نے گنجے پنجابی کرنل کو نماز پڑھنے کے بارے میں بتایا اس نے کہا تفتیش اور پوچھ گچھ ختم ہوجانے کے بعد پڑھو. پھر کہا جلدی جلدی پڑھو اہم مہمان آپ سے ملنے کیلئے آئے ہیں. میں نمازِ عصر میں کھڑا تھا کہ کرنل نے میرے کمرے کے دروازے سے آواز دی اور کہا He is waiting for you (وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں). اس کے جواب میں کمرے کے سامنے ڈرائنگ روم سے جواب آیا کہ: (We are ready) "ہم تیار ہیں". اس وقت پنجابی کرنل کے ساتھ تین اور افراد کمرے کے اندر داخل ہوئے جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ دو امریکی عورتیں اور ایک مرد میرے قریب کھڑے ہیں. کرنل نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کیلئے کہا لیکن میں نے اپنی تسبیحات پوری کرنے کی ٹھان لی، کرنل کو اپنے آقاؤں کے سامنے خوشامد کرنے کا موقع مل گیا اور انہیں بتایا کہ They are very very religious people "یہ بہت مذہبی لوگ ہیں". میری نماز اور تسبیحات سے کرنل کو اچھے دلائل ہاتھ آئے تا کہ اپنے آقاؤں کو یہ ثابت کراؤ کہ اس نے واقعی دہشت گرد پکڑے ہیں. شاید اسی مقصد کیلئے مجھے نماز پڑھنے کی اجازت بھی دی تھی. کرنل نے جب نماز پڑھنے کے

بعد مجھے زور سے اٹھنے کو کہا تو امریکیوں نے کہا:Let him complete his prayer" چھوڑ دو کہ اپنی نماز مکمل کرے". پھر ہمیں معلوم ہوا کہ امریکیوں نے نماز کے بعد ہمارے تسبیحات اور دعا کو نماز کا حصہ سمجھا تھا. اس لئے کرنل خاموش ہوا. جب میں خود اٹھ کر کرسی پر بیٹھا تو امریکن میرے سامنے بیٹھ گئے. کرنل میرے بائیں جانب موجود ڈبل بیڈ پر بیٹھ گیا، اس وقت ایک دبلا پتلا ایک جوان قلم و کاغذ ہاتھ میں پکڑے ہوئے کمرے میں داخل ہوا، ڈبل بیڈ کے اخری کونے پر بیٹھ کر نظارہ کرنے لگا اور لکھنا شروع کیا. بعد میں معلوم ہوا کہ لکھنے والا پشاور شہر کا رہنے والا پختون ہے لیکن سارے اختیارات پنجابی کرنل کے ہاتھ میں ہے. پوچھ گچھ شروع ہوئی. کرنل صاحب چاہتے تھے کہ ترجمانی کے فرائض انجام دیں لیکن جب امریکیوں نے مجھ سے پوچھا کہ ?Do you speak English کیا تم انگلش میں بات کر سکتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا. وہ میرے اس جواب کو سن کر بہت خوش ہوئے مگر کرنل بہت پریشان ہوا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر ترجمانی کرے.

مجھے یہ بات اس وقت معلوم ہوئی جب مسلم دوست نے مجھے پنجابی کرنل کی ترجمانی کی ایک کہانی سنائی. امریکیوں نے پہلے اپنا تعارف کرایا، تینوں نے اپنے خودساختہ نام بتائے. میرے سامنے جوان سال امریکی مرد، بائیں جانب دبلی پتلی امریکی لڑکی اور دائیں جانب پچاس ساٹھ برس کی تجربہ کار موٹی عورت بیٹھ گئی جو تفتیش کے دوران مجھے پوری توجہ سے دیکھتی تھی. سارے سوالات چھوٹی اور کم عمر لڑکی نے کئے. نوجوان امریکی مرد نے صرف میری ساری انگلیاں کاغذ پر لگادی. چالاک لڑکی کے ہاتھ میں ایک ڈیجیٹل کیمرہ بھی تھا جس سے میری کئی طرح کی تصویریں اتاریں، ایک تصویر مجھے بھی سکرین پر دکھائی. اسی چالاک لڑکی نے میرے سر سے پکول (چترالی ٹوپی) اٹھا کر کہا کہ مجھے یہ بہت پسند ہے، پکول کا الٹ پلٹ کر اچھی طرح معائنہ کیا کہ میں سمجھ گیا کہ یہ پکول میں کوئی چیز تلاش کر رہی ہے. میں نے اسے کہا کہ لیڈی ڈیانا کو بھی یہ پکول پسند تھی. شاید تم نے لیڈی ڈیانا کی سفید پکول میں تصاویر دیکھ لی ہوگی یہ پکول افغانوں کو بھی بہت پسند ہیں اور اب یہ ہمارے قومی لباس کا حصہ بن گیا ہے وہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ یہ بہت بہترین لباس ہے. پکول کے بارے میں اصل بات صحافتی اصطلاح میں Warm up یا مخاطب کو بات کرنے کیلئے ابتدائی طور پر آمادہ کرنے کی وہ باتیں ہوتی ہیں جو اصل موضوع میں داخل ہونے کیلئے راستہ ہموار کرنے کیلئے کیجاتی ہیں. اصل موضوع شروع ہوا اور مجھ سے سب سے پہلے مختصر شخصی معلومات کے بارے میں پوچھا گیا. میں نے مختصر جملوں

میں اپنا نام، ولدیت، سکونت، قومیت، تعلیم اور پیشہ کے بارے میں معلومات فراہم کیں' اس کے بعد مجھ سے پوچھا.

امریکی: تم آخری بار افغانستان کب، کہاں اور کیوں گئے تھے. اور وہاں کتنا وقت گذارا؟

بدر: میں دو ڈھائی ماہ پہلے اپنے گاؤں (صاحبا نو کلی) میں اپنی زمینوں کے حاصلات حاصل کرنے کیلئے گیا تھا. میرے اس جواب کے سننے کے فوراً بعد ایک بڑا نقشہ نکال کر میرے سامنے رکھدیا اور مجھے بتایا کہ اس نقشے میں اپنے گاؤں پر انگلی رکھو. میں نے کوٹ کے تحصیل پر انگلی رکھی. انہوں نے پوچھا یہ تورا بورا سے کتنا دور ہے؟ میں نے کہا میں نے تورا بورا نہیں دیکھا ہے البتہ اتنا جانتا ہوں کہ تورا بورا بھی جلال آباد کی اس سمت میں ہے.

امریکی: تمہارا بڑا بھائی مسلم دوست کب کس جگہ اور کتنے وقت کیلئے افغانستان گیا تھا؟

بدر: میرا بڑا بھائی مسلم دوست چند مہینے پہلے نورستان میں واقع قیمتی پتھروں کی میں خریداری کرنے کیلئے پندرہ دنوں کیلئے گیا تھا. کیوں کہ پتھروں کے خرید وفروخت کی ذمہ داری اسی کی ہے.

امریکی: تمہارے دوسرے بھائی کہاں رہتے ہیں اور وہ کیا کام وکاج کرتے ہیں؟

بدر: میرا سب سے بڑا بھائی جو اس وقت یہاں قید ہے اور مجھ سے بڑا بھائی دونوں شہد کا کاروبار کرتے ہیں. دوسرے بڑے بھائی کا سعودی عرب میں تنور ہے.

امریکی: کیا وہ افغانی نان پکاتا ہے؟

بدر: ہاں.

امریکی: مجھے افغانی نان بہت پسند ہے.

بدر: ہاں افغانی نان اور افغانی کھانوں کو ساری دنیا میں پسند کیا جاتا ہے.

امریکی: تمہاری بات ٹھیک ہے امریکہ میں بعض افغانوں کے ریسٹورنٹ ہیں . بہت سے امریکی وہاں کھانا کھاتے ہیں، ہم بھی نیویارک میں افغانی ریسٹورنٹ میں کھانا کھاتے ہیں.

بدر: میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے.

امریکی: کیا تم امریکہ گئے ہو؟

بدر: نہیں.

امریکی: آپ نیویارک اور واشنگٹن میں گیارہ ستمبر کے واقعہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

بدر: مجھے ان حادثات کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں صرف میڈیا پر دیکھے ہیں.

امریکی: کیا تم ایسے عرب یا طالبان کو جانتے ہو جن کا اس حادثے میں ہاتھ ہو؟

بدر: میں کسی کو نہیں جانتا.

امریکی: تمہارے القاعدہ اور طالبان کے ساتھ کس وقت سے تعلقات ہیں؟

بدر: ان دونوں سے ہمارا سرے سے کوئی تعلق نہیں.

امریکی: کیا تمہارے گھر عرب نہیں آتے ہیں؟

بدر: ہمارے گھر کوئی عرب نہیں آیا ہے.

امریکی: یعنی تم نے کسی عرب کو نہیں دیکھا ہے؟

بدر: کیوں نہیں روس کے ساتھ جہاد کے وقت عربوں کو دیکھا ہے.

امریکی: پاکستان اور افغانستان میں ان میں سے کسی کو القاعدہ کے کارکن کے طور پر جانتے ہو؟.

بدر: مجھے معلوم نہیں کہ کونسا عرب القاعدہ کے ساتھ ہے اور کونسا عرب نہیں.

امریکی: اسامہ اور ملا عمر کے ساتھ آپ کی آخری ملاقات کب ہوئی ہے؟.

بدر: ان کے ساتھ میری ملاقات کبھی بھی نہیں ہوئی ہے.

امریکی: کیا تمہارے بعض مضامین میں القاعدہ کے کچھ رہبروں کے نام موجود ہیں؟

بدر: ہاں موجود ہیں لیکن ان کے نام تو آپ لوگوں نے ہی مشہور کئے ہیں. ان کے نام تو انٹرنیٹ پر بھی آتے ہیں. ان کی زندگی کے بارے میں تو میرے جیسے بہت سے صحافیوں نے مضامین لکھے ہیں.

کیا تم لوگوں نے مجھے اسی جرم میں پکڑا ہے؟

امریکی: نہیں ہم کسی کو اس جرم میں نہیں پکڑتے ہم آزادی بیان کا یقین رکھتے ہیں یہ تمہارا جمہوری حق ہے، پوری دنیا میں ہمارے کروڑوں مخالفین ہیں اگر ہم انہیں صرف آزادی بیان کی وجہ سے پکڑیں یہ تو بہت بری بات ہوگی.

بدر: پھر تم کیوں ہم سے تفتیش کیلئے آئے ہو؟

امریکی: نہ ہم نے تم کو پکڑا اور نہ ہی آئی ایس آئی کو تمہارے پکڑنے کیلئے کہا ہے. یہ تمہارے اور ان کے

درمیان معاملہ ہے. رہ گئی یہاں آنے کی بات تو ان لوگوں نے ہمیں بلایا ہے کہ یہاں آ کر تم سے پوچھ گچھ کریں. ہمارے درمیان یہ طے ہوا ہے کہ جب یہ کسی مشکوک دہشت گرد کو پکڑیں تو ہمیں بلاتے ہیں کہ ان سے تفتیش کریں. یہ کہتے ہیں کہ تم دہشت گرد ہو.

بدر: تم نے ہمارے خلاف تفتیش کر کے کیا پایا؟

امریکی: ہم چند اور سوالات بھی کریں گے.

بدر: تم کر سکتے ہو کہ اپنے سوالات جاری رکھو.

امریکی: تم نے سیٹلائٹ فون کہاں چھپایا ہے؟

بدر: میں نے تو اپنی پوری زندگی میں سیٹلائٹ فون دیکھا ہی نہیں؟

امریکی: کیا تمہارے بھائی کے پاس بھی یہ فون نہیں ہے؟

بدر: نہیں اس نے بھی پوری زندگی میں سیٹلائٹ فون استعمال نہیں کیا.

امریکی: تمہارے گھر میں ڈش انٹینا ہے؟

بدر: نہیں.

امریکی: عام ٹی وی تو موجود ہوگا؟

بدر: نہیں ٹی وی بھی ہمارے گھر میں نہیں ہے.

امریکی: تو پھر اپنا وقت کیسے گذارتے ہو؟

بدر: ہمارے پاس اکثر وقت کم ہوتا ہے.

امریکی: اس لئے کہ تم اہم لوگ ہو.

بدر: اس میں اہم اور غیر اہم کی بات نہیں بلکہ ہم اپنے کام کاج میں مگن رہتے ہیں.

امریکی: تمہارے گھر میں تو سیاسی مجالس بھی ہوتی ہیں؟

بدر: نہیں یہ بات غلط ہے آخر سیاسی مجالس سے ہمارا کیا تعلق ہے؟

امریکی: تو پھر کیوں اتنے زیادہ لوگ آپ کے گھر آتے جاتے ہیں؟

بدر: مہمان نوازی تو ہمارے دین اور ہماری ثقافت کا اہم جز ہے.

امریکی: کسی طرح کے مہمان آپ کے گھر آتے ہیں؟

بدر: ہمسایہ، رشتہ دار اور ہمارے دوست عزیز اقارب ہمارے گھر آتے ہیں.

امریکی: طالب اور عرب بھی؟.

بدر: طالب اور عرب ان حالات میں شہروں بازاروں اور ہمارے گھر میں کیا کرتے ہیں؟

امریکی: تم آخری بار یورپ اور امریکہ کب اور کس مقصد کیلئے گئے تھے؟

بدر: میں یورپ اور امریکہ نہیں گیا ہوں.

امریکی: تو پھر تمہیں انگریزی کیسے آتی ہے کہاں سے سیکھی ہے؟

بدر: انگریزی تو بہت سے لوگوں کو آتی ہے میں نے کالج اور پھر یونیورسٹی میں سیکھی ہے.

امریکی: تمہارے پاس بہت زیادہ پیسہ ہے اتنا پیسہ کہاں سے حاصل کیا ہے؟

بدر: یہ بات بالکل جھوٹ ہے اگر ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو کم از کم اپنا گھر بار ہوتا اور کرایہ کے مکان میں نہ رہتے.

امریکی: آپ کے جوابات کا شکریہ ہم دس گیارہ منٹ تفریح کرتے ہیں وہ ایک دوسرے پر نظر ڈال کر باہر چلے گئے. دس پندرہ منٹ بعد دوبارہ آئے ان کے ہاتھوں میں بہت سے کاغذات بھی تھے وہ مہریں بھی مجھے دکھائی جو ہمارے گھر سے آئی ایس آئی کے اہلکاروں نے ہمارے گھر سے برآمد کی تھیں اور مجھے کہا کہ یہ مہریں کس کی ہیں؟

بدر: میں نے ایک ایک مہر کے بارے میں معلومات فراہم کیں جو ثقافتی اور ذاتی کاروبار کی مہریں تھیں مہروں میں ایک مہر Khyber Enterprises خیبر انٹرپرائزز کے نام پر تھی. جو تجارتی لائسنس حاصل کرنے کی خاطر بنائی گئی تھی، لیکن ابھی نامکمل تھا. اس مہر کے بارے میں خصوصی دلچسپی لی اور بہت سے سوالات کئے. جو درج ذیل ہیں.

امریکی: کیا تم نے اس کے ذریعہ بیرون ملک مال بھیجا یا منگوایا ہے؟

بدر: نہیں یہ تو ابھی تک پایہ تکمیل تک بھی نہیں پہنچا ہے. ہم تو ایکسپورٹ لائسنس بنانے والے تھے ابھی تک نہیں بنایا.

امریکی: تم نے خیبر کا نام کیوں انتخاب کیا؟

بدر: درہ خیبر یہاں ہمارے پختونخواں کا مشہور علاقہ ہے. پختونخواہ لفظ سننے سے پنجابی کرنل کے ماتھے

پر بل آئے لیکن اپنے آقاؤں کے سامنے کچھ کہنے کی جرأت نہ کی.

امریکی: ہاں خیبر اچھا نام ہے.

بدر: میں نے تو خیبر نام رکھنے کی پوری وجوہات بیان کی لیکن یہ کہ امریکی لڑکی نے خیبر کے نام کو کیوں پسند کیا اس کی الگ وجہ تھی، وہ یہ کہ مذکورہ تفتیش کار او محققین مقتدر یہودیوں میں سے تھے ان کیلئے خیبر کا نام بہت اہم ہے. انہیں غزوہ خیبر کی تاریخ بہت اچھی طرح معلوم ہے اب بھی پوری دنیا کے یہود بالخصوص اسرائیل دھمکی دیتے ہیں کہ وہ ایکبار پھر مدینہ کے خیبر پر ضرور قبضہ کرلیں گے اور محمد ﷺ کے ہاتھوں کھائی ہوئی شکست کا انتقام ضرور لینگے. جب امریکی تفتیش کار نے کہا کہ خیبر واقعی اچھا نام ہے تو اس کا مقصد مدینہ کا خیبر تھا نہ کہ پختونوں کا خیبر جیسا کہ خاطر غزنوی اور خاطر آفریدی کہتے ہیں.

مونږ دخیبر زلمی پښتوز مونږ شان دی
مونږه پښتانه یوپه وطن موځان قربان دی
دخاطر رنګین غزل ته حیرانیږم
ګنی خر خیبر کی بی دخاور وخه دی

ہم خیبر کے جوان ہیں پشتو ہماری شان ہے.
ہم پختون ہیں اور اپنے وطن پر ہماری جانیں قربان ہیں.
میں خاطر کی اس رنگین غزل پر حیران رہ جاتا ہوں
ورنہ خاکی خیبر میں خاک کے علاوہ اور کیا رکھا ہے

آخر میں انہوں نے وہ پوسٹر دکھائے جس میں ہماری گرفتاری سے پہلے مسلم دوست صاحب نے امریکی بمباری کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور منافقین کی بھی مذمت کی تھی. ہمارے مخالفین نے ماضی کے اختلافات اور سازشوں کے علاوہ آخری سازش یہ کی کہ اس پوسٹر کو پاکستانی انٹیلی جنس کے حوالہ کیا تا کہ ہمارے پکڑنے کیلئے راستہ ہموار کرے.

امریکی: (ا) کیا یہ پوسٹر تمہارے بھائی نے بنایا ہے؟

بدر: یہ سوال خود میرے بھائی سے کریں وہ بھی آپ کی قید میں ہے.

امریکی: کیا وہ ہمارا سیاسی مخالف ہے؟

بدر: یہ سوال بھی اسی سے کریں۔

امریکی: کیا تم امریکیوں کے مخالف ہو؟

بدر: میں امریکیوں کے امریکی ہونے کی وجہ مخالف نہیں بلکہ امریکیوں کی گندی سیاست کا مخالف ہوں۔ جیسا کہ افغانستان میں اندھا دھند بمباری بے گناہ عوام کا خون بہانا، اور پوری دنیا اور خاص طور پر مشرق وسطی سمیت میں ظالمانہ اور غلط سیاست کا انتخاب کرنا۔ اس کے بعد وہ ایک بار پھر دس منٹ کیلئے باہر چلے گئے۔ دس پندرہ منٹ بعد جب دوبارہ کمرے میں داخل ہوئے تو ایک سفید کارڈ پر چار نام لکھے ہوئے تھے وہ مجھے دکھائے میں نے ان ناموں کو پڑھا چاروں نام یہ تھے ملا سمیع اللہ نجیبی، حاجی ولی اللہ، حاجی روح اللہ اور حاجی حیات اللہ۔

امریکی: انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا ان لوگوں کو جانتے ہو؟

بدر: ہاں یہ تو ہمارے بہت قریب کے لوگ ہیں۔

امریکی: تمہارے ان کے ساتھ کوئی سیاسی مخالفت یا دشمنی تو نہیں ہے؟۔

بدر: کیوں نہیں ان سے ہماری شدید سیاسی مخالفت ہے انہوں نے تین بار ہمارے قتل خصوصاً میرے بھائی مسلم دوست کے قتل کی کوششیں کی ہیں۔ اور ابھی ہمارے گرفتاری سے دس دن پہلے فون پر ہمیں دھمکی دی تھی کہ تم بہت جلد جیل کی تاریک کوٹھریوں کے پیچھے ہوگے۔

امریکی: ان کے ساتھ تمہاری مخالفت کیوں ہے؟

بدر: میرا بھائی ان کے ساتھ تنظیم میں ثقافتی شعبہ میں کام کیا کرتا تھا ایک مجلّہ بھی نکالتے تھے، یہ آئی ایس آئی کے ساتھ قریبی تعلقات رکھتے ہیں۔ جب ہم نے ان کی غلط پالیسی کی مخالفت کی اور تنظیم سے نکلے تو ہمارے خلاف منصوبے اور سازشیں بنائیں، ان لوگوں نے افغانستان کی عوام کے ساتھ بڑی خیانت اور دھوکہ کیا ہے۔ مگر یہ بڑی بڑی کہانیاں ہیں۔ جو اس وقت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ان لوگوں نے ہمیں ہلاک کرنے کیلئے کئی بار بم رکھ دیئے ہیں لیکن اللہ تعالی نے ہمیں محفوظ رکھا ہے۔ بالآخر آئی ایس آئی کے ساتھ تعلقات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں گرفتار کروایا۔ میری یہ باتیں وہاں موجود آئی ایس آئی کے افسروں کو بہت بری لگی تھیں لیکن کچھ نہیں کہتے تھے۔ ہماری ان

باتوں سے امریکی تفتیش کار بہت زیادہ متعجب ہوئے. آخر میں مجھے کہا کہ تم ہماری طرف سے فارغ ہو، ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں، لو ہم چلتے ہیں.

شام کے قریب مجھے دوبارہ اپنے کمرے میں بلایا اور دروازے کو بہت زور سے پیچھے کیطرف بند کروایا. عشاء کے بعد آئی ایس آئی کا ایک پختون افسر میرے کمرے میں آیا اور مجھے کہنے لگا: تم تو بہت برے آدمی ہو.

بدر: میں نے کہا" کیوں میں نے کیا کیا ہے؟".

آئی ایس آئی اہلکار: کیا لوگ اسطرح بات کرتے ہیں کیا یہ باتیں کرنے کی ہیں؟

بدر: میں نے تو ساری حقیقت بیان کی ہے.

آئی ایس آئی اہلکار: کیا تمہیں پتہ نہیں کہ ہم انہیں ڈاج کرتے ہیں اور وہ ہمیں ڈاج کرتے ہیں.

بدر: یہ تو تمہارا اپنا کام ہے ہمیں تو ڈاج مت کیجئے نہ.

آئی ایس آئی اہلکار: آرام سے بیٹھو یہ ہمارے بڑوں کی باتیں ہیں زیادہ بحث مت کرو.

بدر: دو راتیں گذرنے کے بعد وہ پنجابی کرنل ایکبار پھر آیا اور مجھ سے چند بیہودہ سوالات پوچھنے لگا. اکثر مکرر سوالات تھے لیکن ان میں زیادہ سوالات افغانی **جماعة الدعوة** کے بارے میں تھے. جب میں نے جوابات دئے تو مجھے کہنے لگا کہ اگر امریکیوں نے تم سے پھر پوچھا تو اسطرح کا جواب نہ دینا. تو پھر میں کیا بتاؤں؟ یہ مت کہو کہ **جماعة الدعوة** آئی ایس آئی کے لوگ ہیں، اگر باز نہ آیا تو میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جو یاد رکھوگے.

آئی ایس آئی اہلکار: ایک دو رات بعد وہ پختون افسر ایکبار پھر میرے کمرے میں چوری چھپے آیا اور ہر بات کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا اس نے مجھے بتایا: یار! ہم واقعی غلام ہیں.

بدر: میں نے پوچھا کس کے غلام ہیں؟

آئی ایس آئی اہلکار: ان لال ٹماٹروں کے.

بدر: سرخ ٹماٹر کون ہیں؟

آئی ایس آئی اہلکار: تاں انگریز. یہ امریکی جو گذشتہ رات یہاں آئے تھے. یہ سب ایک ہی لوگ تو ہیں. اس

پنجابی افسر نے تو ہمارے ساتھ بہت بُرا سلوک شروع کر رکھا ہے. ہاں وہ امریکیوں کے سامنے بھی صرف چند ڈالر اور ویزہ حاصل کرنے کیلئے کُتا بنا ہوا ہے.

بدر: کیا تم اسے منع نہیں کر سکتے ؟

آئی ایس آئی اہلکار: نہیں ہم اس کے سامنے بے بس ہیں مرکز میں اس کی بنیاد مضبوط ہے اور سارے اختیارات مرکز کے پاس ہیں.

بدر: اس افسر سے میری کئی کئی بار بات ہوئی اور ہر بار مجھے معلوم ہوا کہ سرحد کے پختون پنجابی حکام کے سامنے بے بس ہیں.

بعد میں ہمیں یہ حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ پختون افسروں کو ہمارے قریب نہیں آنے دیتے اور یہ افسر جو ہمارے پاس آتے تھے خفیہ طور پر آتے تھے. وہ مجھے کہتا تھا کہ میری ڈیوٹی عرب قیدیوں پر ہے میں آپ سے ملنے کیلئے چوری چھپے آتا ہوں تم لوگوں پر بڑا ظلم ہوا ہے آپ بے گناہ ہیں. اس کے بعد ایک اور پختون ہمارے کمرے میں آیا او کہنے لگا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں مگر ہمارے بڑے نہیں چاہتے کہ تمہیں رہائی مل جائے کیونکہ تمہارے سیاسی مخالفین اب بھی ہمارے افسروں سے ملتے ہیں انہوں نے افغانستان میں ہمارے لئے بہت کام کیا ہے اب ہمارے بڑوں کو بھی ان کیلئے کام کرنا تو ہوگا. دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے افسروں کو شراب اور لڑکیوں کی ضرورت ہے اور حاجی حیات اللہ ان کی اس ضرورت کو پوری کرتا ہے. گذشتہ روز بھی میں نے وہ لیڈی گلم جم ڈاکٹر کو دیکھا تھا کہ ہمارے افسر کے ساتھ بیٹھی تھی، حاجی حیات اللہ نے اس ڈاکٹر کیلئے حیات آباد میں گھر کرایہ پر لیا ہے اور خرچہ بھی حاجی حیات اللہ ہی دیتا ہے، بہت زیادہ خوبصورت ہے. خود بھی اسے استعمال کرتا ہے اور ہمارے افسروں کو بھی سپلائی کرتا ہے.

دن رات گھڑی کی سوئی کی طرح گذر جاتے تھے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہم مختلف چھوٹے افسروں سے سنتے تھے کہ جماعة الدعوة کے رہنما اب بھی ہمارے خلاف متحرک ہیں اور سازشیں تیار کر رہے ہیں. چھوٹے افسروں نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ ہم نے کئی بار اسلام آباد کو خطوط ارسال کئے کہ یہ لوگ بے گناہ ہیں لیکن وہ ہمیں جواب نہیں دیتے دراصل انہوں نے آپ کو جماعة الدعوة کے کہنے پر یہاں قید رکھا ہے. تمہارے مخالفین اب بھی ہمارے لئے بہت کام کر رہے ہیں. وہ اب امریکی ڈالر اور سعودی ریالوں کو بھی ہمارے افسروں کے ساتھ شیئر کرتے ہیں، تم تو سوکھی گائے ہو اور سوکھی گائے کو لوگ قصاب پر فروخت

کرتے ہیں۔ واقعاً کہ ہمیں امریکیوں پر فروخت کرنے کیلئے قید کر رکھا تھا اور بالآخر ان ہی پر فروخت کیا۔ اس دوران ایسا وقت بھی آیا کہ دو تین ہفتوں تک ہم سے پوچھنے اور ملنے کیلئے کوئی نہ آتا تھا۔ صرف ایک پنجابی پہرے دار ہمارے سامنے کھڑا ہوتا تھا۔ رفع حاجت بھی ہم پینٹ کے ایک ڈبے میں کرتے تھے جو پنجابی پہرہ دار ایک دن بعد ہمارے ذریعے اٹھا کر باتھ روم میں خالی کرتا تھا۔ کبھی کبھار چند روز بعد ہمیں باتھ روم جانے کی اجازت ہوتی، بعض کمروں میں قید افراد پر میری نظر پڑ جاتی تھی لیکن ان کے ساتھ بات کرنے کی اجازت نہ تھی ، بعد میں معلوم ہوا کہ ان میں اکثریت عرب قیدیوں کی تھی۔

جب میں اپنے بڑے بھائی مسلم دوست صاحب اور عبدالحلیم ہمت کے بارے میں پوچھتا تھا تو وہ کہتے تھے کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہیں۔ مگر میں انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ ایک دن ایک افسر ہاتھوں میں کاغذ پکڑے ہوئے میرے کمرے میں داخل ہوا اور کہا کہ باہر آ جاؤ۔ جب میں باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ مجھے قریب کے کمرے میں قید عرب قیدیوں کی ترجمانی کیلئے لے جا رہے ہیں۔

تین عرب قیدیوں میں دو نے کہا کہ ہم افغانستان میں رہائش پذیر تھے اور اپنے ملک سے ہجرت کی ہے۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ آئی ایس آئی کے افسر نے کیا لکھا تیسرے عرب نے کہا جس کا نام عیسیٰ تھا کہ میں بحرین کا باشندہ ہوں کراچی کے آغا خان ہسپتال میں اپنی کمر کے علاج کیلئے پاکستان آیا ہوں اس کے پاس پاسپورٹ بھی تھا اور اس میں بھی یہی بات لکھی گئی تھی، آئی ایس آئی کے افسر نے جو کاغذات زمین پر رکھے ہوئے تھے ان پہ لکھا تھا کہ عیسیٰ طالبان کے ساتھ تعاون کیلئے افغانستان گیا تھا، میں حیران ہو گیا، میں حیرانی کی حالت میں تھا کہ عیسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر کاغذات افسر سے چھین لئے اگرچہ وہ انگریزی ٹھیک طور پر نہیں بول سکتا تھا، مگر پڑھ سکتا تھا وہ سمجھ گیا کہ افسر نے اس کے بارے میں جھوٹ اور غلط بات لکھی ہے، عیسیٰ نے افسر سے پوچھا کہ کیا میں طالبان کے ساتھ مدد کیلئے افغانستان گیا ہوں؟ افسر نے اسے کہا کیا تم انگریزی جانتے ہو؟

عیسیٰ نے جواب دینے کی بجائے کاغذ کو پھاڑ ڈالا۔ اور اسے کہا کہ میں اس وقت تک تمہارے سوالوں کا جواب نہیں دوں گا جب تک کہ تم میرے اور میرے پسند کے وکیل کے سامنے میرے جواب نہ لکھو افسر نے طیش میں آ کر کہا: دیکھتے جاؤ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔ مجھے بھی وہاں سے نکال کر اپنے کمرے میں لایا اور غضب سے باہر کیطرف دروازے کو بند کر کے چلا گیا۔ پھر ہم نے عیسیٰ کو بگرام میں دیکھا جو

ہم سے پہلے وہاں پہنچادیا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ "تیرے ساتھ کیا سلوک کروں گا" کا مطلب کیا تھا؟

جن عربوں کو میں نے پشاور میں آئی ایس آئی کی جیلوں میں دیکھا میں نے ان میں سے اکثر کو باگرام، قندھار اور گوانتانامو جیل میں دیکھا لیکن ایک عرب کو جو زخمی بھی تھا اور بعد میں دوسرے عربوں نے کہا کہ وہ بھی تورابورا میں ہمارے ساتھ تھا، پشاور کے علاوہ کہیں نہ دیکھا۔ اگرچہ پشاور میں بھی آئی ایس آئی کے افسروں نے بتایا تھا اور پھر گوانتانامو میں بھی اس خبر کی تصدیق ہوگئی کہ بعض عرب جن کے پشت پر بڑے گھرانے کھڑے تھے سیاسی اثر ورسوخ اور خطیر رقم کے عوض اپنے رشتہ داروں کو آئی ایس آئی اور شمالی اتحاد کے چنگل سے نجات دلا دی یا پھر حکومتوں کے اپنے بندے تھے جو مجاہدین کے بھیس میں ان کی صفوں میں داخل کیئے گئے تھے مشکل وقت میں انہیں نکال لیا، اس عرب کے بارے میں جو کہ میرے کمرے سے پیچھے قید تھا اور پھر غائب ہوگیا تھا۔ آئی ایس آئی کے چھوٹے افسروں اور پھر عربوں نے کہا کہ اس کے پیچھے سعودی سفارتخانے سے کچھ لوگ آئے تھے اور اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ آئی ایس آئی کے افسر نے ایک رات پہلے کچھ عربوں کو پشاور کے ہوائی اڈے میں امریکیوں کے حوالے کیا اور بتایا کہ ہم صرف ان لوگوں کو امریکیوں کے حوالہ کرتے ہیں جو یتیم ہیں۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نہ آئی ایس آئی سے تعلقات رکھتے ہیں اور نا ہی امریکہ سے، نہ اپنی حکومتوں کے آدمی ہیں اور نہ ہی ان کے پاس پیسے ہیں وہ سوکھی گائے کی مانند ہیں اور قصابوں پر فروخت کیئے جاتے ہیں وہی لوگ یتیم ہیں۔

پاکستانی اور افغانی منافقین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ وہ بھی اپنے امریکی اور آئی ایس آئی کے آقاؤں کو صرف وہی اشخاص حوالہ کرتے تھے جن کے پاس پیسہ نہ ہوتا تھا۔ البتہ حکومتوں کے بندے تو پہلے سے ان کی حفاظت میں ہوتے تھے۔ پاکستان نے افغانستان پر امریکی حملے سے پہلے اپنی اہم فوجی شخصیات، اور طالبان میں اپنے طالب ایجنٹوں کو نکال لیا، طالبان کے بعض بڑوں نے گوانتانامو میں بتایا کہ پاکستان نے اپنی اہم شخصیات کو نکالنے کیلئے طیارے بھی بھیجے تھے اور باقی ماندہ افراد کو حتی المقدور مدد بھی پہنچاتے تھے۔ شمال میں گرفتار کے گئے پاکستان کے آئی ایس آئی کے چھوٹے افسر زا اپنی حکومت کو گالیاں دیتے تھے کہ بڑے افسروں کو تو طیارے میں لے گئے مگر ہمیں یہاں چھوڑ دیا۔ اس کے بارے میں مزید معلومات آگے آئیں گی۔ اب ہم ایکبار پھر آئی ایس آئی کی کال کوٹھڑیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

جن دنوں میرے کمرے میں کوئی بھی افسر نہ آتا تھا تو ان دنوں میں میں نے تین دن تک بھوک ہڑتال کی، ویسے بھی جلی ہوئے روٹی اور مسالہ دار جلے ہوئے سالن نے میرے خراب معدے کو مزید خراب کر دیا تھا۔ بہت کم کھاتا تھا اور میرا وزن دن بہ دن کم ہوتا جا رہا تھا۔ مسلم دوست صاحب جو کہ گھر میں ہر طرح کے ڈالڈا گھی کھانے سے اجتناب کرتے تھے اور چربی یا دیسی گھی کھاتے تھے ایک مہینے تک دودھ اور دہی کھایا کرتے تھے لیکن جب وہ بہت ضعیف اور کمزور پڑ گیا تو مجبوراً وہ بھی آئی ایس آئی کے جلے سڑے سالن اور چپاتی کھانے پر مجبور ہوا، کھانا جیسا بھی تھا لیکن اسے ویسے بھی مسالے پسند تھے۔

پہرہ داروں نے میری بھوک ہڑتال کے متعلق افسروں کو اطلاع دی، ایک افسر نے آ کر مجھے بتایا کہ تمہاری یہ بھوک ہڑتال کچھ بھی فائدہ نہ دے گی یہاں تمہارے جیسے بہت سے افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور ہم نے نہروں میں پھینک دئے ہیں، جب میں نے اپنی بھوک ہڑتال کو جاری رکھا تو ایک پنجابی افسر آیا اور مجھ سے پوچھا کے تم نے بھوک ہڑتال کیوں کی ہے؟ میں نے کہا۔ ہم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہیں ہمارے ساتھ انصاف کیوں نہیں ہو رہا ہے۔

آئی ایس آئی: اس نے کہا تمہارا کیا جرم ہے؟

بدر: میں نے کہا ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر ہم نے کوئی جرم کیا ہے تو ہمیں بتا دیں۔

آئی ایس آئی: اس نے کہا طالبان آپ کے favorite (پسندیدہ) ہیں۔

بدر: طالبان تو ہم سے زیادہ تمہیں اپنے سیاسی مقاصد کے لئے پسند ہیں۔

آئی ایس آئی: اس نے مسکراہٹ کے لہجے میں کہا ایسی بات مت کہا کرو۔

بدر: سچ بات تو یہی ہے کہ جب امریکی ڈنڈا سر پہ آ پہنچا تو آئی ایس آئی نے اپنے کرتوتوں سے انکار کیا، پھر ملا عبدالسلام ضعیف اور ملا خیر اللہ خیر خواہ کو امریکہ کے حوالہ کر کے اپنے نمبر بڑھا دیئے۔ اور مولوی کبیر کیطرح ایجنٹوں کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔

ہم آئی ایس آئی کے سیلوں میں دو مہینے اور بائیس دن رہے۔ اس دوران آئی ایس آئی کے افسروں کی زبانوں سے بعض حقائق بھی ظاہر ہوتے تھے۔ ان میں سے کئی بار میرے سامنے اظہار مافی الضمیر کرتے تھے۔ جب میں بار بار ان سے پوچھتا تھا کہ ہمارا فیصلہ کیوں نہیں ہوتا ہے تو وہ کہتے تھے کہ ڈالروں کو تو ہضم ہونے دو۔ اور کبھی کبھار کہہ دیتے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہی آپ کو نجات دے یہاں کوئی بھی کسی کے کام نہیں آتا ہر کسی

کے پاس ڈالر کا غم ہے.

آئی ایس آئی: ایک دن ایک افسر نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم اس وقت کہاں ہو؟

بدر: میں نے کہا آرمی سٹڈیم کے قریب.

آئی ایس آئی: اس نے کہا بہت تیز ہو.

بدر: اس میں تیزی کی کونسی بات ہے، تمہارے بدنام زمانہ دفتر کا پتہ کس کو معلوم نہیں؟ میں تو پشاور میں چھوٹا بڑا ہو گیا ہوں.

آئی ایس آئی: ہم تو تم کو یہاں ایسی حالت میں لائے تھے کہ تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی. تم کیسے جانتے ہو کہ یہ آرمی سٹیڈیم کے قریب ہے؟.

بدر: میں نے کہا کیا تم یہ آوازیں سنتے ہو؟

آئی ایس آئی: کونسی آوازیں؟

بدر: ان لوگوں کی آوازیں جو آرمی سٹڈیم کے تفریح گاہ میں بڑے جھولوں سے آتے ہیں اور شام کے وقت یہ آوازیں اور بھی تیز ہوتی ہیں.

آئی ایس آئی: کسی اور کو یہ بات مت بتاؤ.

بدر: اس شور کے علاوہ اسی تعمیر کو چھوٹی بڑی گاڑیوں کی آمدورفت اور ان کی ریورس گیر کے خصوصی ہارن سے جن کی آواز بہت کم ہے میرے کان آشنا ہو چکے تھے. بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ اسی عمارت میں گاڑیوں کا سروس اسٹیشن بھی ہے کیوں کہ ان مجرموں کی بغیر نمبر پلیٹ گاڑیوں کی مرمت اور دھلائی بھی خاص جگہ پر ہوتی ہے تا کہ دوسرے لوگوں کو شک وشبہہ پیدا نہ ہو جائے اس کے علاوہ جس کمرے میں ہم قید تھے اس کے پیچھے ایک کچن بھی تھا جہاں سے روٹیاں پکاتے وقت ٹپ ٹپار کی آوازیں سنائی دیتی تھی. ایک بار پہرہ دار نے مجھے بتایا کہ اسی کچن سے ارگرد کے کمروں کو بھی غذا مہیا کی جاتی ہے، باورچی خانے سے موسیقی کی آواز بھی سنائی دیتی تھی جو اکثر پنجابی گانے ہوتے تھے اور بار بار سننے میں آتے. باورچی خانے میں موجود افراد ایک دوسرے کا نام نہیں لیتے تھے. اس کا اندازہ ہمیں اس طریقے سے لگا کہ وہ آواز دیتے وقت، ہیلو، آؤ میری جان اور

گالیاں دے کر آپس میں باتیں کرتے تھے. ایک بار میں نے پہرہ دار سے پوچھا کہ یہ لوگ کیوں یہ گندے الفاظ بار بار استعمال کرتے ہیں؟ حتی کہ اپنی آوازوں کو بھی بدل دیتے ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہاں ہمیں نام لینے کی اجازت نہیں اس لئے ہم یہی الفاظ استعمال کرتے ہیں. آئی ایس آئی کے انہی بداخلاق ریچھوں نے اپنے پڑوسی افغانستان کو تباہ کر دیا......

وقت گذرتا گیا بالآخر وہ رات آ پہنچی کہ آئی ایس آئی کے ایک انسپکٹر جو ہر وقت ہمارے قریب آیا جایا کرتا تھا. ہمارے کمرے میں داخل ہوا اور مجھے کہا کہ آج ہمارے کچھ افسر اسلام آباد سے آرہے ہیں اور تم سے تفتیش اور پوچھ گچھ کریں گے. یہی انسپکٹر جو میرے اور پہرہ دار کے درمیان پاگل شیخ کے نام سے مشہور تھا آج بہت گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا. معمول سے اس کی آنکھیں زیادہ باہر نکلی تھی، میری مکمل تلاشی لے لی اور مجھے کہا کہ میں کچھ دیر بعد آؤں گا.

عشاء کے بعد یہ پاگل شیخ اور وہ لمبا پنجابی آیا جو پختونوں کیطرح واسکٹ اور پکول پہنا کرتا تھا. شکل سے پختون معلوم ہوتا تھا لیکن پشتو زبان نہیں بول سکتا تھا. اسی لمبے پنجابی کو میں نے اپنے گھر کے سامنے چھاپہ مارنے سے ایک دن پہلے سرکاری گاڑی میں دیکھا تھا. اس نے مجھے کمرے سے نکالا اور میری آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی، ہاتھوں کو بھی ہتھکڑیاں پہنائی. اور تحقیق کے نام سے مجھے روانہ کیا، اس بار پاگل شیخ اور اس لمبے پنجابی کی آنکھیں کچھ زیادہ شرمسار تھیں میرے ساتھ بالکل بات نہ کی، مجھے گاڑی میں بٹھادیا یہ گاڑی بھی اسی بغیر نمبر پلیٹ لینڈ کروزر کی طرح تھی جس میں ہمیں گھر سے گرفتار کرکے یہاں لایا تھا اور تحقیق کیلئے لے جاتے تھے. اس بار بھی تحقیق کے نام پر ہمیں پشاور کے ہوائی اڈے کیطرف روانہ کیا گیا. اگرچہ آئی ایس آئی کے اہلکاروں نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے بڑے بھائی اور ہمت کو رہا کر چکے ہیں لیکن مجھے یقین نہ آتا تھا. لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ انہیں واقعی رہا کر دیا ہے. یہ امر یقینی نہ تھا کہ ہمیں امریکہ کے حوالے کریں گے مگر پھر بھی مجھے شک ہو چکا تھا. لیکن میرے دل میں یہ بات آتی تھی کہ اگر ہمیں واقعتاً امریکہ کے حوالہ کریں گے تو ہمارے سروں پر سیاہ خریطہ (لمبا تھیلا جو منہ پر چڑھایا جاتا ہے) پہنائیں گے مگر وہ ابھی تک ہمیں نہیں پہنایا تھا. اسی وجہ سے میرا دل قدرے مطمئن تھا. کالے تھیلے سب سے پہلے عربوں کو امریکہ کے حوالے کئے جاتے وقت ان کو پہنائے جاتے. مجھے اپنے لباس شلوار قمیص اور پکول میں روانہ کیا. بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مجھے یہ خریطہ اس لئے نہیں

پہنایا گیا تھا کہ انہیں جہاز آنے کے بارے میں یقین نہ تھا.

ہمارے سیلوں سے تفتیشی دفتر تک پانچ منٹ کا اور ہوائی اڈے تک دس منٹ کا فاصلہ ہے مگر ان ظالموں نے ہمیں اسی رات ۴۵ منٹ تک مال روڈ پر گھمایا اور بالاخر ہوائی اڈے میں داخل ہوئے میں ابھی تک نہیں جانتا تھا کہ ہم کہاں ہیں فروری کا مہینہ اور شدید سردی کا موسم تھا. گاڑی میں ھیٹر لگا تھا گاڑی کے شیشے تو پہلے سے اس لئے بند تھے کہ ہم باہر کی آواز نہ سن سکیں جب ہوائی اڈے میں ہماری گاڑی سے ایک آدمی اترا جہازوں کی آوازیں ہم نے سنیں. گاڑی میں بٹھاتے وقت مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلم دوست صاحب کو بھی اسی گاڑی میں بٹھایا گیا ہے. گاڑی میں بٹھاتے وقت مسلم دوست صاحب کی آواز میں نے سنی تھی. لیکن ہمیں آپس میں بات کرنے کی اجازت نہیں تھی. مجھے اور مسلم دوست صاحب کو آمنے سامنے بٹھایا تھا. ا یکبار میرے ہاتھ ان کے ہاتھوں سے لگ گئے اور مجھے معلوم ہوا کہ اس کے ہاتھوں کو بھی ہتھکڑیاں پہنائی گئی ہیں.

ہمارے قریب پاگل شیخ اور پختون نما پنجابی کو بٹھایا گیا تھا. وہ بھی آپس میں بات کرنے سے منع کئے گئے تھے. لیکن جب ہوائی اڈے میں آگے سیٹ میں بیٹھا ہوا افسر اتر گیا تو یہ دونوں آپس میں کچھ بولنے لگے ہم نے ان کی آوازوں کو پہچان لیا. اس وقت میں نے اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر سر کھجانے کے بہانے سے آنکھوں سے پٹی کو تھوڑی سا سرکایا میں نے دیکھا کہ پاگل شیخ اور پختون نما پنجابی بیٹھے ہیں گاڑی سے باہر روشنی تھی مگر گاڑی کا شیشہ شبنم کے قطروں سے آبگین تھا. میں نے دیکھا کہ گاڑی کے ایک شیشے پر پختون نما افسر نے لکھا.

" کیا یہ طالبان ہیں؟"

پاگل شیخ نے نہیں میں جواب دیا. اس نے دوبارہ لکھا: شاید آج جہاز نہ آئے. پھر پاگل شیخ نے حیرت کا اشارہ کیا. اب ہمیں یقین آگیا کہ شاید ہم جہاز کا انتظار کر رہے ہیں. میں نے اپنے پاؤں کے ذریعہ مسلم دوست صاحب کے پاؤں پر زور ڈالا اور کہا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا حالات ٹھیک نہیں ہے. پھر کہا یہ ہوائی اڈہ ہے اور ہمیں امریکیوں کے حوالہ کر رہے ہیں. اس کی بات بالکل صحیح تھی. لیکن میں حیران تھا کہ آخر ہمیں کیوں امریکیوں کے حوالہ کریں گے. پاگل شیخ اور پختون نما پنجابی ہماری باتیں سن رہے تھے مگر ہمیں منع نہ کرتے تھے کیونکہ یہ بے غیرت لوگ ہمارے سامنے بہت شرمسار تھے. ہمیں تو بات کرنے کی اجازت ہی نہ تھی لیکن انہیں بھی بات کرنے کی اجازت نہ تھی، مگر ہماری خوش بختی یہ تھی کہ ہمیں باتیں کرنے کا موقع ملا کیونکہ پہلی سیٹ میں بیٹھے ہوئے بڑا افسر گاڑی سے اتر کر ہوائی اڈے کے اندر رن وے پر آئی ایس آئی کے دوسرے

افسروں اور کرنیلوں کے جمگھٹے میں شریک ہو چکا تھا. اگر چہ بند گاڑی میں طیاروں کی آوازیں سنی جاتی تھی مگر ایک جہاز کی آواز آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ جہاز ہماری طرف قریب ہو رہا ہے، اس وقت ہماری گاڑی کے پیچھے کا دروازہ کھل گیا اور ہمیں کہا گیا کہ نیچے آؤ.

ہمیں بازوؤں سے پکڑ کر نیچے اتارا. چونکہ میں نے پہلے سے سیاہ نیٹ ورک کی کالی پٹی کو اپنی آنکھوں سے تھوڑی سا ہٹایا تھا تو میں نے دیکھا کہ جہاز سے امریکی فوجی اتر رہے تھے جن کے ساتھ غیر سرکاری لباس پہنے ہوئے افراد بھی شامل تھے .اس وقت میں نے مسلم دوست صاحب کی آواز سنی جو بتا رہے تھے "تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ ہمیں امریکیوں کے حوالے کر رہے ہو؟. قیامت کے دن اللہ کے حضور میں کیا جواب دو گے؟" مجھے ایک آدمی نے بازو سے پکڑ کر امریکی فوجیوں کیطرف روانہ کیا انہیں حوالہ کرتے وقت مجھے کہا: "چلو اللہ تمہارے ساتھ ہے". میں نے جواب میں بلند آواز سے کہا: " کیا آپ بھی اللہ پر یقین رکھتے ہیں اللہ میرے ساتھ تو ہے لیکن بہت جلد اللہ تعالی آپ کو ذلیل کر کے دکھائے گا". امریکی فوجیوں نے مجھے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا پہلے میری آنکھوں پر بندھی ہوئی سیاہ پٹی کو ہٹایا اور فوراً ایک بوری میرے سر پر چڑھائی. بوری سے کیمیکلز کی بو آرہی تھی .اسی اثنا میں میں نے چند سیکنڈوں میں امریکی کمانڈو اور رسیوں سے پکڑے ہوئے کتے اور ان کے وفادار حقیقی کتوں کو اکٹھے کھڑے دیکھا. جہاز کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا اور جہاز کے دونوں جانب امریکی فوجی قطار میں کھڑے تھے .صرف وہی چند فوجی جو ہمیں پکڑنے اور سروں پر بوری پہنانے کیلئے مامور تھے اپنے پرائیوٹ لباس والے افسروں کے ساتھ ہمارے سامنے کھڑے تھے. زنجیروں میں بندھے ہوئے ان کے کتے بھونکتے تھے اور آئی ایس آئی کے انسان نما کتے ہمیں خاموشی سے دیکھتے تھے .آئی ایس آئی کے کرنل اور جرنیل امریکی فوجیوں کے سامنے نیت باندھتے ہوئے با ادب کھڑے تھے. ہمارے ساتھ دو جیپیں اور ایک فوجی ٹرک میں تعداد فوجی آئے تھے ایک بڑا میلہ لگا ہوا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اسامہ بن لادن کو حوالہ کرنے کی محفل سجائی گئی ہے .امریکیوں نے ہمارے سروں پر بوری پہنانے کے بعد ایک مضبوط سلوشن ٹیپ سے اسے باندھا. اس کے بعد امریکی فوجیوں نے میرے ہاتھوں سے آئی ایس آئی کی آہنی ہتھکڑی کھول دی، اور کھولنے کے بعد فوراً میرے ہاتھوں کو پیچھے کی طرف سے پلاسٹک سے بنی ہوئی ہتھکڑی سے باندھ دیا. پھر مجھے زمین پر گرا دیا. انہوں نے یہ کام بہت سرعت کے ساتھ کیا جن میں خوف کا عنصر زیادہ تھا. زمین پر لٹانے کے بعد زور زور سے چیخیں مارنا شروع کی. اور Don't move "حرکت مت کرو" کی

آوازیں بھی تیزی سے نکالتے تھے۔ مجھے زمین پر الٹ پلٹ کر کے میری تلاشی لے لی۔ لیکن کچھ بھی حاصل نہ کیا۔ ہمارے گھر کا تو آئی ایس آئی والوں نے پہلے سے صفایا کیا تھا۔ لیکن میرے ہاتھ میں صرف ایک راڈو گھڑی بچی ہوئی تھی اسے بھی آئی ایس آئی کے چوروں نے ہوائی اڈے پر آنے سے پہلے مجھ سے چھین لیا۔ وہ تو اب مطمئن ہوگئے تھے کہ ہم ہمیشہ کیلئے اوجھل ہوگئے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ملا عبدالسلام ضعیف سے بھی چھ لاکھ کی گھڑی چھین لی گئی تھی۔ گوانتا ناموجیل میں ضعیف صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ گھڑی مجھے کسی نے تحفے میں دی تھی۔ اس نے گھڑی کے بارے میں امریکیوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آئی ایس آئی والوں ہمیں نہیں دی ہے۔

ملا ضعیف صاحب کو ہماری گرفتاری کے بعد اسلام آباد سے پشاور لایا گیا تھا اور پشاور میں تین دن مہمان بنا کر چوتھے دن پشاور کے ہوائی اڈے میں امریکیوں کے حوالہ کیا گیا تھا۔ امریکیوں نے ملا ضعیف کو اس کے "دوستوں" کے سامنے برہنہ کر کے جہاز میں سوار کیا اور بحری بیڑے میں منتقل کیا تھا وہاں سے بگرام، قندھار اور وہاں سے کیوبا منتقل کیا تھا۔ لیکن آئی ایس آئی کا جھوٹا اخباری بیان یہ تھا کہ ضعیف صاحب کو طورخم باڈر سے اس پار چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات آگے آرہی ہے۔ حال ہی میں مسلم دوست صاحب کی دوبارہ گرفتاری کے بعد خفیہ ایجنسیاں اور کٹھ پتلی ایجنٹ چاہتے تھے کہ اسے ہمیشہ کیلئے غائب کر دے تو اخبار میں بیان دیا کہ مسلم دوست صاحب جو کہ قیمتی پتھروں کا ایک تاجر ہے کو کسی نے اغواء کیا ہے۔ لیکن سب جانتے تھے کہ آج کل کے سب سے بڑا اغواء کار کون ہے۔

ہم پشاور ائیر پورٹ پر تھے تلاشی کے بعد دو فوجیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر تیزی سے جہاز کی طرف روانہ کیا۔ بندھے ہوئے پاؤں سے تیز چلنا میرے لئے پہلا تجربہ تھا۔ آنکھیں بند تھی لیکن مجھے اتنا پتہ چلا کہ بلندی کیطرف جارہا ہوں جہاز میں پہنچانے کے بعد مجھے جہاز کے فرش پر بٹھا دیا۔ مجھے پتہ چلا کہ میرے قریب دو افراد اور بھی ہیں۔ مسلم دوست صاحب کے بارے میں تو مجھے پہلے سے علم تھا کہ وہ میرے ساتھ ہے لیکن ایک اجنبی آواز بھی آرہی تھی کہ میری سانس ڈوب رہی ہے۔ ہائے میں مر گیا! میں نے یہ آواز کئی بار سنی لیکن نہیں جانتا تھا کہ یہ آواز کس کی ہے؟ اس وقت مسلم دوست صاحب نے مجھے آواز دی کہ ان فوجیوں کو بتاؤ کہ اس شخص کی سانس ڈوب رہی ہے۔ سانس تو ہماری بھی ڈوب رہی تھی لیکن ہم شکایت نہیں کرتے تھے۔ میں نے امریکی فوجی کو بتایا کہ وہ سانس نہیں لے سکتا ہے He cannot breath. فوجی پہلے سے زیادہ

چلائے اور کہا. Be quite چپ ہوجاؤ. Don't move ہلنا مت، your fucking mouth Shut اپنی.....زبان بند رکھو. یہ الفاظ تین بار چلاتے ہوئے دھرائے. جب میں نے دوسری بار شکایت کی تو امریکی فوجی نے کہا. You will get used to it "تم اس کے عادی ہو جاؤ گے". اس جملے کے ساتھ وہ ہمیں ڈرانے کیلیئے کتے کو ہمارے قریب لے آیا جو بالکل ہمارے منہ کے سامنے بھونکتے تھے اور ہم پر حملہ کرتے تھے. جہاز میں بہت شور تھا اور بات بہت مشکل سے سنی جاتی تھی. میں نے ایک جملہ بھی سنا: .The fucking dog knows that a fucking military action is going on یہ....کتا جانتا ہے کہ ایک....فوجی آپریشن جاری ہے. بعد میں مجھے پتہ چلا کہ امریکی Fucking کے الفاظ زیادہ بولتے ہیں جس سے ان کی اخلاقی پستی اور گراوٹ معلوم ہوتی ہے.

جہاز میں سوار کرتے اور وہاں بٹھانے کے وقت کثرت سے تصویریں کھینچی جاتی تھی، کیوں کہ ہم بار بار فلیش کی روشنی کو محسوس کرتے تھے. ہمیں طیارے کے فرش پر ایسا باندھا کہ نہ بیٹھے تھے اور نہ ہی لیٹے ہوئے تھے بلکہ معلق حالت میں تھے. بندھے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں کے باوجود، پاؤں، پیٹ اور کمر پر ایسی لمبی پٹیاں باندھ لی جو پاؤں اور کمر تک ۱۳۵ زاویہ پر آ گئی. اگر بیٹھنے کی کوشش کرتے تو ہمیں لاتیں مارتے تھے اور اگر لیٹنے کی کوشش کرتے تو پھر بھی ہم پر مکّوں اور لاتوں کی بارش شروع ہو جاتی. ہم پر یہ پریکٹس آدھی رات کے وقت شروع کی گئی کہ کوئی بھی مسلمان حتی کہ ہمارے گھر والوں کو بھی محسوس نہ ہو رہا تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے. خفیہ اداروں کے یہ مجرم آدھی راتوں میں جرائم کرتے ہیں تا کہ ہر قسم کے قانون کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو. ہمارے طیارے نے بھی آدھی رات کے وقت پرواز کی اور میں نے اپنے تصور میں ہمیشہ کیلیئے امریکی طیارے کے پیچھے تمام پختونخواہ اور اپنے گھر والوں سے الوداع کیا. طیارہ اپنا سفر جاری رکھا ہوا تھا اور میں اس فکر میں تھا کہ ہم سیدھا کیوبا کیطرف جا رہے ہیں کیوں کہ ہم نے آئی ایس آئی کے اہلکاروں سے سنا تھا کہ عربوں کو حوالہ کرنے کے بعد سیدھا کیوبا منتقل کیا جاتا ہے. میں نے یہ بھی سنا تھا کہ امریکی قیدیوں کو اپنے سمندری بیڑے میں رکھتے ہیں. خیالی طور پر میں خود کو بھی بیڑے میں پڑا ہوا محسوس کر رہا تھا اور کبھی گوانتانامو جیل میں. میں اتنا جانتا تھا کہ جہاز ہر گھڑی اوپر کیطرف جا رہا ہے، میں نے یہ بھی سنا تھا کہ کیوبا تک ۲۰ گھنٹوں کا سفر ہے. تقریبا ڈیڑھ گھنٹے کے بعد طیارے نے نیچے کیطرف اترنا شروع کیا اور بالاخر ائیرپورٹ میں اترنے کے جھٹکے میں نے محسوس کئے طیارہ کھڑا ہوا اور ہمیں طیارے سے نیچے اتارا گیا. اب

میں قلم مسلم دوست صاحب کے حوالہ کرتا ہوں. وہ کہتے ہیں:

تشدد کی کہانی مسلم دوست کی زبانی

مختصر یہ کہ ہم نے تقریباً تین ماہ آئی ایس آئی کی خفیہ جیل میں گذارے ان تینوں مہینوں میں ہم نے سورج کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور ہماری صحت دن بہ دن خراب ہوتی جارہی تھی. ہمارے خاندان کے لوگ کچھ دن بعد جان گئے تھے کہ آئی ایس آئی نے ہمیں اپنے مربع خبیثہ کی کٹھ پتلیوں حیات اللہ، روح اللہ، ولی اللہ اور سمیع اللہ کے کہنے پر پکڑلیا ہے. انہوں نے بہت کوشش کی تھی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا. اس کے علاوہ آئی ایس آئی کے ایک افغانی غلام نے میرے ایک مخلص دوست سے ۲۷۰۰۰۰ (دولاکھ ستر ہزار) پاکستانی روپیہ اس بہانے پر وصول کئے تھے کہ آئی ایس آئی کے افسروں کو رشوت دیں گے تاکہ دونوں بھائیوں کو رہا کرے. ہمارے بھائیوں سے بھی بہت سی چیزیں آئی ایس آئی کے افسروں کو تحفہ میں دینے کیلئے لیتے رہے ہیں، اور انہیں مسلسل دھوکے میں رکھ کر بتایا گیا کہ آج فلاں افسر کو دیکھا ہے اور کل فلاں افسر کے ساتھ ملاقات ہوگی اور عنقریب جیل سے رہا ہوجائینگے. جب ہمیں بگرام اور پھر قندھار پہنچایا گیا تو اس بدبخت سیاہ نیٹ ورک والوں کو پتہ بھی نہیں تھا کہ ہمارے گھر کے لوگ اس بات سے مطلع ہو چکے ہیں کہ ہمیں قندھار پہنچایا گیا ہے. ہمارے بھائیوں نے ہمیں بتایا کہ وہ ہمارے گھر آکر کہتے تھے کہ انہیں کوہاٹ منتقل کیا گیا ہے حالانکہ ہم پشاور سے باگرام اور پھر کیوبا منتقل کئے گئے تھے.

آئی ایس آئی کے ایک اور کٹھ پتلی نے ہمارے چھوٹے بھائی حاجی مسیح الزمان سے پانچ لاکھ روپے اس بہانے سے وصول کئے کہ میں تمہارے بھائیوں کے نام اس لسٹ میں شامل کرونگا جو حکومت پاکستان کی سفارش سے کیوبا جیل سے رہا ہونگے. اس دوران ہمارے اقرباء اور دوست کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ہمیں آئی ایس آئی کے چنگل سے رہائی دلادیں مگر آئی ایس آئی کے غلام اور بغل بچے ہمارے خلاف جھوٹی اور من گھڑت رپورٹیں مہیا کرتے تھے. آئی ایس آئی کے چھوٹے اہلکاروں نے ہمارے اقرباء اور دوستوں کو بتایا تھا کہ ہمارے جرنیلوں اور کرنیلوں کو شراب اور لڑکیوں کی ضرورت ہے اور تمہارے مخالف گروہ **جماعة الدعوة** کے لیڈرز انہیں یہ سب چیزیں مہیا کرتے ہیں ان کے لئے گلم جم دوشیزائیں لاتے ہیں اور ان کے ہر حکم پر لبیک کہتے ہیں. آئی ایس آئی کے چھوٹے اہلکاورں نے ہمیں وہ اصل اسناد بھی دکھائیں جو کہ ہمارے خلاف

امریکیوں کو مہیا کر رکھی تھی. جن میں سمیع اللہ نجیبی، روح اللہ، حیات اللہ، ولی اللہ اور دوسرے اعداء اللہ کے کتبی، سمعی، اور مرئی شہادتیں اور گواہیاں تھیں، انہوں نے لکھا تھا کہ یہ دونوں بھائی القاعدہ، طالبان، حزب اسلامی اور دیگر دہشت گرد تنظیموں سے روابط رکھتے ہیں ان کے گھر میں نوٹ چھاپنے کی مشین، طرح طرح کا ہتھیار اور سیٹلائٹ فون موجود ہیں. آئی ایس آئی کے بعض سینئر افسروں نے ہمیں بتایا کہ آپ ہمیں بھاری رشوت دیجئے تاکہ ہم اوپر بیٹھے ہوئے افسروں کو پیش کریں اور تمہیں رہائی مل جائے گی. لیکن ہم نے رشوت دینے سے انکار کر دیا اور بتا دیا کہ رشوت تو مجرم لوگ دیتے ہیں. الحمد للہ ہم مجرم نہیں، ہم اپنے پاک ہدف کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں.

بالاخر ۳۰/۱۱/۱۱۳۳ھ ق، ۸/۲/۲۰۰۲م سال میں آئی ایس آئی کے ایک مجرم اہلکار نے ہمارے کمرے میں داخل ہو کر ہماری آنکھوں کو سیاہ پٹی سے ڈھانپ دیا ہمارے پاؤں اور ہاتھوں میں بیڑیاں پہنائی، کالے شیشوں کی گاڑی میں مجھے اور میرے بھائی کو سوار کیا. ہمیں کہا کہ تمہیں پوچھ گچھ کیلئے لے جا رہے ہیں. میری آنکھوں کی پٹی میں تھوڑی سی جگہ خالی رہ گئی تھی جس سے میں نے دیکھا کہ پشاور کے ہوائی اڈے میں گاڑی داخل ہوئی. ہم گاڑی میں بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے. گاڑی کے شیشے بند تھے سردی کی وجہ سے شیشے شبنم خوردہ اور نمناک تھے. گاڑی کے پچھلے شیشے پر اندرونی طرف سے آئی ایس آئی کے ایک اہلکار نے اپنی انگلی سے لکھا کہ (کہ شاید آج جہاز نہ آئے) وہ اس لئے باتیں نہیں کرتے تھے کہ کہیں ہم نہ سنیں، وہ مطمئن تھے کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھی گئی ہے اور ہم نہیں دیکھ سکتے لیکن ہم ایک خالی جگہ سے آنکھ کے ایک کونے سے سب کچھ دیکھ رہے تھے کچھ دیر بعد امریکی طیارہ ہوائی اڈے میں اترا جب ہم نے طیارے کی آواز سن لی اور ہوائی اڈے اور امریکی طیارے کو دیکھ لیا تو سمجھ گئے کہ ہمیں امریکیوں کے حوالہ کیا جا رہا ہے. میں نے پنجابیوں کو اردو میں بتایا کہ بزدل اور بے غیرت ظالموں! قیامت کے دن اللہ کے سامنے کیا جواب دو گے؟ میری ان کے ساتھ یہ آخری بات تھی. استاد بدر کو کہا کہ ہمیں امریکیوں کے حوالہ کر رہے ہیں، گاڑی بالکل طیارے کے قریب کھڑی تھی ہمیں گاڑی سے نیچے اُتارا اور امریکی کمانڈو کے حوالہ کیا. یوں اسطرح تاریخ کی بے مثال بے غیرت آئی ایس آئی کے بزدلوں نے ہمیں امریکیوں پر فروخت کر کے ڈالروں سے اپنی تجوریوں کو بھرا.

یوں ظلم وستم کی ایک اور داستان شروع ہوئی.

پشاور کے ہوائی اڈے میں امریکیوں کے مظالم

امریکی فوجیوں نے پہلے ہماری تصویریں لیں، فلیش کی روشنی سے محسوس ہورہا تھا کہ وہ ہماری تصویریں اتار رہے ہیں، وہ ہمارے ویڈیو فلم بھی بناتے رہے. میں نے اپنی آنکھوں کے گوشوں سے امریکی فوجیوں کے بوٹوں اور وردی سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ کافی تعدا میں ہمیں لینے کیلئے آئے ہیں. جب پاکستانی آئی ایس آئی نے ہمیں انکے حوالہ کیا تو انہوں نے فوراً آئی ایس آئی کی فولادی ہتھکڑی اور بیڑیوں کو کھولا اور فوراً ہمارے ہاتھوں کو پیچھے کی جانب پلاسٹک سے بنی ہوئی ہتھکڑیوں سے باندھا لیکن آنکھوں پر باندھی گئی پٹی کو نہ ہٹایا بلکہ پٹی کے اوپر سیاہ ٹوپی سی پہنائی اور ٹوپی کو سلوشن ٹیپ سے مضبوط کیا تاکہ گر نہ پڑے. اس سے پہلے ہمارے ہاتھوں سے گھڑیاں نکالی گئی. امریکیوں نے کھڑے حالت میں میری تلاشی لی استاد بدر کو زمین پر گرایا اور اس کی مکمل تلاشی لینے کے بعد ہمیں طیارے کے اندر لے گئے. ہمیں طیارے کے فرش پر ایسا بٹھایا کہ رانوں اور پشت پر پٹیاں باندھ لی اور یوں طیارے کے فرش پر ہمیں مضبوطی سے باندھا لیا. آگے ااور پیچھے کیطرف فوجی کھڑے تھے جو ہماری معمولی حرکت پر ہم پر لاتوں اور مکّوں کی بارش کرتے تھے، اور کتے ہمارے قریب سے بھونکتے تھے ہم کیمروں کی فلیش کی روشنی کالی ٹوپی کے اندر محسوس کر رہے تھے اور نہیں جانتے کہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں.

باگرام کے ہوائی اڈے کی داستان

ہمارے اندازے کے مطابق ڈیڑھ گھنٹے بعد طیارہ ایک نامعلوم ہوائی اڈے پر اترا، اترنے کے بعد طیارے کے فرش سے ہمیں اٹھا کر دو فوجیوں نے دائیں اور بائیں بغل سے پکڑ لیا اور گھسیٹتے گھسیٹتے نیچے اتار لیا. ہوائی اڈے کے رن وے پر جاتے وقت پیچھے کی طرف ایک فوجی نے چلا کر ہمیں دھکہ دیا جس سے ہم منہ کے بل گر پڑے. چہرہ تو اللہ تعالی کے فضل سے بچ گیا لیکن گھٹنے زخمی ہوئے ایک طرف کی پسلیوں پر بھی چوٹ آئی جس سے دیر تک درد محسوس ہوتی تھی چند دن بعد اللہ تعالی نے کسی علاج کے بغیر ٹھیک کیا. منہ کے بل گرانے کے بعد پیٹ بازو اور پاؤں پر فوجی بیٹھ گئے اور ہم سے تلاشی لی وہ ہم پر چلاتے اور کہتے "نو ٹاکنگ" بات مت کرو، "نو اٹیک" اور ہم پر حملہ مت کرو جب تلاشی ختم ہوئی تو انہوں نے ہمیں کھڑا کیا مجھے اور میرے بھائی استاد بدر اور ایک اور قیدی کو ایک ہی رسی میں باندھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تیسرا شخص حاجی ولی محمد صراف

تھا جو افغانستان کے صوبہ بغلان کا باشندہ تھا. پھر ہم تینوں کو دھکے دیکر روانہ کیا چلتے وقت ہمیں محسوس ہوا کہ برف پر جا رہے ہیں اس سے ہمیں پتہ چلا کہ ہم پاکستان سے نکالے گئے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ افغانستان میں باگرام کا ہوائی اڈہ ہے. کچھ دیر بعد ہمیں ایک کمرے میں داخل کیا گیا ہماری آنکھوں سے پٹی اتاری گئی پلاسٹیک رسیوں کو ہمارے ہاتھوں سے قینچی سے کاٹا. ہاتھوں کو کافی دیر باندھنے کی وجہ سے ہمارے ہاتھ نیلے پڑ گئے تھے اسی وجہ سے میرے ہاتھ کی بڑی انگلی کی رگ کٹ گئی میری یہ انگلی ایک سال تک بے حس تھی پھر ٹھیک ہوگئی. اس جگہ تک ہمارے بدن پر اپنے لباس تھے پھر ہمیں زمین پر لٹا کر ہمارے اس لباس کو قینچی سے کاٹ دیا اور بوٹوں سمیت ایک طرف پھینکدیا. اس کی جگہ ایک ایسی پتلون پہنائی گئی جس کو قمیض کے ساتھ سی لیا گیا تھا جسے انگریزی میں Jum suit کہتے ہیں. ہماری تصویریں اتاری گئی اور ہم سے کھڑے کھڑے پوچھا کہ تمہارا اور تمہارے والد کا نام کیا ہیں کہاں کے رہنے والے ہیں اور کہاں سے پکڑے گئے ہو؟. پولیس والوں نے پکڑا ہے یا فوجیوں نے؟...

پھر ہمیں ایک بڑے گودام میں لے گئے جو اصل میں روسیوں نے بنایا تھا. امریکیوں نے وہاں سے مشینیں اور دوسرے سامان و آلات کو نکالا تھا. یہ گودام شمال اور جنوب کی طرف پھیلا ہوا تھا، مغرب کیطرف دومنزلہ کمرے بنائے گئے تھے، اس کا صحن خالی پڑا ہوا تھا. مشرق کی طرف کانٹا تار سے جگہوں کو تقسیم کیا گیا تھا، سامنے بھی کانٹا تار سے باڑ بنائی گئی تھی، اس کے سامنے دو آہنی ڈنڈوں کے دروازے بنائے گئے تھے، باہر کی طرف دروازے پر بڑا تالہ پڑا ہوا تھا. اندر کی طرف دروازہ باہر سے ایک رسی کے ذریعہ کھول دیا جاتا تھا علیحدہ کئے گئے سارے حصے لکڑی کے تختوں سے بنائے گئے تھے، ہر حصے میں تارکول کا کٹا ہوا ایک ڈرم رکھا گیا تھا تاکہ وہاں قیدی رفع حاجت کیلئے جائیں. ہر حصے میں ایک سے دس تک آدمی رہتے تھے، ہمارے ہاتھوں اور پاؤں سے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کو نہ ہٹایا. ہم سے پہلے اور قیدی بھی یہاں پڑے ہوئے تھے جن میں عربوں کی اکثریت تھی مگر زیادہ تر عرب قیدی زخمی حالت میں تھے. پھر ان عرب قیدیوں کو ہم نے گوانتاناموجیل میں بھی دیکھا، ان سے بات چیت کی اور انہوں نے ہمیں تورا بورا میں زخمی ہونے کا واقعہ اور دوسرے قصے بیان کئے. باگرام میں طیاروں کی ورکشاپ کے اندر عقوبت خانہ اور بالکل آمنے سامنے دومنزلہ عمارت پوچھ گچھ اور تفتیش کیلئے مخصوص کی گئی تھی. رفع حاجت کیلئے جو آدھا ڈرم رکھا گیا تھا وہ بالکل نمایاں تھا اور پردہ کرنا منع تھا. رفع حاجت کے وقت سارا جسم دکھائی دیتا تھا اور پردہ کرنا ناممکن تھا وہاں کے قیدی تو نہیں دیکھتے تھے لیکن فوجی

ضرور دیکھتے چونکہ قیدیوں کو Jum suit یعنی ایک ایسا لباس پہنایا گیا تھا جس کی قمیض اور پتلون آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سی لئے گئے تھے اور آگے کیطرف زپ لگائی گئی تھی لہذا رفع حاجت کے وقت دونوں کو نکالنا پڑتا تھا. اس خاطر کہ رفع حاجت کی ضرورت پیش نہ آئے میں نے ۱۴ دن تک کھانا نہ کھایا اور صرف تھوڑا تھوڑا پانی پیتا تھا.

باگرام میں ہم دونوں بھائیوں کو حاجی ولی محمد، عبدالحنان اور شریف اللہ کے ساتھ ایک کمرے میں ڈالدیا. لیکن بہت جلد مجھے دوبارہ ان کے کمرے سے نکال دیا. مجھے کانٹا تار کے اندر ایک احاطے میں اور استاد بدر کو مجھ سے دور تیسرے احاطے میں ڈال دیا. میرے کمرے میں تورابورا میں پکڑے گئے زخمی عرب بھی تھے. باگرام کے زندان میں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنا منع تھی. اگر کوئی بات بھی کرتا تو سنائی نہیں دیتا کیونکہ ایک مشین کو چوبیس گھنٹے چلائے رکھا جاتا تھا جس کے تیز شور کی وجہ سے ایک دوسرے کی آواز سنائی نہیں دیتی، انہوں نے یہ مشین اس مقصد کیلئے چالو کی ہوئی تھی کہ ایکطرف قیدیوں کے ذہن پر بوجھ ہو دوسری طرف وہ آپس میں بات چیت نہ کرسکیں. شدید سردی کے باوجود سر ڈھانپنا منع تھا، کئی کمبل ہونے کے باوجود قیدی ایک کمبل سے زیادہ نہیں اوڑھ سکتا تھا. کمبل ھندوستانی اور وردی بنگلہ دیشی تھیں اور دونوں سردی کے مقابلے میں بہت باریک تھیں. پاؤں کیلئے بوٹ یا چپل کے عوض موٹی موٹی جرابیں تھیں. سر کیلئے سیاہ اونی ٹوپیاں تھیں جو کانوں تک پہنچ جاتی تھیں. ہاتھوں کیلئے بھی سیاہ دستانے تھے. ہر قیدی کی قمیض کے پیچھے اس کا نمبر لکھا ہوا تھا. میرا نمبر ۹۶ اور استاد بدر کا نمبر ۹۴ تھا پھر قندھار میں یہ نمبر تبدیل ہوئے. ہر قیدی کو اس کے نمبر سے پکارا جاتا تھا. نوٹاکنگ (بات مت کرو) گٹ آن یور نیز (اپنے گھٹنوں پر کھڑے ہوجاؤ) لُک ڈاؤن نیچے کی طرف دیکھو ھینڈز آن دی ھیڈ "ہاتھوں کو سر پر رکھو" نواٹیک (حملہ نہ کریں) شٹ آپ (خاموش رہو) یہ وہ الفاظ ہیں جو ہم نے سب سے پہلے امریکی فوجیوں سے سیکھ لیئے اور آخر تک سنتے رہے. بند قیدیوں پر ایک پابندی یہ لگائی گی تھی. کہ قیدی کو چاہیے کہ وہ چوکیدار اور فوجیوں کیطرف اپنا رخ کرے اور زمین کی طرف دیکھتے رہیں. ہنسنے سے اجتناب کرے، دوسرے قیدی کیطرف نہ دیکھے اور بات چیت نہ کرے. وہ تلاشی کے نام پر دن رات قیدیوں کے پاس آتے تھے، قیدی اپنا رخ دوسری طرف کرکے اپنے ہاتھوں کو سر پر رکھدیتے زمین کیطرف دیکھتے تھے، کسی قسم کی حرکت کرنے اور بات کرنے کی اجازت نہ تھی مسلح فوجی ان کے پیچھے کی طرف کھڑے ہوکر دوسرے تلاشی لینے والے فوجی تمام جگہ کی تلاشی لیتے، اس کے بعد خود قیدیوں کی تلاشی لیتے مکمل تلاشی لینے کے بعد

قیدیوں کو گھٹنوں پر کھڑا کرتے ہاتھوں کو سر پر رکھوا کر اپنے سامنے کھڑا کرنے کے بعد ڈر کے مارے ایسی حالت میں نکلتے کہ رخ قیدیوں کیطرف ہوتا تھا اور پیچھے کیطرف بھاگ نکلتے ، پھر پیچھے کیطرف دروازے کو بند کر دیتے۔

چار پانچ دنوں تک بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں تھے پھر ان سے نجات حاصل ہوئی۔ جب قیدی کو پوچھ گچھ اور تفتیش کے لئے لے جاتے تو قیدی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر لے جاتے تھے تفتیش کے لئے کبھی ایک، کبھی دو اور کبھی تین افراد ہوتے تھے، ایک ترجمان بھی ہوتا تھا۔ بگرام جیل میں پشاور میں پوچھے گئے سوالات کے علاوہ یہ سوالات بھی تھے: ہمیں چند تصاویر دکھا کر پوچھا۔ کیا تم ان کو جانتے ہو؟ ہم دوسری تصاویر کو تو نہیں جانتے البتہ اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کی تصویر ہم نے پہچان لی اور ان کو کہا کہ ان دونوں تصاویر کو پہچانتے ہیں یہ بھی اس لئے کہ ہم نے اخبارات و رسائل میں دیکھی ہیں اور تم ہی نے پوری دنیا سے ان تصاویر کو متعارف کروایا ہے اور ہر کوئی جانتا ہے۔ آئی ایس آئی اور ان کے افغانی کٹھ پتلیوں کے ساتھ مخالفت ہمارے پکڑنے کا سبب، افغانستان میں مداخلت اور امریکہ کی غلط پالیسی کے بارے میں بات چیت ہوئی۔

ایک ھندوستانی نے ایک بار اردو زبان میں میری ترجمانی کی۔ ایک بار ایک مصری عرب نے عربی زبان میں اور ایک بار ایک فارسی بولنے والے نے فارسی زبان میں ترجمانی کی اس کے علاوہ تمام ترجمانی پشتو زبان میں ہوئی۔ ایکدفعہ ایک ترجمان میری ترجمانی کیلئے ایسی حالت میں آیا کہ اس کے ہاتھوں پر ہتھکڑیاں تھیں اور اس نے اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ میں قیدی ہوں۔ دوسرے دن مجھے اوپر دوسری منزل پر اٹھا کر ایک کمرے میں داخل کیا گیا میں نے دیکھا کہ وہاں ایک افغان ہے جن کے چہرے پر داڑھی نہیں تھی اور پشتو میں بات کرتا تھا۔ جب میں نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے میری ترجمانی کی تھی۔ میں نے اسے کہا کیا تم وہی شخص نہیں جو کل میری ترجمانی کے فرائض انجام دے رہا تھا؟ اس نے کہا کیوں نہیں میں وہی ہوں، میرا نام حلیمی ہے میں طالبان حکومت میں وزارتِ خارجہ میں کام کرتا تھا باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی مہمان نوازی اور ترجمانی میری ذمہ داری تھی۔ اس نے کہا کہ میں ازہر یونیورسٹی سے فارغ ہوں اس نے مجھ سے کئی سوالات پوچھے اور میں نے ان کا جواب دیا۔ اس کے ساتھ ایک عرب جوان بھی تھا جو یمن کا باشندہ تھا اس نے اپنا نام ڈاکٹر ایمن بتایا۔ پھر میں نے اسے گوانتانا موجیل میں دیکھا جو دماغی توازن کھو چکا تھا۔ ان دونوں قیدیوں کو کافی سہولت مہیا کی گئی تھی، تیل سے جلنے والا ایک ہیٹر کمرے میں جل

رہا تھا جو کمرے کو بھی گرم کرتا تھا اور پانی کو بھی. فوجی غذا سے بھرے بند پیکٹ ان کے قریب پڑھے ہوئے تھے انہوں نے میرے لئے سیاہ چائے کی ایک پیالی فوراً تیار کر لی اور بسکٹوں کے ساتھ میرے سامنے پیش کی. میں تقریباً پندرہ منٹ تک ان کے کمرے میں تھا. میرے خیال میں مجھے وہاں اس لیئے لے گئے تھے کہ آیا میں ڈاکٹر ایمن کو جانتا ہوں یا نہیں. اور ہمارے درمیان کسطرح کی باتیں ہوں گی. بات چیت کے دوران میں نے حلیمی کو پشتو میں ایک شعر بھی سنایا.

دمړاني او غيرت په ورځ مې ګوره
يو ويښته به وروسته نشم که افغان وم
دپښتو فطرت مې دومره اسلامي دی
که اسلام نه وائی نو هم به مسلمان وم

بہادری اور جرأت کے دن مجھے دیکھو کے ایک بال بھی پیچھے نہ ہٹوں گا اگر میں واقعی افغان ہوں.
میری پشتو کی فطرت اتنی اسلامی ہے کہ اگر اسلام بھی نہ ہوتا تو میں پھر بھی مسلمان ہوتا.

حلیمی کو میرا یہ شعر بہت اچھا لگا اور کاغذ کے علاوہ دروازے کے پیچھے حصے پر بھی اسے لکھدیا انہیں قلم اور کاغذ کی سہولت دی گئی تھی. پندرہ منٹ بعد مجھے اس کمرے سے نکال کر پھر سے اپنے کمرے میں دھکیل دیا گیا. حلیمی باگرام سے چند مہینے بعد رہا ہوا تھا اور میرے بڑے بھائی مولوی سید محمد صاحب کو یہ شعر بطور نشانی سنائی تھی جس سے انکو اندازہ ہوا تھا کہ ہم واقعی جیل میں حلیمی صاحب سے ملے تھے.

ایک ہنسانے والا ڈرامہ

بگرام جیل میں امریکی فوجیوں اور تفتیش کاروں کے ہنسانے والے ڈراموں میں سے ایک ڈرامہ یہ بھی تھا: اس لئے کہ ہمیں یہ دکھائیں کہ گویا ریڈ کراس اور امریکی ادارے الگ ہیں اور ریڈ کراس ایک فلاحی ادارہ ہے تو کبھی کبھار ہمیں ریڈ کراس کے کارکنوں سے چھپاتے تھے اور ان کے آنے کے وقت ہمیں سردی میں دوسری منزل کے ٹھنڈے کمروں میں منتقل کرتے تھے. مسلح فوجی ہمارے سامنے چوکس کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہمیں اپنے درمیان بات کرنے، ایک دوسرے کی طرف دیکھنے اور سر ڈھاپنے سے منع کرتے تھے. جب ریڈ کراس کے کارکن واپس جاتے تو ہمیں پھر سے اپنے اپنے کمروں میں دھکیل دیا جاتا.

بگرام میں قیدیوں کو صفائی کی سہولت

بگرام جیل میں قیدیوں کی صفائی کا قطعاً خیال نہیں کیا جاتا تھا، وضو کیلیئے پانی نہ تھا. صرف پینے کیلیئے کویت کے (روضتین) فلٹر شدہ پانی کی ایک ایک بوتل دی جاتی تھی. دانتوں کی صفائی کیلیئے دس دن بعد صرف ایکبار توتھ پیسٹ دیا جاتا تھا. وہ بھی اس حالت میں کہ برش پر تھوڑا سا کریم لگا کر قیدی کو دیا جاتا اور قیدی اپنی دانتوں کو فوجی کے سامنے برش کر کے برش کو دوبارہ فوجی کے حوالہ کر دیتا. وہ برش اس لئے دوبارہ لیتا تھا کہ کہیں قیدی اس سے ہتھیار کا کام نہ لیں. پندرہ دن بعد قیدیوں کو نہانے کیلیئے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں باندھ کر ایک بڑے ہال میں لے جاتے تھے جو روسیوں نے اپنے دور میں تعمیر کیا تھا. وہاں پانی سے بھرا ایک ڈرم تھا. ہمارے وقت میں پردہ کرنے کیلیئے ناف تک لکڑیوں کے تختے کھڑے کیئے گئے تھے، اس کے ایکطرف چندفوجی پہرہ کیلیئے کھڑے ہوتے تھے. جب قیدی نہانے لگتے اور اسکا پورا بدن گیلا ہونے سے پہلے فوجی چلاتے ہوئے کہتا کہ بس کرو یہی کافی ہے. ہمارے بعد جو قیدی گوانتانامو آئے وہ کہتے تھے کہ پھر ان لکڑی کے تختوں کو بھی ہٹایا گیا تھا جو نہاتے وقت پردے کیلیئے کھڑے کیئے گئے تھے، قیدی لاچار امریکی فوجی کے سامنے نہانے پر مجبور ہوتے اور کبھی کبھار تو امریکی لڑکیاں مخصوص اعضاء کا مذاق بھی اڑاتی تھیں. ناخن کاٹنے، بال تراشنے اور کپڑے بدلنے کا انتظام نہیں تھا. حتی کہ تیمّم کیلیئے بھی صاف جگہ نہیں ملتی. ہم جس جگہ پر تیمّم کرتے تھے وہاں سیاہ خاک اور گرد ہوتی تھی جب ہم اس پر تیمّم کرتے تو ہمارے ہاتھ اور چہرے کالے ہو جاتے تھے.

باگرام جیل میں قیدیوں کا کھانا

باگرام میں ہمیں بند پیکٹوں میں ایک قسم کی تیار غذا دی جاتی، فوجی پہلے پیکٹوں کو پھاڑ کر اس میں سے چمچ اور جن چیزوں کو نکالنا چاہتے نکالتے اور باقی غذا کو قیدیوں کے حوالہ کرتے، آدھی افغانی روٹی بھی دی جاتی. میں یہ سب کچھ اپنے کمرے سے دیکھتا تھا کیونکہ میرا کمرہ ان کے فوڈ سٹور کے سامنے تھا. جو روٹی ہمیں دی جاتی ان پر گرد و غبار پڑی ہوتی تھی، ہوائی اڈے سے اڑتا ہوا گرد انہیں روٹیوں پر پڑتا اور انہیں قیدیوں کو دیا جاتا تھا. ایکطرف تو ناقص غذا کی یہ حالت تھی، دوسری طرف رفع حاجت کے خوف سے جن کیلیئے مناسب جگہ نہیں تھی اور رفع حاجت کے وقت انسان برہنہ ہو جاتا تھا، میں نے چودہ دن تک روٹی نہ کھائی اور صرف پانی پر گذارہ کرتا رہا. جس وقت ہم باگرام میں تھے اس وقت امریکی جھنڈے کے علاوہ ہم نے کسی جگہ بھی افغانی

جھنڈا نہیں دیکھا.

باگرام میں امریکی فوجیوں کا بُرا سلوک

بگرام میں امریکی فوجی طرح طرح کی بداخلاقی اور بدسلوکی کرتے تھے .مثلاً جب بھی قیدی سوجاتے تھے تو وہ بڑی بڑی لاٹھیاں اور ڈنڈے کنکریٹ فرش پر مارتے ، نیز پتھروں سے بھی آہنی دروازوں کو مارتے تھے اور ساتھ ساتھ چلاتے اور چیخیں بھی مارتے تھے تا کہ قیدی آرام سے سو نہ سکیں. امریکی عورتیں ناچتی، زور زور سے گاتی تھیں اور فضول باتیں کرتی تھیں مثلاً بات مت کرو، میری طرف دیکھو، نیچے دیکھو سر مت ڈھانپو اسی طرح اور بے ہودہ الفاظ استعمال کرتے تھے.

باگرام امریکی مظالم کا مرکز

اس وقت باگرام امریکی انٹیلی جنس ادارے (CIA) اور(FBI) کا پہلا مرکز ہے. افغانستان اور دوسرے ملکوں میں پکڑے گئے قیدیوں کو سب سے پہلے بگرام لاتے ہیں. بگرام عقوبت کا پہلا امریکی مرکز ہے. افغانستان اور باہر ملکوں میں پکڑے گئے قیدی پہلے باگرام لائے جاتے ہیں اور یہاں انہیں مختلف قسم کی عقوبتیں دی جاتی ہیں مثلاً مار پیٹ، بے خوابی، ہاتھوں اور پاؤں سے آویزاں کرنا، برف پر لٹانا، شدید سردی میں ان کے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈالنا وغیرہ. باگرام میں قیدیوں کو طرح طرح کی عقوبتوں سے گذرنا پڑتا ہے اور یہ کام خود امریکہ کر رہا ہے افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت کے پاس قطعاً اختیار نہیں اور کچھ بھی نہیں کرسکتی. البتہ افغانی انٹیلی جینس کے اپنے اپنے عقوبت خانے ہیں جن کے سرکردہ سابق کیمونسٹ ہیں جو مجاہدین اور مہاجرین کے خلاف شدید انتقامی جذبات رکھتے ہیں شمالی اتحاد کے فاسد عناصر بھی ان کے ساتھ شریک ہیں.

ہم نے باگرام میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک قیدی کو ہاتھ پاؤں سے بندھے ہوئے لایا گیا، اسے مار مار کر نڈھال کر دیا گیا تھا وہ رو رہا تھا اور آہ و فریاد اس کے منہ سے نکلتا تھا. اس بیچارے کو ایک ٹھنڈے کمرے میں ڈال دیا. سخت ٹھنڈ کے باوجود وہ ننگا تھا. سونے اور بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ اسے کہا جاتا تھا کہ گھومو پھرو، جب وہ ایک سیکنڈ کیلئے کھڑا ہوتا تو فوجی اس پر چلاتے. فوجیوں کے چلانے اور قیدی کی آہ و فریاد سے دوسرے قیدی نہیں سو سکتے. جب وہ زمین پر گر پڑتا تو فوجی آ کر اسے مارتے اور دوبارہ کھڑا کر دیتے اس بیچارے نے چوبیس گھنٹے اس طرح گذار دیے. پھر ہم نے اس قیدی کو قندھار اور گوانتانامو میں دیکھا. وہ ایک

مولوی تھا جو بہترین اخلاق کا مالک تھا اگر ہمیں یہ خوف نہ ہوتا کہ اس کے رشتہ داروں کو تکلیف اور پریشانی لاحق ہوگی تو ہم اس کا نام لکھتے، چونکہ وہ اب بھی گوانتانامو میں ہے تو اس لئے اس کا نام نہیں لکھ سکتے۔

باگرام میں امریکی عقوبت میں قتل کیئے گئے قیدی

ہم باگرام میں چودہ دن رہے۔ ہمارے سامنے تو کوئی قیدی عقوبت سے نہیں مرا۔ البتہ بعد میں جو قیدی گوانتانامو آتے تھے تو ان کے اندازے کے مطابق بگرام میں ۲۹ افراد امریکیوں کے تشدد کی وجہ سے مر چکے ہیں ان میں سے صرف ایک قیدی کی لاش کو گھر بھیجا گیا ہے جو خوست کا باشندہ تھا۔ اس کے پیٹ کو پھاڑ کر دوبارہ سی لیا تھا اور اسی حالت میں اسے اپنے گھر والوں کو یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ یہ اپنڈی سائٹس کا بیمار تھا، آپریشن کے وقت مر گیا۔ حالانکہ وہاں موجود قیدی کہہ رہے ہیں کہ امریکیوں نے اسے بے دردی سے اتنا زیادہ مارا کہ اس کے منہ سے زور زور سے آہ و فریاد نکلتی تھی وہ کلمہ اور تکبیرات پڑھتے اس کے بدن کا خون دروازے سے باہر نکلا، بالآخر اس کی آواز خاموش ہوگئی اور کچھ منٹ بعد اس کی لاش کمرے سے نکال دی گئی۔ ننگرہار کے علاقہ پچیر آگام کے ایک بوڑھے آدمی کو بھی سخت تشدد سے مار ڈالا تھا۔ چند دن بعد اس کے بیٹوں کو بھی گرفتار کیا گیا۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا باپ گھر آچکا ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ ہم خاموش ہوگئے اور اس کو بتانے سے گریز کیا کہ تمہارے والد کو شہید کرڈالا ہے۔

ان ۲۹ افراد میں سے جو کہ امریکیوں کے ہاتھوں جیل میں قتل ہو چکے ہیں آٹھ افرد کا تعلق افغانستان اور باقی کا تعلق دوسرے ممالک سے تھا۔ دو افراد جن کو جلال آباد سے پکڑا تھا اور علاقہ شینواری کے باشندے تھے وہ ابھی تک لاپتہ ہیں۔ گوانتانامو جیل میں ہمیں ریڈ کراس کے کارکنوں نے بتایا کہ یہ دو افراد نہ جلال آباد میں ہیں، نہ ہی بگرام اور گوانتانامو جیل میں۔ ان کے رشتہ دار ہم سے پوچھتے ہیں مگر ہم نے ابھی تک ان کا کھوج نہیں لگایا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی شہید کرڈالا ہے۔ ہماری رہائی کے بعد معلوم ہوا کہ بگرام میں دو اور افراد بھی امریکی تشدد کیوجہ سے شہید ہوگئے ہیں۔ جن کا اعلان ریڈیو اور اخبارات میں بھی ہوا اور امریکیوں نے بھی ان کی ہلاکت کا اعتراف کیا ایک اور شخص نے بتایا کہ کنڑ کی اسعد آباد جیل میں کنڑ کا ایک باشندہ بھی تشدد کی وجہ سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اس ترتیب سے کل ۳۴ افراد امریکی عقوبت خانوں میں شہید ہو چکے

ہیں. یہ تعداد تو صرف وہی ہے جو برملا ہو چکی ہے. کچھ قیدیوں کی شہادت پر معترف اور کچھ افراد کی ہلاکت سے منکر ہیں . ان افراد کی تعداد کتنی ہوگی جن کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ان کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے. اس امر میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے قیدیوں کو امریکیوں نے تشدد کے ذریعہ قتل کر ڈاالا ہے لیکن ان کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں.

جلال آباد میں عقوبت خانے

امریکیوں نے ہر جگہ قیدیوں پر تشدد کیا ہے. جلال آباد کے ایک قیدی نے جو رہا ہو چکا ہے مجھے بتایا کہ امریکیوں نے مجھے بری طرح مارا، بجلی کی جھٹکے دیئے پھر ایک چار پائی پر لٹا کر مجھے باندھا اور میرے سر کو پانی کے ایک بڑے ٹب میں ڈبو دیا تقریبا پندرہ منٹ تک میرا سر پانی میں تھا اور میری سانس بند تھی . میں نے موت اپنی آنکھوں سے دیکھی لیکن اللہ نے مجھے بچایا. امریکی چاہتے تھے کہ میں ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جس کے بارے میں مجھے قطعاً کچھ معلوم نہیں . بالاخر انہوں نے یہاں سے بگرام اور بگرام سے گوانتانامو بھیجا. اس طرح کے واقعات زیادہ ہیں آگے چل کر بعض واقعات کا تذکرہ ضرور کریں گے البتہ سارے واقعات کا لکھنا کتاب کی ضخیم ہونے کی وجہ سے مشکل ہے.

اُستاد بدر کی زبانی باگرام کی کہانی

استاد بدر باگرام کا قصہ یوں لکھتا ہے:

طیارے سے اترتے وقت میرے ذہن میں دو باتیں گردش کر رہی تھیں. ایک یہ کہ شاید طیارہ سمندری بیڑے میں اتر گیا ہے جو کراچی کی بندرگاہ کے قریب کھڑا ہے، دوسری بات یہ کہ طیارہ کراچی ائیر پورٹ پر اتر گیا ہے کیوں کہ میں نے پہلے سنا تھا کہ کراچی کا پرانا ہوائی اڈہ امریکیوں کے حوالہ کیا گیا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیوبا کے راستے پر کہیں آرام یا ایندھن بھرنے کیلئے اتارا گیا ہو. لیکن میرے کانوں پر ٹھنڈی ہوا لگی تو مجھے شک ہوا کہ کہیں افغانستان نہ ہو، کیونکہ کراچی کا موسم سردیوں میں بھی معتدل ہوتا ہے میں اسی سوچ میں تھا کہ سپاہیوں نے مجھے طیارے سے کچھ آگے زمین پر بٹھایا، میرے سامنے کسی اور کو بٹھایا اور میرے چہرے کو اس کی پشت پر لگایا، میرے پیچھے کسی اور قیدی کو بٹھایا اور اس کا چہرہ میری پشت پر لگایا. ہم تینوں کے بازوؤں کو ایک مضبوط رسی سے باندھا گیا. رسی کے ایک سرے کو ایک فوجی نے اور دوسرا سرے کو دوسرے فوجی

نے پکڑ کر ہمیں گٹ اَپ (اٹھو) کی آواز نکالی. ہوا یخ بستہ تھی، ہوائی اڈے سے طیاروں کی آوازیں سنی جا رہی تھیں. بالخصوص ہیلی کاپٹر کی آوازیں تو بالکل پہچانی جاتی تھیں.

ٹھنڈی ہوا اور رات کے آخری حصے میں پلاسٹک کی زنجیروں سے باندھے ہوئے ہاتھ اور پاؤں سے تیز چلنے اور دوڑنے کی آواز دیتے اور چلا کر کہتے :Move, hurry up تیز چلو، بدقسمتی سے پشاور کے قید خانے سے نکلتے وقت میں اپنی جوتیوں کے تسموں کو بند نہیں کر سکا تھا کیونکہ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ تمہیں تفتیش کیلئے لے جایا جا رہا ہے، اب میرے لئے ان جوتیوں میں تیز دوڑنا بھی مشکل تھا. لیکن امریکی فوجی مسلسل چلاتے تھے کہ Move,hurry up ایک دو دفعہ تو میں نے عربی میں بھی آوازیں سنی. بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ امریکی فوجیوں کو کچھ عربی جملے سکھائے گئے تھے. وہ چلا چلا کر کہہ دیتے (یا اللہ یا شباب) اس تکلیف دہ وقت میں یہ جملے بہت اچھے لگے اور حیرانگی بھی ہوئی کہ امریکیوں کو یہ جملے سیکھنے کیلئے کس نے مجبور کیا؟ بعد میں باگرام میں دیکھا کہ کانٹا تار احاطے کے اندر فارمیکا کے ایک سفید تختے پر مختصر عربی جملے انگریزی رسم الخط میں لکھے گئے تھے اور امریکی فوجی اسے پڑھتے تھے. (Min aina anta ma Ismuka) مثلاً من این انت. ماسمک.

بہرحال ہمیں تقریباً پندرہ منٹ تک تیز دوڑایا گیا. ایک بار تو ہیلی کاپٹر کے پنکھے کی ہوا بھی ہم پر لگی. ایکبار کسی اور طیارے کے قریب سے گذرے کیوں کہ ٹھنڈی ہوا میں ہمیں گرم ہوا بھی لگی اور بالآخر ایک ایسے کمرے میں ہمیں داخل کیا گیا اکہ اچانک ہمارے کان گرم ہوئے. اگرچہ ہمارے پاؤں ہاتھ اور آنکھ باندھے ہوئے تھے لیکن سخت ٹھنڈے موسم میں اچانک گرم جگہ میں داخل کرنا ہمیں اچھا لگا. اور تیز دوڑنے کے بعد آرام کرنے کا موقع بھی مل گیا. اگرچہ ہمیں بے دردی سے زمین پر پٹخ دیا گیا اور ہم ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے اس کے علاوہ وہ Don't Move and be quite کی آوازیں بھی نکالتے تھے. یعنی حرکت مت کرو اور خاموش رہو. ہم تقریباً پانچ منٹ تک اسی طرح پڑے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور میری پشت پر ہاتھ رکھ کر کہا Do you speak English? کیا تم انگریزی بول سکتے ہو؟ میں نے جواب میں yes کہا. پھر میرے دوسرے ساتھیوں کی پشت پر ہاتھ رکھ کر ان سے پشتو، فارسی عربی انگریزی زبانیں بولنے کے بارے میں پوچھا گیا. مسلم دوست صاحب نے عربی پشتو اور فارسی زبان بولنے کے حوالے سے مثبت جواب دیا، حاجی ولی محمد نے کہا میں صرف پشتو اور اردو جانتا ہوں. اس کے بعد ہمارے ہاتھوں سے رسیوں کو کھولدیا اور ہمیں

الگ الگ کمروں میں لے جایا گیا۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہم تینوں کو الگ کمرے میں طبی معائنہ، لباس تبدیل کرنے اور تلاشی لینے کیلئے لے جایا گیا تھا۔ مجھ سے میرا اپنا قومی لباس شلوار قمیض، گرم پکول، چادر اور چار سدے والی چپل جو میں نے گرفتاری سے چند دن پہلے آرڈر دے کر بنوائی تھی، لے لی گئی اور مجھے آسمانی رنگ کے Jumsuit دیدی۔ یہ وہی لباس تھا جو پشاور کے عقوبت خانے میں ہمارے سامنے ان بے چارے عرب قیدیوں کو پہنایا گیا تھا جن کو امریکہ کے حوالہ کرنے کیلئے ہوائی اڈے لے جایا جاتا تھا۔ ہمارے ملک میں یہ لباس گاڑیوں کے مستری اور بعض انجینئر پہنتے ہیں۔

میں بھی اپنی زندگی میں پہلے بار اس لباس سے آشنا ہو گیا۔ اس کے علاوہ اون کی بنی ہوئی ٹوپی جس کو ہم اکثر چھوٹے بچوں کو پہناتے ہیں ہمیں دے دی گئی، دستانے اور جرابیں بھی ہمیں دی گئیں جو بہت کھلے تھے، دوسرا کام یہ کیا گیا کہ پلاس کے ذریعہ ہمارے ہاتھوں میں پلاسٹک کی ہتھکڑیوں کو توڑ کر پھینک دیا اور اس کی جگہ فولادی ہتھکڑیاں پہنادی گئی۔ ہتھکڑی پہناتے وقت فوجیوں نے میرے ہاتھوں کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا ڈرتے ڈرتے میرے ہاتھوں کو ہتھکڑیاں پہنائی گئی۔ جب میرے پاؤں کی بیڑیاں کھول دی گئی تو انہوں نے اوپر نیچے مجھے دیکھا اور کہا Cooporate (تعاون کرو۔) میں نے پوچھا کیا تعاون کروں؟ انہوں نے کہا پاؤں باندھنے کے وقت مت ہلو اور سفید دائرے کے حلقے سے باہر مت نکلو۔ جب میں نے نیچے دیکھا تو بڑے کمرے کے اندر میرے اردگرد سفید رنگ میں ایک مربع بنایا تھا اور اس مربع کے اندر جو ایک میٹر کے برابر تھا مجھے کھڑا کیا گیا تھا۔ جب مجھے طیارے سے اتارنے کے بعد اس مربع کے اندر کھڑا کیا اور میرے سر اور چہرے سے سیاہ ٹوپی کو بھی ہٹایا گیا تو میں نے دیکھا کہ میرے اردگرد بارہ افراد وردی اور سفید کپڑوں میں ملبوس کھڑے ہیں۔ ان کا مجھ سے پہلا یہ سوال تھا:

سوال Are you militant? کیا تم عسکریت پسند ہو؟

جواب میں نے کہا نہیں،

سوال پھر تم کیا کام کرتے ہو؟

جواب میں ایک کالج میں استاد تھا اور اس کے ساتھ صحافتی کام بھی کرتا تھا۔ اور ساتھ ساتھ چھوٹا موٹا کاروبار بھی۔

جب انہیں پتہ چلا کہ میں فوجی آدمی نہیں ہوں تو وہ دلیر ہو گئے، ایک بلند قد ڈاکٹر نے میرے سینے

پر stethoscope سٹیتھوسکوپ رکھا. وہ میری صحت کے بارے میں دریافت کرتا تھا مگر دوسری طرف ایک فوجی میری تلاشی لے رہا تھا. تلاشی کے وقت میری جیب سے zentac کی ایک دو گولیاں نکالیں اور فوراً ڈاکٹر کو دکھائی. یہ گولیاں مجھے آئی ایس آئی والوں نے اس وقت دی تھی جب جیل میں آئی ایس آئی کے مصالحہ دار کھانوں کی وجہ سے میرے معدے میں سوزش پیدا ہوئی تھی، انہوں نے مجھے اور مسلم دوست کو کچھ گولیاں ضرور دی تھیں مگر ہر وقت ہم پر اپنے اس احسان کو جتلاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے تمہارا مفت علاج کیا ہے .پھر ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ گولیاں ہمارے پیسوں سے خریدی تھی. باگرام کے تفتیشی کمرے میں کھڑے ایک امریکی نے مجھ سے پوچھا:

سوال یہ گولیاں کہاں سے لائے ہو؟

جواب میں نے کہا: آئی ایس آئی کے عقوبت خانے میں مجھے دی گئی تھی.

سوال یہ گولیاں کیوں کھاتے ہو؟

جواب: اس لئے کے مجھے معدے کی تکلیف ہے.

سوال اس سے کچھ فائدہ ہوتا ہے؟

جواب تھوڑا سا فائدہ مل جاتا ہے.

جب ڈاکٹر لکھائی میں مصروف ہوا تو میں سوچنے لگا کہ میری جیب میں یہ گولیاں کہاں سے آئی ہمارے گھر اور جیبوں کی صفائی تو آئی ایس ائی والوں نے کی تھی اور سب کچھ لے چکے تھے. پھر میں نے اپنے آپ کو اس بات پر مطمئن کیا کہ شاید انہوں نے یہ گولیاں اس لئے ہماری جیبوں میں چھوڑ رکھی ہو کہ امریکیوں کو یہ باور کروائیں کہ ایک تو آئی ایس آئی والوں کا کچھ انسانی پہلو بھی ہے اور یہ کہ قیدیوں پر خرچے کئے ہیں اور یہ کہ ان سے ڈالر وصول کریں. واہ واہ یہ دکھلاوے کی دو گولیاں آئی ایس آئی کی فریب کاری اور مکاریاں جو افغانوں کے خلاف کرتے رہتے ہیں. افغان رہنماؤں کا سیاسی قتل، افغان عوام کو آپس میں لڑانا افغانستان کو پانچواں صوبہ بنانے کا خواب دیکھنا اور میرے جیب میں دو گولیاں نمائش کیلئے چھوڑنا سب مجھے عجیب سا لگا. میں امریکی تفتیشی کمرے میں غمزدہ ساقط کھڑا اور یہ سوچ رہا تھا کہ آئی ایس آئی بھی عجیب بلا ہے کہ میرے جیب میں دو نمائشی گولیاں چھوڑ رکھی ہیں. اس سوچ نے میرے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کی جس کی کیفیت کے

بارے میں عبدالحمید بابا نے کیا خوب وضاحت کی ہے:

لکه سر دپسه په اور غابنو نه سپین کا
ماله نن له ډیره غمه خندا راغله

ترجمہ: گویا دنبے کا سر، آنچ پہ رکھا، باچھیں کھل گئیں اے کوہ آلام! تو نے مجھے ھنسا دیا۔

بہر حال میرے پاؤں اور ہاتھوں کو فولادی زنجیروں سے باندھ کر دوسرے کمرے میں لے جایا گیا۔ وہاں امریکی فوجیوں کے علاوہ دو سفید پوش امریکی بھی موجود تھے ان کی چھوٹی چھوٹی داڑھیاں تھیں۔ ان کے علاوہ ایک اور چھوٹی داڑھی والا مضبوط امریکی جوان بھی موجود تھا۔ وہ سب عام لباس میں ملبوس تھے۔ انہوں نے مجھے کھڑا کر کے پوچھ گچھ شروع کی۔ اس چھوٹے سے کمرے میں وہ سب مجھے دیکھتے تھے مضبوط جوان جو مجھ سے سوالات کرتا تھا بار بار کہتا تھا کہ صرف میری آنکھوں کی طرف دیکھو دوسری طرف مت دیکھو۔

سوال اس کا پہلا سوال یہ تھا کیا تم عسکریت پسند ہو؟

جواب نہیں میں استاد اور صحافی ہوں۔

سوال کیا تم کیمیادان بھی ہو۔

جواب نہیں میں کیمیا کے الف، ب سے بھی واقف نہیں میں نے ادب اور اجتماعی علوم پڑھے ہیں۔

سوال اجتماعی علوم میں کیا پڑھا ہے؟

جواب بی اے میں سیاسی علوم اور لینگو ئج پڑھے ہیں اور ماسٹر انگریزی ادب میں کیا ہے۔

سوال اس کے علاوہ اور کیا کام کرتے ہو؟

جواب کپڑے دھونے کے صابن کی دکان کرتا ہوں اس کے ساتھ ساتھ قیمتی پتھروں کے کاروبار میں بھی اپنے بھائی سے تعاون کرتا ہوں۔

سوال تمہاری قومیت کیا ہے؟

جواب ہم افغان ہیں لیکن تیس سال سے پاکستان میں رہتے ہیں۔

اس کمرے میں صرف اتنے سوالات ہوئے پھر مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور کہا کہ کل دوبارہ بات چیت ہوگی، وہ مجھے ایک بڑے ہال میں لے گئے وہاں ہال کے ایک طرف دو منزلہ کمروں کی ایک قطار تھی،

پہلی منزل کے کمرے میں سامان سے لدے ہوئے تھے اور دوسری منزل کے کمروں میں قیدیوں کو رکھا جاتا تھا، ہال کے دونوں سروں میں اوپر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں تھیں ہاتھ اور پاؤں سے باندھے ہوئے قیدیوں کیلئے اوپر چڑھنا بہت مشکل کام تھا لیکن مجبوراً قیدی اوپر چڑھتے تھے ۔

ہال کے نیچے وسیع اور کھلی جگہ میں تقریباً بارہ میٹر مربع پانچ خانے بنا رکھے تھے، زمین سے اوپر لکڑیوں کی چوکاٹ رکھی تھی جن پر لکڑیوں کے کیل لگے تختے رکھے ہوئے تھے اور ان کے اوپر خاکی رنگ کے کارپٹ بچھائے گئے تھے۔ وہاں اوڑھنے کیلئے بہت باریک کمبل پڑے ہوئے تھے جو وہاں کی سردی کو کم نہیں کر سکتی اور قیدی سردی سے کانپتے رہتے تھے۔ مجھے بھی درمیان والے خانے میں لے گئے اور زنجیروں میں بندھی ہوئی حالت میں وہاں چھوڑ دیا۔ چونکہ اس سے پہلے میں نے دو مہینے اور بائیس دن آئی ایس آئی کے سیم زدہ کنکریٹ کمروں میں گذارے تھے پہلی بار ایک وسیع ھال میں لکڑیوں کے تختوں پر بیٹھنا عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے ہال کے اردگرد نظر دوڑائی، وہاں سب سے عجیب چیز بڑا امریکی پرچم تھا اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا پرچم نظر نہیں آ رہا تھا۔ بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ یہ ہال روسیوں کے زمانے میں بنایا گیا تھا جو کارگو یا ہوائی اڈے کے سامان کے گودام کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

قیدیوں کے احاطوں کے پیچھے (جو کانٹا تار سے ڈھانپے گئے تھے) کچھ خالی جگہیں نظر آ رہی تھیں جن میں سے مشینوں کی اتنی تیز آوازیں آ رہی تھیں کہ کسی کی بات کو صحیح طور پر سُنا نہیں جا سکتا تھا۔ ھال کی روشنی کیلئے ٹائر لگے ہوئے کھمبوں میں بلب لگائے تھے یہ بجلی پیدا کرنے والا ہائی پاور جنریٹر تھا جو زیادہ شور نہیں کرتا تھا لیکن اس کے ساتھ لگی دوسری مشین سے بہت زیادہ تیز آواز آ رہی تھی جن سے ایک بڑا پلاسٹک پائپ قیدیوں کے تین خانوں میں بچھایا گیا تھا۔ امریکیوں کا کہنا تھا کہ ہم نے یہ پائپ قیدیوں کو گرم کرنے اور سردی سے بچانے کیلئے بچھایا ہے، بیشک یہ پائپ گرم تو تھا لیکن ہال کی سردی کو کم کرنے میں اس کا کوئی کردار نہ تھا، بلکہ شور کی زیادتی کی وجہ سے وہ ہمارے لئے ایک طرح کا نفسیاتی تشدد تھا۔ قیدیوں کے ہر خانے کے آخر میں جو تقریباً بارہ میٹر مربع تھا اور بیس قیدی وہاں رہ سکتے تھے، تارکول کے بڑے بڑے ڈرم جنہیں درمیان سے کاٹ کر ایک ویلڈ شدہ آہنی چوکاٹ میں رکھے گیا تھا، اس ڈرم کے ہٹانے کی صورت میں قیدی کر سکتے تھے کہ پہرہ داروں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ڈرم کے پیچھے خود کو چھپا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں، ہم تو باگرام میں تھوڑی مدت کیلئے تھے، مگر کیوبا میں ہمیں بتایا گیا کہ دو قیدیوں نے اسی راستے سے فرار کی کوشش کی تھی لیکن

امریکیوں نے انہیں پکڑنے کے بعد اتنا مارا کہ وہ موقع ہی پر دم توڑ گئے. خوست کے ڈاکٹر خاندان کے سامنے ایک قیدی کو دوسرے قیدیوں کے سامنے اتنا مارا کہ وہ خون کی الٹیاں کرنے لگا اور موقع ہی پر شہید ہوا. پھر قیدیوں کو مخاطب کر کے بتایا گیا کہ جو قیدی بھی بھاگنے کی کوشش کریگا اسے اسطرح کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا. لیکن اتنے سخت پہرہ اور انتظام کے باوجود ۱۱ جولائی ۲۰۰۵ء کو چار عرب قیدی فرار ہونے میں کامیاب ہوئے جن میں القاعدہ کا عمر الفاروق کا تعلق کویت اور باقی تین افغانی، شامی اور سعودی عرب کے افراد تھے.

اب ہم ایک بار پھر سوالات اور جوابات کی طرف آتے ہیں. جب مجھے رات کے آخری وقت میں کانٹا تار باڑ کے اندر داخل کیا گیا تو میرے ساتھ آئے ہوئے فوجیوں نے کہا اب آپ یہاں آرام کریں کل صبح تمہارے لئے ناشتہ لائیں گے. اس وقت میں نے دیکھا کہ میرے بھائی مسلم دوست صاحب کو بھی پاؤں اور ہاتھوں سے باندھے ہوئے لایا جا رہا ہے، اس کے سر پر سیاہ ٹوپی چڑھائی گئی تھی ہاتھوں پر اونی دستانے اور پاؤں پر سفید اونی جرابیں تھیں. مسلم دوست صاحب کی اس حالت کو دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا کیوں کہ میں اسے اسطرح کے لباس میں برداشت نہیں کرسکتا تھا. لیکن میں آہستہ آہستہ غم کا عادی ہوتا چلا گیا. چند لمحے بعد جب میں نے قیدیوں کے لباس کیطرف دیکھنے کے بعد اپنے آپ پر نظر ڈالی تو میں اپنی نظر میں کارٹون لگ رہا تھا اور کبھی کبھی مجھے ہنسی بھی آتی تھی.

مسلم دوست صاحب کے بعد حاجی ولی محمد کو بھی لایا گیا جن کو پشاور سے ہمارے ساتھ باگرام منتقل کیا گیا تھا. میں نے سردی لگنے کی وجہ سے باریک کمبل اوڑھ لیا، ایک طرف سردی تھی اور دوسری طرف ہاتھ پاؤں میں زنجیریں تھیں جس نے مجھے بہت تنگ کیا ہوا تھا تھوڑا وقت گذرنے کے بعد کسی نے مجھے ہلا کر کہا اٹھو نماز فجر کا وقت ہے. جب میں اٹھ کر بیٹھ گیا تو دیکھتا ہوں کہ میرے قریب خانے میں ایک عرب قیدی آذان دے رہا ہے. جو مشین کی تیز آواز کی وجہ سے بہت کم سنائی دے رہی تھی.

وہاں زیادہ تر باتیں اشاروں میں ہوتی تھیں میں نے بھی اشارہ کر کے پہرہ دار سے وضو کیلئے پانی مانگا. لیکن اس نے نفی کا اشارہ کیا. میرے قریب عرب قیدی نے جو ہم سے پہلے یہاں لایا گیا تھا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں بھی آزاد تھے مجھے تیمّم کرنے کا اشارہ کیا، یہاں سے تین مہینوں کیلئے تیمّم کا آغاز ہوگیا. ہمیں صرف پینے کیلئے پانی دیا جاتا تھا، وہ بھی بہت کم مقدار میں جو پینے کیلئے بھی کافی نہ ہوتا تھا. یہ پانی پلاسٹک بوتلوں

میں ہمیں دیا جاتا تھا جو کویت کے روضتین Rawzatain نامی کمپنی نے تیار کیا تھا. نماز کے وقت میں نے اپنے قریب دو نئے قیدیوں کو دیکھا، اور بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک غزنی کا باشندہ مولوی عبدالحنان اور دوسرا مزار شریف کا باشندہ مولوی محمد شریف تھا. دونوں کو پلخمری سے یہاں لایا گیا تھا اور ہمارے احاطے میں اذان فجر سے پہلے ڈالا گیا تھا. دونوں کی داڑھی منڈوائی گئی تھیں، اگر چہ اب وہ ان شکلوں سے مولوی معلوم نہ ہوتے تھے مگر شمالی اتحاد والوں نے انہیں پکڑ کر امریکیوں کے حوالہ کیا تھا. اور انہیں کہا تھا کہ یہ دونوں طالبان تحریک کے سرکردہ لوگ ہیں. انہوں نے کہا کہ شمالی اتحاد والوں نے پہلے ہم سے رشوت کا مطالبہ کیا چونکہ ہمارے پاس دینے کیلئے پیسہ نہیں تھا تو انہوں نے ہمیں آئی ایس آئی کی طرح امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کیا. دوسرے دن اسی مولوی عبدالحنان نے مجھے بتایا کہ ہم بگرام میں ہیں.

نماز فجر کے بعد قیدیوں نے قران شریف کی تلاوت کا آغاز کیا، چونکہ ہمارے پاس قران شریف نہیں تھے تو ہم اذکار صبح میں مشغول ہوئے. جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے کی کوشش کرتے تو کھڑے پہرہ دار ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ہمیں خاموش رہنے کا اشارہ کرتے تھے. صبح کے ناشتے کیلئے انڈوں کی یخنی ہمیں دی گئی، چونکہ ہم آئی ایس ائی کی جیل میں مرچ اور مصالحہ دار ترکاری سے تنگ آ چکے تھے اس لئے یہ یخنی ہمیں غنیمت معلوم ہوئی. پھر حلال کے نام سے پیکٹ بند کھانا، ایک چھوٹی ڈبی میں بند کشمش، تھوڑا سا بسکٹ آدھی افغانی روٹی ہمیں دی جاتی تھیں. یہی ہمارا کبھی دو وقت اور کبھی تین وقت کا کھانا ہوتا تھا. کبھی کبھار وہ ایک مالٹہ، یا ایک سیب بھی روٹی کے ساتھ لاتے تھے. پہلی تحقیق کے دوران میں نے دیکھا کہ امریکی تفتیش کار سیاہ چائے کے ساتھ افغانی روٹی کھا رہا ہے یہ دیکھ کر مجھے شک ہوا کہ شاید ہم افغانستان میں ہیں، میں نے امریکی سے پوچھا کہ ہم کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ تمہیں کیا فکر ہے، میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا کیا ہم امریکہ میں ہیں؟ انہوں نے بتایا نہیں. You are not in America but you are in American hands تم امریکہ میں نہیں لیکن امریکیوں کے ہاتھوں میں ہو. اس کے ساتھ امریکی محقق نے اس خراب کمرے پر نظر ڈالتے ہوئے تمسخر کے لہجے میں قہقہ لگانے کے بعد کہا: Is America like this? کیا امریکہ ایسا ہے؟

میں نے کہا نہیں. اس نے پوچھا تم نے انگریزی کہاں سے سیکھی ہے؟ میں نے کہا پاکستان میں. وہ میری اس بات کو بھی شک کی نظر سے دیکھتا تھا. یہی وجہ تھی کہ میں انگریزی کی بدولت اگرا یکطرف ترجمان کی

غلط ترجمانی سے محفوظ تھا تو دوسری طرف وہ مجھ پر شک کر رہے تھے کہ میں نے لازماً بیرون ملک کا سفر کیا ہے، یورپ یا امریکہ، وہ سمجھتے تھے کہ میں اس بات کو ان سے چھپاتا ہوں، وہ اس بارے میں بار بار پوچھتے تھے لیکن ان کی یہ سوچ غلط تھی. اس مکالمے کے بعد جب میں نے پہلے مکالمے کے وقت اس سے پوچھا تھا کہ کیا ہم افغانستان میں ہیں اس نے مجھے کہا ہاں تم افغانستان میں ہو. اس کے بعد اس نے افغانی روٹی کو جو سیاہ چائے کے ساتھ کھا رہا تھا اٹھا کر مجھے بتایا: کیا یہ روٹی کہیں اور مل سکتی ہے؟ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم؟ اس نے کہا یہ بہت بہترین روٹی ہے، ہمارے وطن میں بھی افغان یہ روٹیاں پکاتے ہیں اور مجھے بہت پسند ہیں.

ناشتے کے بعد سب سے پہلے مجھے پوچھ گچھ کیلئے روانہ کیا گیا دو فوجیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور دوسری منزل پر لے گئے، بہت سے کمروں سے گذار کر تقریباً ہال کے وسط میں واقع کمرے میں داخل کیا دو فوجیوں نے میرے بازو پکڑے تھے اور تیسرا فوجی میرے سامنے تھا. ایک کمرہ جس سے امریکی تفتیش کار آتے جاتے تھے اور اس پر انگریزی زبان میں Blood and Soul (خون اور روح) لکھا ہوا تھا میں ابھی تک اس کا مقصد نہ سمجھ سکا. البتہ اتنا جانتا تھا کہ یہ کمرہ امریکی تفتیش کاروں کا ہے اور قیدیوں کے ساری فائلیں اسی کمرے میں ہیں. قیدیوں کے اجتماعی خانوں میں ایک خانے کے اوپر پنٹاگون، دوسرے خانے پر کینیا و تنزانیہ اور تیسرے خانے پر It will help 11 september یعنی'' یہ گیارہ ستمبر کے حملے یا حالات کے ساتھ معاونت کرے گی'' لکھا ہوتھا، بہرحال مجھے خون اور روح کے قریب واقع کمرے میں داخل کیا گیا وہاں دو افراد میز اور کرسی درست کرنے میں مصروف تھے. یہ یاد رہے کہ اس وقت تک افغانستان میں امریکیوں کو تین ماہ ہو چکے تھے اور انہوں نے ابھی تک اپنا نظام سیٹ نہیں کیا تھا، لہذا جس کمرے میں مجھ سے پوچھ گچھ ہو رہی تھی وہ نہایت خستہ حالت میں تھا، روسیوں کے بعد اسے رنگ و روغن نہیں دیا گیا تھا، پچھلی کھڑکیاں کھلی تھیں چاریکار کی پہاڑی چوٹیوں پر برف دور سے نظر آ رہی تھی، سالنگ سے چلنے والی ٹھنڈی ہوا بھی ہمارے چہروں پر لگ رہی تھی، بہت زیادہ سردی تھی اور میں سردی سے بہت تنگ تھا. تفتیش کار نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا. شخصی معلومات، تعلیم، سکونت اور پیشے کے بارے میں پوچھنے کے بعد سب سے پہلے یہ سوال کیا:

جب پشاور کے ہوائی اڈے میں آئی ایس آئی کے اہلکار تمہیں ہمارے حوالے کر رہے تھے اس وقت پاکستانی اہلکار نے تمہیں کیا کہا اور جواب میں تم نے اسے کیا کہا؟ میں سمجھ گیا کہ ہمارے اور آئی ایس آئی کے

درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس نے سن لی ہے. پشاور ائیر پورٹ میں آئی ایس آئی کے پنجابی اہلکار کی آخری بات جو میرے دل و دماغ پر بہت بری لگی تھی اور تمام عمر اسے بھول نہیں سکونگا اور دل چاہتا ہے کہ اس شخص کو کہیں ڈھونڈ کر گریبان سے پکڑ لوں اور اس سے پوچھ لوں کہ تم نے یہ جملہ کس مذاق اور تمسخر اڑانے کی خاطر بولا تھا؟ اس نے مجھے امریکیوں کے حوالے کرتے وقت یہ جملہ کہا تھا کہ (چلو اللہ تمہارے ساتھ ہے) میں نے جواب میں کہا ''کیا آپ بھی اللہ پر یقین رکھتے ہیں. اللہ یقیناً میرے ساتھ ہیں لیکن تم یاد رکھو کہ بہت جلد اللہ تم کو ہمارے سامنے ذلیل کر دیگا''. جب میں نے یہ بات امریکی تفتیش کار کو بتائی تو اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا یہ تو تمہارے اپنے مسلمان ہی تو ہیں. مجھ سے پہلے تفتیش کرنے والے امریکی کا نام Antonio انٹونیو تھا. اس نے کئی بار مجھ سے پوچھ گچھ کی اور ہماری زندگی کی کہانی سن لی. اس کے زیادہ تر سوالات القاعدہ اور طالبان تحریک کے بارے میں تھے لیکن ہمارے پاس ان کے بارے میں قطعاً معلومات نہیں تھیں. وہ ہماری اس بات پر شک کرتا تھا کہ گویا ہم آئی ایس آئی کے ایجنٹ مولوی کبیر کے ہاتھوں اپنے صوبہ ننگرہار میں نہیں رہ سکتے تھے

.

میرے ساتھ ابتدائی پوچھ گچھ کے وقت ایک چھوٹی داڑھی والا سفید ریش تفتیش کار بھی میرے پیچھے کھڑا تھا. اور کبھی کبھار وہ بھی مجھ سے سوال کرتا تھا. بعد میں بھی کئی بار مجھ سے تفتیش کیلئے آیا لیکن ایک بار اپنے ساتھ ایک اور عمر رسیدہ تفتیشی افسر کو بھی لایا، اس نے کہا کہ میں ویتنام کی جنگ میں بھی شریک رہا ہوں اور کافی تجربہ رکھتا ہوں. وہ مجھے گفتگو کرتے وقت اس کی طرف دیکھنے کا حکم کر دیتا تھا. اس نے یہ بھی بتایا کہ عربی میں ایک ضرب المثل ہے کہ اگر پانی سے بھرا ہوا جام سر پر کافی دیر کیلئے رکھا جائے تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پانی ضرور سر پر گر جائیگا. مطلب یہ کہ جو معلومات میرے پاس ہے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ میری زبان سے ضرور نکلیں گی اسے عربی زبان آتی تھی اور عربی میں بہت اچھی گفتگو کر سکتا تھا مگر وہ ہر چیز کو بلا وجہ شک کی نظر سے دیکھتا تھا.

ELAI ایلائی نامی شخص نے عربی زبان میں مسلم دوست کی ترجمانی کی تھی وہ مجھے ملا اور مجھے بتایا کہ تفتیش بہت اچھی جا رہی ہے، اس نے مسلم دوست کو بتایا تھا کہ وہ عرب عیسائی ہے، امریکی فوج میں کئی سالوں سے کام کر رہا ہے مگر عیسائی ہونے کے باوجود عربیت کی وجہ سے امریکی اس کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کر رہے ہیں اور شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں. بگرام جیل میں ۹ بار مجھ سے پوچھ گچھ ہوئی آخری

بار میرے تفتیش کار Antanio نے بتایا: ابھی یہاں ایک آدمی آئے گا جو آپ کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے. اگر تم نے صحیح معلومات فراہم نہ کی اور جھوٹ سے کام لیا تو وہ آپ کے بارے میں منفی رائے دے گا. اور میرا اس پر کسی قسم کا اختیار نہیں چلتا، میرے ساتھ تفتیش کی یہ ایک چال تھی میں نے اسے بتا دیا میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں میں نے اپنی زندگی کی پوری کہانی آپ کو سنائی ہے. اس کے علاوہ مجھ سے اور کیا چاہتے ہو. اگر کوئی میرے بارے میں معلومات رکھتا ہے اُسے سامنے لاؤ میں کسی سے ڈرتا نہیں. ایک لمحہ بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک تندرست جوان آیا جس نے چھوٹی ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی. اس کے بالوں کا رنگ بھی عجیب تھا یعنی بھورے رنگ کا تھا. اور ہلکے سرخ بال بھی نظر آ رہے تھے. ایسا لگتا تھا کہ مصنوعی بال سر پر لگائے ہیں: آنکھیں سبز تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لینز لگا رکھی ہیں. اس کی جسمانی ساخت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ورزش کرتا رہتا ہے اس نے بھی سادہ لباس پہن رکھا تھا، یہ آدمی میرے بالکل سامنے کرسی پر بیٹھ گئے اور تفتیش کار Antanio میرے بائیں جانب بیٹھ گیا دو مسلح فوجی بھی کھڑے ہو گئے.

انٹونیو مجھ سے میرے کاروبار کے بارے میں پوچھا کرتا رہا اور بالآخر اصل موضوع کی طرف آیا. اس نے کہا یہ آدمی آپ کے بارے میں جانتا ہے کہ تم ’’الوفا‘‘ نامی فلاحی ادارے کے ساتھ کام کرتے ہو. میں نے یہ نام پہلی بار سنا اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا. میں نے کہا میں اس ادارے کو نہیں جانتا، انہوں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ اس ادارے کو نہیں جانتے؟ میں نے اس لئے کہ شرمندہ نہ ہو جاؤں ذہن پر زور ڈالا اور بہت کوشش کی کہ اگر ’’وفا‘‘ کا نام میں نے سن لیا ہو انہیں بتا دوں بہت غور و حوض کے بعد رائیٹرز یونین آف فری افغانستان (wufa) کا نام میرے ذہن میں آیا جو ’’وفا‘‘ کے نام سے کام کرتا تھا ایک وقت میرا بھی اس تنظیم سے رابطہ تھا. میں نے اسے کہا کہ وفا کے نام سے افغانی رائیٹروں کی ایک یونین کو جانتا ہوں اس نے کہا وہ نہیں بلکہ یہ ایک فلاحی ادارہ ہے جو افغانستان میں کام کر رہا ہے. پھر ہمیں کیوبا میں پتہ چلا کہ ’’الوفا‘‘ کے نام سے عربوں کا ایک فلاحی ادارہ افغانستان میں کام کرتا تھا اس ادارے کے کارکنوں کو بھی قندھار اور کیوبا میں دیکھا.

یہ آخری پوچھ گچھ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی، اس میں عجیب بات یہ تھی کہ اس پورے گھنٹے میں وہ نیا شخص مسلسل مجھے دیکھ رہا تھا اور ایک لمحے کیلئے بھی اس کی آنکھوں نے حرکت نہ کی. اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی حرکت نہیں کر رہا تھا، ایسا بیٹھا تھا کہ گویا اس میں روح نہیں بلکہ خالی فریم یا بت کی مانند. اس کے بعد تفتیش

کے دوران ہم نے بہت سے افراد کو تفتیش کاروں کے قریب بیٹھے ہوئے دیکھ لیا اور ہمیں معلوم ہوا کہ یہ نفسیاتی ماہرین ہیں، وہ خاموش بیٹھ کر صرف قیدی کی باتوں کو سنتے تھے. بعد میں بعض تعلیم یافتہ لوگوں نے بتایا کہ یہ افراد Mind Science یعنی علم النفس کے اس شعبے کے ماہرین ہیں جو دماغ یا فکر پڑھنے mind readingاور چہرے کی نشانیوں کو پڑھتے ہیں Face reading کہ ذریعے سچ اور جھوٹ معلوم کرتے ہیں، علم النفس کے اس شعبے کو ٹیلی پیتھی Telepathy اور مسمریزم masmarism بھی کہا جاتا ہے، جو ارتکاز کے زور سے معلومات حاصل کرتے ہیں. جامد اور سخت چیزوں کو بھی توڑ ڈالتے ہیں. یہ ضروری نہیں کہ وہ سو فیصد کامیاب ہوں کیوں کہ ہمیں سچ بولنے کے باوجود کیوبا بھیجا گیا.

ایک بار میرے تفتیش کار انٹونیو کو غصہ آیا اور کہا. میری فائل کو زور سے ٹیبل پر مار کر کہا تمہیں اپنے آپ کے بارے میں اتنی معلومات نہیں جتنی میرے پاس ہے. میں نے اسے کہا جو کچھ آپ مجھ سے اگلوانا چاہتے ہیں وہ میرے پاس نہیں، آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم میرے زندگی کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو؟ مجھے اس کی اس بات پر ہنسی بھی آئی اور مسکرایا، میری مسکراہٹ اس پر بہت بری لگی اور اس کے چہرے میں حقیقی قہر جھلکنے لگا، اس نے چلّا کر پانچ چھ اور مسلح فوجیوں کو بھی طلب کیا اور مجھے دھمکی آمیز، لہجے میں کہا اگر تم نے سچ نہ بولا تو دیکھ لینا کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں میں نے کہا: آپ سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ کہنے کیلئے نہیں. میری اس بات پر تفتیش کار ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کمرے سے اضافی فوجیوں سمیت باہر نکلے اور میرے کمرے میں صرف دو مسلح گارڈ رہ گئے. کچھ دیر بعد ایک مسلح فوجی آیا اور دونوں فوجیوں کو کہہ دیا کہ اسے اپنی جگہ پر لے جاؤ.

یہ بات ذہن میں رہے کے ہم پشاور شہر کے قریب اپنے گھر سے پکڑے گئے تھے اور ہمارا معاملہ بالکل صاف ستھرا تھا. تفتیش کے دوران ہمیں اندازہ ہوجاتا تھا کہ امریکی اہلکار کو کونسا سوال اپنی طرف سے اور کونسا سوال ملا جمیل الرحمٰن اخونزادہ کے بھتیجوں کی شیطانیت کے نتیجے میں کر رہے ہیں. وہ بھی اس حقیقت پر پہنچ گئے تھے کہ اصلی مسئلہ کیا ہے لیکن آئی ایس آئی اور ملا جمیل الرحمٰن اخونزادہ کے بھتیجوں کی شیطانیت کی وجہ سے ہمیں گوانتانامو بھیجا گیا. لیکن الحمد للہ ہماری صداقت اور بے گناہی کے نتیجے میں امریکیوں کی تمام کوششوں اور چالوں کے باوجود کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور ہمیں رہائی ملی. منتقلی کے وقت دوسرے قیدیوں کی طرح مار پیٹ، ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور زنجیریں ہمارا بھی نصیب تھا. اس طرح قیدیوں کو جو ذہنی اور

روحانی کوفت ہوتی ہے ہمیں بھی اس کوفت اور پریشانی سے گذرنا پڑا. قندھار میں ہمیں جو جسمانی اور نفسیاتی تشدد سے دوچار ہونا پڑا وہ الگ بحث ہے، ہم نے باگرام میں صرف چودہ دن گذارے لہذا ہمیں بگرام میں قیدیوں کے ساتھ ظلم اور بربریت کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہ ہوئیں پھر بھی ہم نے بگرام میں امریکی فوجیوں کے جو مظالم دیکھے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

قیدیوں کو نیند سے محروم رکھنے کیلئے امریکی فوجی فرش پر زور زور سے ڈنڈے مارتے تھے، اسی طرح خالی پلاسٹک بوتلوں کو بھی ڈنڈوں سے مار کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پھینکتے تھے. اور موسیقی کی آواز کو تیز کرتے تھے تاکہ قیدی آرام سے سو نہ سکے. وہ قیدیوں کی دل آزاری کے لئے ہر وقت قرآن کریم کو دوسری چھت سے نیچے گرا دیتے، اس کے علاوہ تلاشی کے دوران قران کریم کو زور سے زمین پر پٹخ دیتے اور قیدیوں کو گھٹنوں پر بٹھا دیتے.

حاجی ولی محمد صراف پر شدید سردی میں ٹھنڈا پانی ڈالتے تھے اور اسے سونے نہیں دیتے لیکن ہمارے بعد جو قیدی بگرام سے گوانتانامو منتقل ہوئے انہوں نے قندھار اور باگرام میں جسمانی تشدد کے بہت سے قصے بیان کئے جس کے نتیجے میں ۳۴ قیدی اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں. ہمیں گوانتانامو جیل منتقل کرنے کے بعد قیدیوں کو قید تنہائی میں رکھنے کیلئے الگ الگ چھوٹے چھوٹے سیل بھی بنائے گئے ہیں اور بعض دیگر منفی اقدامات بھی اٹھائے گئے ہیں. جس وقت ہم باگرام میں تھے بہت شدید سردی کا موسم تھا اور کمروں کو گرم کرنے کیلئے کوئی بندوبست نہ تھا. مگر بعد میں پورے ہال کو گرم کیا جاتا تھا. مجھے اپنی پوری زندگی میں اتنی سردی نہیں لگی تھی جتنی بگرام جیل میں لگی. ہال کی چھت روسی قبضے کے دوران جنگ میں لگے ہوئے میزائلوں سے جگہ جگہ ٹوٹ چکی تھی. جس کے باعث بارش بھی اندر آتی تھی مگر بعد میں چھت کی مرمت کی گئی جب میں گوانتانامو سے رہا ہو کر ۲۰ اپریل ۲۰۰۴ کو باگرام ایئرپورٹ پر اترا تو میں نے دیکھا کہ باگرام سرے سے نیا بنایا گیا تھا اور جو باگرام ہم چھوڑ کر گوانتانامو بے کو رخصت ہوئے تھے وہ اب بالکل مختلف تھا. بگرام میں امریکیوں کی دو باتوں نے مجھے حیران کر دیا ایک یہ کہ میرے تفتیش کار انٹونیو نے ننگرہار میں ہمارے گاؤں اور پشاور سے وہاں آنے جانے کے بارے میں پوچھا میں نے اسے بتایا کہ غمی وخوشی اور فصلوں کی حاصلات جمع کرنے کیلئے جاتا رہا ہوں تفتیش کار نے مجھ سے پوچھا کیا پشاور سے ہلمند تک آنا جانا مشکل کام نہیں؟ میں نے کہا ہم ہلمند کیوں جائیں؟ اس نے کہا کیا ہلمند ننگرہار میں نہیں؟ اس پر میں بڑا حیران ہو گیا اور کہا کہ اگر تمہاری

معلومات کا یہی حال ہو تو تم لوگوں کا بیڑہ غرق کر دو گے. انہوں نے کہا میں نقشے سے مدد لوں گا. بعد میں مجھے بتایا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے.

دوم یہ کہ جب ہم بگرام میں تھے ریڈ کراس کے اہلکار دو دفعہ وہاں آئے دونوں بار عقوبت خانے کے اندر آنے سے پہلے مجھے، مسلم دوست صاحب اور حاجی ولی محمد کو اوپر تفتیشی کمرے میں لے گئے وہاں ہم پر مسلح پہرہ دار کھڑے کئے اور کمرے کے دروازے کو بند کر دیا تین چار گھنٹے بعد یعنی جب ریڈ کراس کے اہلکار چلے جاتے تو ہمیں دوبارہ نیچے اجتماعی قید خانے میں لے آتے. ہمیں پہلی بار اس وقت پتہ چلا کہ نیچے موجود قیدیوں کو ریڈ کراس نے کارڈز دیے تھے. اور کلائیوں پر سیریل نمبر باندھے تھے. بعد میں جب ریڈ کراس کے اہلکاروں سے قندھار میں ہماری ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں پتہ چلا تھا کہ بعض قیدیوں کو ہم سے خفیہ رکھا جا رہا ہے. لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے امریکی اہلکاروں کا مقصد یہ تھا کا اگر ہم ان کی نظروں میں اہم لوگ ثابت ہوئے تو یہ بات ریڈ کراس کے ریکارڈ میں نہ آئیں اور ان ہی لوگوں کے ساتھ گم ہو جائیں جو ابھی تک گم ہیں اور امریکی خفیہ جیلوں میں بند ہیں، جن میں القاعدہ کے سرکردہ افراد سرفہرست ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں امریکی اہلکار کچھ بولنا نہیں چاہتے اور نہ ہی ذرائع ابلاغ کو ان کے بارے میں معلومات فراہم کر سکتے ہیں. نہ عام افراد ان کے بارے میں بول سکتے ہیں مگر حکومتی پالیسی یہ ہے کہ ان کے بارے میں خاموش رہا جائے. یہ وہ افراد ہے جن کو پکڑنے سے پہلے خفیہ اداروں نے موت یا عمر قید کی سزا سنائی ہے. لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ یہ افراد لوگوں کی نظروں میں نہ آئیں اور ہمیشہ کیلئے مٹی کے نیچے دب جائیں. یہاں پر یہ بات واضح کرتا چلوں کہ ریڈ کراس کا نمبر لگنے کے بعد قیدی کو جنیوا کنونشن کے تحت جنگی قیدی کا درجہ اور قوانین کا نفاذ لاگو ہو جاتا ہے لیکن امریکیوں نے تمام حقوق کو پامال کر رکھا ہے.

کیوبا میں ہمارے ساتھ مراکش کا ایک قیدی تھا جس کا نام ابو احمد المغربی تھا. وہ ویزہ لے کر بزنس ٹور پر پاکستان گیا ہوا تھا. یہ وہ شخص ہے جو دیگر چار افراد کے ساتھ پکڑا گیا تھا. اس نے کہا کہ جب ہمیں اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر لایا گیا تا کہ ہمیں امریکیوں کے حوالے کیا جائے تو عشاء کی نماز کا وقت تھا ہمارے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے، آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی تھی. ہم نے آئی ایس آئی کے اہلکاروں سے نماز پڑھنے کی اجازت مانگی لیکن انہوں نے اجازت نہ دی. میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہا کہ آذان دو، اس نے بلند آواز سے آذان دی. میں نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور دوسرے میرے پیچھے کھڑے ہوئے اور نماز

عشا باجماعت ادا کی. آئی ایس آئی کے اہل کاروں نے ہمیں قبلے کی سمت بھی نہ بتائی. ایکبار تو انہوں نے ہمیں کہا نماز مت پڑھو طیارے کی پرواز کا وقت ہے. وہ امریکی طیارے کے منتظر تھے. ابواحمد نے کہا کہ ہم نے ان کی باتوں کو اہمیت نہ دی اور نماز کیلئے کھڑے ہوئے میں نے سورہ الفاتحہ پڑھنے کے بعد منافقین کے بارے میں قران کریم کی آیتیں زور زور سے تلاوت کی. ابواحمد نے کہا یہ عجیب منظر تھا آئی ایس آئی کے منافقین امریکی طیارے کی آمد کے منتظر کھڑے تھے اور ہم ہتھکڑیوں کے ساتھ بند آنکھوں سے نماز پڑھنے کا عجیب مزے لے رہے تھے. کچھ دیر بعد طیارہ پہنچ آیا طیارے میں لیجانے سے پہلے امریکیوں نے آئی ایس آئی کے اہل کاروں کو ۲۵ ہزار ڈالر انعام کے طور پر دیئے.. وہ کہتے ہیں کہ ڈالرز کی گنتی ہمارے سامنے ہوئی. ہم نے سنا کہ امریکی نے اپنا آخری جملہ یوں بیان کیا:

Thisis twenty five thousand US dollars یہ پچیس ہزار امریکی ڈالرز ہیں.

ابواحمد نے بتایا کہ ہمیں بھی ریڈ کراس کے اہلکاروں سے چھپایا تھا. ایک بار ریڈ کراس کا عملہ آیا ہمارے کمرے کے دروازے کے سامنے جس کو باہر کی طرف سے تالہ لگایا گیا تھا اور اس کے سامنے مسلح پہردار کھڑے تھے. ریڈ کراس کے اہلکاروں نے پوچھا کہ کیا یہ دروازہ کسی خاص مقصد کیلئے بند کیا گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں.

ابواحمد المغربی نے بتایا کہ جب ہمیں بگرام ایئرپورٹ لایا گیا تو ہمارے ایک ساتھی کو منہ پر لات مار کر بری طرح زخمی کر دیا. لات مارتے وقت ایک امریکی فوجی نے دوسرے فوجی سے کہا: دیکھو چھوٹے عرب کو سر پر لات مارنا کتنا اچھا لگتا ہے؟ مجھ سے آخری تفتیش کے بعد ہم تین دن اور بھی بگرام میں تھے. باگرام میں مسلم دوست صاحب سے بھی مختلف قسم کی تفتیش اور پوچھ گچھ کی گئی. اسے مجھ سے دور کسی اور کمرے میں منتقل کیا گیا. اس کی ترجمانی مختلف افراد نے کی ان میں سے ایک طالبان حکومت کی وزارت خارجہ کے سابق اہلکار محمد قاسم حلیمی تھا وہ جامعہ ازہر سے پڑھا تھا اور اسے کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا. ایک دن مجھے بھی اس کے کمرے میں لے جایا گیا. وہاں حلیمی صاحب اور ایک عرب باشندہ جس کا نام ایمن تھا بیٹھے ہوئے تھے. ہیٹر جل رہا تھا. وہاں بیٹھ کر میرے کان بھی گرم ہو گئے. حلیمی صاحب نے مجھے بتایا کیا تم بھی اس مولوی صاحب کے بھائی ہو جو مدارس کا منتظم ہے، میں نے کہا کونسا مولوی صاحب؟ اس نے مسلم دوست صاحب کا نام لیا میں نے اثبات میں جواب دیا، اس نے مجھ سے پوچھا کیا چائے پینا پسند کرو گے؟ میں نے ہاں کر دی جب وہ چائے

بنا رہا تھا تو اسی وقت ایک فوجی کمرے میں داخل ہوا مجھے بازوؤں سے پکڑ کر نیچے اپنے کمرے میں لے گیا. بعد میں معلوم ہوا کہ مجھے وہاں صرف اس لئے لے جایا گیا تھا کہ معلوم کر سکیں کے میں اہم افراد میں سے نہیں ہوں جلیمی صاحب نے مسلم دوست کے علاوہ بعض دوسرے قیدیوں کی بھی ترجمانی کی ہے اور بکری اور باز کا معاملہ بھی ان کے ذریعہ حل ہوا تھا. اب میں قلم مسلم دوست کے حوالہ کرتا ہوں.

قندھار کی طرف سفر

عرب قیدیوں کو ہم سے ایک دن قبل جیل کے کمروں سے نکالا گیا اور دہلیز میں ایک قطار میں گھٹنوں کے بل بٹھایا گیا. سروں پر ٹوپیاں پہنائی گئی ہاتھوں کو پیچھے کیطرف باندھا گیا اور پاؤں میں بیڑیاں پہنائی گئی کافی انتظار کے بعد انہیں کہیں لے جایا گیا. جس کے بارے میں ہمیں تیرہ دن بعد پتہ چلا ۲۰۰۲/۲/۲۱ تاریخ کو ہمیں بھی دیگر ۱۳ افراد کے ہمرا اس طرح کمروں سے نکال کر دہلیز میں قطار میں کھڑا کر کے باندھا گیا. بیڑیاں پہنائی گئی اور سروں کو پلاسٹک کی تھیلیوں سے ڈھانپا گیا اور آنکھوں و کانوں کو بھی باندھا گیا. اس حالت میں کئی گھنٹوں کے بعد ایک خاتون فوجی کے کہنے پر واپس کمروں میں بھیجا گیا. آپس میں باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ آج موسم طیاروں کی پرواز کے لئے مناسب نہیں. اگلے روز دوبارہ یہی عمل دہرایا گیا اور بندھی ہوئی حالت میں طیارے میں سوار کرایا گیا اور طیارہ فضا میں اڑنے لگا بعض قیدیوں کا خیال تھا کہ ہمیں گوانتانا مولیجایا جا رہا ہے لیکن میرا دل کہہ رہا تھا کہ ہمیں قندھار منتقل کیا جا رہا ہے. کچھ دیر بعد جہاز قندھار کے ہوائی اڈے پر اترا. جہاز سے ہمیں بہت بے دردی اور سختی سے اتارا اور ایک ریت کے ڈھیر پر منہ کے بل گرایا. ریت بہت ٹھنڈی تھی اور یخ بستہ ہوائیں بھی چل رہی تھیں. ہم دو تین گھنٹے تک ریت پر پڑے رہے اور سردی سے کانپ رہے تھے. پھر دو دو امریکی فوجیوں نے ایک ایک قیدی کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور ٹینٹ کے نیچے بہت بے رحمی سے پٹخ دیا. باگرام میں جو لباس ہمیں پہنا گیا تھا اسے قینچی سے کاٹ کر ہمیں بالکل برہنہ کر دیا گیا ایک خاتون ڈاکٹر آئی اور ہمارا طبی معائنہ کیا اور مخصوص جگہوں پر بھی ہاتھ پھیرایا. برہنہ حالت میں ہمیں یہاں سے دوسری جگہ لے جایا گیا داڑھی، سر اور بھوؤں کے بال منڈوائے گئے. ہمارے پاؤں اور ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، ہمارے لئے یہ کام سب سے زیادہ پریشان کن اور تکلیف دہ تھا. اگر داڑھی کے ہر بال کے عوض ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تو یہ ہمارے لئے آسان تھا. انہوں نے یہ

کام بھی بہت وحشت کے ساتھ کیا سر کے بالوں اور داڑھی کو کہیں چھوٹا اور کہیں بڑا چھوڑ دیا تا کہ ہم بدنما اور بدشکل نظر آئیں. وہ یہ کام قصداً وعمداً کرتے تھے تا کہ ہم کو قلبی کوفت پہنچائی جائے، انہیں پتہ تھا کہ ان کا یہ کام ہمارے دین اسلام، غیرت وحمیت اور کلچر پر استہزاء اور مذاق ہے، انسانیت کے خلاف ہے، حتی کہ حیوان کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرنا جائز نہیں. پھر اسی برہنہ حالت میں ہماری تصویر کھینچی گئی اس کے بعد ایک تفتیش کار آیا اور ہم سے سوالات کرنے لگا.

سوال ایک بے غیرت فارسی بان نے مجھے پشتو زبان میں کہا، کیا تم پھر بھی افغانستان میں رہو گے؟

جواب میں نے اسے کہا ہاں افغانستان میرے آباؤ اجداد کا وطن ہے. یہ تمہارے باپ دادا اور تمہارے آقا کی شخصی ملکیت نہیں کہ تم مجھے یہاں رہنے سے منع کرو.

سوال پھر ایک امریکی نے مجھے کہا تم کب سرنڈر ہوئے ہو؟

جواب میں نے کہا میں سرنڈر نہیں ہوا بلکہ مجھے پشاور میں اپنے گھر سے پاکستان کی آئی ایس آئی والوں نے پکڑ کر آپ کے ہاتھوں فروخت کیا ہے. اس نے میرے نام ولدیت اور سکونت کے بارے میں پوچھا، میں نے ان سب سوالوں کا جواب دیا.

سوال اس کے بعد اس نے کہا طالبان حکومت میں تمہاری کیا ذمہ داری تھی؟

جواب میں نے کہا: طالبان حکومت میں کوئی ذمہ داری انجام نہیں دی. ترجمان نے امریکی تفتیش کار کو میرا جواب ترجمہ کرنے کی بجائے قہر آمیز لہجے میں مجھے کہا سچ سچ بتاؤ. میں نے اسے کہا میں سچ بول رہا ہوں تمہاری طرح میں نے جھوٹ اور دروغ گوئی کا سبق نہیں پڑھا ہے.

پھر دو امریکی فوجی آگئے اور میرے بائیں بغل اور دائیں بغل کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر دونوں بازوؤں کو پیچھے کی طرف مروڑ کر پشت پر رکھ دیئے، اور سر پر ہاتھ رکھ کر زور سے دبایا چونکہ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں اس لئے ہم بہت مشکل سے چلتے تھے راستے میں کیچڑ تھا فوجی خشک جگہ پر چلتے اور ہمیں کیچڑ میں لیجاتے تھے چند منٹ پر پیچ اور مشکل راستہ طے کرنے کے بعد ایک جگہ پر منہ کے بل ہمیں گرا دیا گیا میرے ہاتھوں اور پاؤں سے ہتھکڑی اور بیڑی کھول دی گئی، سر سے سیاہ ٹوپی ہٹائی گئی. مجھے کہا کسی قسم کی حرکت نہ کرنا. اس آواز کے بعد وہ پیچھے کی طرف دوڑ پڑے اور خاردار گیٹ کو پیچھے کیطرف سے

بند کر دیا. پھر باہر سے مجھے آواز دی کہ اٹھو، میں اٹھ گیا. دو عدد کمبل باہر کیطرف سے پھینک دیئے گئے. کویت کی روضتین کمپنی کی پانی کی ایک بوتل بھی اندر پھینک دی. میں نے جب ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ہر طرف کانٹا تار کی رکاوٹیں نظر آئیں کانٹا تار سے قیدیوں کے رہنے کیلئے خیمے بنائے گئے تھے جن پر ترپال ڈالے گئے تھے مگر یہ ترپال نیچے تک نہیں پہنچ رہے تھے اور یوں ارد گرد کے علاقے نظر آتے تھے. جب میں نے ادھر ادھر دیکھا تو پتہ چلا کہ کانٹا تار سے بنے یہ خیمے کافی تعداد میں بنائے گئے ہیں. میرے قریب خیمہ میں چند قیدی سوئے پڑے تھے. میرے بھائی استاد بدر کو مجھ سے دور دوسرے خیمے میں ڈالا گیا تھا اور حاجی ولی محمد کو دائیں جانب واقع سامنے خیمے میں دو اور قیدیوں کے ساتھ ڈالا گیا تھا. قندھار میں یہ امریکیوں کا عارضی قید خانہ تھا، اس کے ارد گرد مٹی سے بنی ہوئی دیوار تھی جس کی اونچائی تقریباً دو میٹر کے برابر تھی. اس دیوار کے قریب اور ہر خیمے کے ارد گرد کانٹا تار کی رکاوٹیں بنائی گئی تھیں. کانٹا تاروں سے بنائی گئی یہ رکاوٹیں عام تاروں سے نہیں بلکہ امریکہ کے خصوصی کانٹا تاروں سے بنائی گئی تھیں جن میں تیز دھار والے چھوٹے چھوٹے چاقو اور کانٹے لگے ہوئے تھے. ہوائی اڈے میں طیاروں کی آمد و رفت دور سے نظر آتی تھی جن میں زیادہ تر گن شپ ہیلی کاپٹر کے اُڑنے اور لینڈ کرتے وقت شدید گرد و غبار ہمارے اوپر پڑتا تھا. کبھی کبھار فوجی اپنی مشقیں بھی کرتے تھے. جیسا کہ فضا میں کھڑا کرنا رسی کے ذریعہ بڑے بڑے ڈرموں میں نیچے اترنا وغیرہ وغیرہ. کیمپ کے ارد گرد لکڑیوں سے بنے ہوئے اونچے اونچے مورچے تھے جن میں مسلح فوجی دوربینوں کے ساتھ پہرہ دے رہے تھے.

مجھے اس خیمہ نما کمرے میں رات کے آخری حصے میں ڈال دیا گیا تھا. میں نماز فجر کے انتظار میں بیٹھ گیا. فجر طلوع ہونے کے بعد سب سے پہلے نماز پڑھی اور ذکر الہی میں مشغول ہو گیا. جب روشنی پھیل گئی تو میرے قریب پڑے ہوئے قیدیوں کو دیکھ کر انہیں پہچان لیا، یہ وہ عرب قیدی تھے جو باگرام میں میرے ساتھ تھے. اگرچہ قیدیوں کو آپس میں بات کرنے کی اجازت نہیں تھی اور مسلح پہرہ دار کانٹا تار خیموں کے درمیان گشت کرتے رہتے تھے مگر موقع ملتے ہی میں نے ایک قیدی سے پوچھا کیا یہ قندھار ہے؟ اس نے کہا ہاں، قندھار ہے.

قندھار میں تحقیق اور گھٹیا الزامات

جیسا کہ پہلے بتا چکے ہیں کہ ہم نے پاکستانی آئی ایس آئی کے خصوصی عقوبت خانوں کے تنگ

وتاریک کمروں میں تین ماہ اس حال میں گزار دیئے تھے کہ ہمیں دن رات کا پتہ نہیں چلتا تھا اور سورج کی روشنی کہیں سے بھی نظر نہ آتی تھی۔ اس کے بعد بگرام کے امریکی عقوبت خانے میں بھی پندرہ دن اسی حالت میں گزارے تھے لیکن جب قندھار پہنچے تو صبح طلوع ہونے کے بعد سورج نظر آنے لگا ہم نے پورا دن گرم دھوپ میں گذارا۔ سورج نے بھی ہمارے لئے اپنا آغوش کھول رکھا تھا کیوں کہ آسمان پر کہیں بھی بادل موجود نہ تھا۔ پہلے دن مجھے تفتیش اور پوچھ گچھ کیلئے پیش کیا گیا۔ جب میرے سر سے سیاہ ٹوپی ہٹائی گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والا جوان تفتیش کار میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ امریکی باشندہ نہیں، اسے فارسی زبان بھی آتی تھی۔ اس نے کہا کہ میں فرانس کا باشندہ ہوں اور فارسی بھی جانتا ہوں اس نے پرانے سوالات کے علاوہ مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ تمہارا وہ بھائی کہاں ہے جو تمہارے ساتھ پکڑا گیا تھا؟ میں نے کہا یہی سوال تو میں تم سے کر رہا ہوں کہ میرا بھائی کہاں ہے؟ کیوں کہ وہ تو تمہارے پاس ہے، اس نے کہا ہاں وہ ہمارے قبضے میں ہے اور یہی موجود ہے۔

پھر اس نے مجھے بتایا کہ مجھے یقین ہے کہ تم دونوں بھائی سچ بولو گے۔ میں تمہاری ساری فراہم کردہ معلومات فائل میں لکھ دیتا ہوں۔ اس سے آگے مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوگا، کیوں کہ فیصلہ دوسروں کے ہاتھوں میں ہے۔ ہمیں بار بار تفتیش اور پوچھ گچھ کیلئے پیش کیا جاتا تھا۔ دو کے علاوہ سارے تفتیشی افسر امریکی تھے۔ فرانسیسی تفتیش کار کے علاوہ ایک اور تفتیش کار بھی تھا جس کا رنگ گندمی اور ہونٹ بڑے بڑے تھے۔ دیکھنے میں پاکستانی لگتا تھا، پھر میں نے اسے گوانتانامو میں بھی دیکھا جہاں اس نے میرے ساتھ اردو میں بات بھی کی وہ انتہائی بدسلوک شخص تھا۔ قندھار میں مجھ سے جو سوالات پوچھے گئے اگر چہ اکثر پرانے تھے لیکن کچھ نئے سوالات بھی تھے جو درج ذیل ہیں۔

سوال کیا تم کسی اور ملک گئے ہو؟

جواب جی ہاں میں پاکستان میں مہاجر ہوں، سعودی عرب حج کیلئے گیا ہوں۔

سوال کیا تمہارا بھائی استاد بدر امریکہ یا کسی اور ملک جا چکا ہے؟

جواب نہیں۔

سوال کیوں نہیں، تم چھپا رہے ہو.. وہ ضرور بیرون ملک جا چکا ہے۔

جواب: تمہارا یہ کہنا صحیح نہیں آخر تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟

سوال کیا آپ کے کے گھر میں ٹیلیفون تھا؟

جواب ہاں ہم جس گھر میں کرائے پر رہ رہے ہیں وہاں لگا ہوا ہے۔

سوال کیا نمبر ہے؟

جواب میں نے ٹیلفون کا نمبر بتایا۔

سوال کیا تمہارے پاس موبائل یا سیٹلا ئٹ فون تھا؟

جواب نہیں۔

سوال ضرور تھا۔

جواب تمہارا یہ کہنا غلط ہے، اگر میرے پاس ہوتا تو میں ضرور بتا دیتا کیوں کہ ٹیلی فون رکھنا کوئی جرم نہیں۔

اس نے بہت تشدد کیا مجھ پر چیخیں ماری اور کہا جلدی کرو سیٹلا ئٹ فون کا نمبر بتاؤ۔ جب مجھے بہت تنگ کیا گیا تو میں نے کہا لکھو۔ اس نے قلم اور کاغذ ہاتھ میں پکڑ کر بہت خوشی سے کہا کہ بتاؤ، میں نے کہا: میرے سٹلا یٹ فون کا نمبر ہے زیرو، زیرو، زیرو، ون، ون، ٹو، ٹو، ٹو، تھر، تھری، تھری، چار تک پہنچا تو اس نے لکھنا بند کر دیا اور مجھے کہا کہ تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو؟ میں نے کہا آپ خود اس کے لئے مجبور کر رہے ہیں آپ خود جھوٹ بولتے ہیں اس لئے دوسرے کا سچ بھی تمہیں جھوٹ لگتا ہے۔ میں نے تو تم سے کہا کہ میرے پاس سیٹلا ئٹ فون نہیں مگر تم نہیں مانتے اور مجھ پر تشدد کرتے ہو کہ تم ضرور نمبر بتاؤ!!!

سوال کیا تمہارے بھائی کے پاس سیٹلا ئٹ یا موبائل فون تھا؟

جواب اس کے پاس موبائل فون تھا لیکن سیٹلا ئٹ نہیں تھا۔

سوال کیوں نہیں اس کے پاس سیٹلا ئٹ فون لازماً تھا لیکن تم ہمیں بتلانے سے انکار کر رہے ہو۔

جواب میں نے کہا اس کے پاس سیٹلا ئٹ فون نہیں تھا۔

سوال تم تو اپنے بھائی کا دفاع کرتے ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ امریکہ اور یورپ بھی چلا گیا ہو اور سیٹلا ئٹ فون بھی اس کے پاس ہو لیکن تمہیں اس کے بارے میں معلومات نہ ہو۔

جواب مجھے ہر چیز معلوم ہے وہ میرے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے دونوں ایک ہی گھر میں پلے بڑھے

ہیں نہ وہ امریکہ اور یورپ گیا ہے اور نہ ہی اس کے پاس سیٹلائٹ فون ہے. امریکہ اور یورپ جانا اور سیٹلائٹ فون رکھنا کوئی جرم تو نہیں.

سوال کیا تم اور تمہارے بھائی دونوں ایک گھر میں رہتے تھے؟

جواب ہاں.

سوال تمہارے گھر کا نقشہ کیسا تھا، تمہارا کمرہ کہاں تھا اور اس کا کمرہ کہاں تھا؟

جواب اگر چہ میں نقشہ نہیں کھینچ سکتا ہوں لیکن پھر بھی نقشہ کھینچ کر اسے بتا دیا کہ میرا کمرہ یہاں اور اس کا کمرہ وہاں تھا.

سوال کیا تمہارے اور تمہارے بھائی کے درمیان کبھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے؟

جواب ہاں.

سوال آخر میں کون جیت جاتا ہے.؟

جواب کبھی میں اور کبھی وہ.

تفتیش کار بولا میں بھی اپنے بھائی کے ساتھ ایسا ہوں.

ایک سرخ چہرے اور سفید آنکھوں والے تفتیش کار نے یخ بستہ ٹھنڈی ہوا میں مجھے زخمی گھٹنوں پر بٹھایا میرے ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر زمین پر منہ کے بل گرا دیا. وہ میری کمر پر کھڑا ہو گیا. کچھ دیر بعد مجھے اٹھا لیا. میرے ہاتھ اور پاؤں باندھے گئے تھے. اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھا تا کہ جواب نہ دے سکوں. ایک کان میں منہ رکھ کر چیختے چلاتے مجھے انتہائی گندی گالیاں دیتا رہا اور دوسرے کان میں ترجمان اس کی ترجمانی کرتا رہا، لیکن ترجمان اس سے بھی زیادہ تیز آواز نکالتا تھا. اور میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں اس کی ہوا خارج نہ ہو جائے وہ یہ اس لئے کر رہا تھا کہ اپنے آپ کو وفادار غلام دکھائیں اور اپنے آقا کو خوش رکھے. زیادہ گالیاں دینے کے بعد ایک اور امریکی فوجی کو دوسرے خیمے سے بلایا گیا.

سوال اس نے فوجی کوٹ باہر اتارا اور پھر اندر آیا اور مجھ سے کہا تم جانتے ہو میں کون ہوں.

جواب نہیں میں تمہیں نہیں جانتا.

محقق خود جواب دیتے ہوئے کہنے لگا میں ایک امریکی ہوں اور میری بہن گیارہ ستمبر کے واقعہ میں

ماری گئی ہے، تم لوگوں نے ہمارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو تباہ کر دیا ہے، امریکیوں کو مار ڈالا ہے. اسامہ کو پناہ دے رکھی ہے اور غیر ملکیوں کو رکھا ہے میں نے جواباً کہا: جن لوگوں نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر تباہ کیا ہے آپ کو معلوم ہیں ہم نے تباہ نہیں کیا ہے، اس سانحہ میں تمہاری بہن ہلاک ہوئی یہ اچھا نہیں ہوا بہتر یہ ہوتا کہ اس میں تم ہلاک ہو جاتے.

اچھا ایسا بھی کہتے ہو وہ سخت طیش میں آیا اور غصے سے اس کا سرخ رنگ کالا ہوا.

سوال: اس نے مجھے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری گرفتاری کے بعد تمہارے گھر میں کیا ہوا ہے؟ وہ چاہتا تھا کے میرے دل میں پریشانی پیدا کرے.

جواب نہیں، مجھے نہیں معلوم.

سوال پتہ چل جائے گا تمہارے گھر والوں کو کون کھانا دے گا؟

جواب پہلے بھی اللہ تعالی دیتا تھا اب بھی وہی دے گا. اس نے تمسخرانہ انداز میں اپنا سر ہلایا اور کہنے لگا: اب تمہارے بچے بھوکوں مریں گے. اور تم ہمارے جیل میں سڑو گے.

سوال تفتیش کار نے مجھے کہا کہ تمہارے گھر میں اسلحہ تھا لیکن تم انکاری ہو.

جواب: نہیں یہ جھوٹ ہے ہمارے گھر میں دو پستولوں کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا.

سوال تمہارے بھائی بدر نے اعتراف کیا ہے اور سب کچھ ہمیں بتا دیا ہے لیکن تم انکار کر رہے ہو، وہ عنقریب رہا ہو کر اپنے گھر چلا جائے گا اور تم کو بہت دور گوانتانامو میں قید کر دیا جائے گا. وہاں ایسے لوگوں کے ساتھ تمہارا واسطہ پڑے گا جن کی زبان تمہیں نہیں آتی وہ تمہارے ساتھ بہت سختی کریں گے اور تم بالآخر اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے.

جواب یہ بات جھوٹ ہے، ہمارے گھر میں کوئی ہتھیار نہ تھا اور میرا بھائی جھوٹ نہیں بول سکتا.

سوال اس نے مجھ پر آنکھیں نکالی اور کہنے لگا کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟

جواب ہاں تم جھوٹ بولتے ہو اس نے ایسا کوئی اعتراف نہیں کیا ہے.

محقق کرسی سے اٹھ کر غصے کی حالت میں ادھر ادھر گھومنے لگا اور آئی ایس آئی کی کٹھ پتلیوں **جماعة الدعوة** کی طرف سے جھوٹ پر مبنی رپوٹ اٹھا کر کہنے لگا: دیکھو ہمارے پاس یہ لسٹ اور گواہ موجود ہیں کہ تمہارے گھر میں ہتھیار موجود تھے اور تم انکاری ہو.

جواب اگر ہمارے گھر میں ہتھیار تھا تو تمہارے کٹھ پتلیوں آئی ایس آئی کے اہلکاروں نے تلاشی کے وقت کیوں برآمد نہیں کیا؟ انہوں نے تو ہمارے سارے گھر کی تلاشی لی اور ایک انچ جگہ بھی تلاشی کے بغیر نہیں چھوڑی.

محقق: تمہارے گھر میں اس لسٹ کے مطابق سارے ہتھیار موجود تھے لیکن تم جھوٹ بول رہے ہو.

مسلم دوست: اس لسٹ میں کونسے ہتھیار ہے؟

محقق: راکٹ لانچر، ہاوان، توپ، پیکا، زیکاویک، دھشکہ، بارودی سرنگ دستی بم اور دیگر مختلف النوع اسلحہ.

مسلم دوست: یہ تو بہت ناقص لسٹ ہے، ہمارے گھر میں تو دو قسم کا اور بھی اسلحہ موجود تھا.

محقق: کونسا؟

مسلم دوست: ٹینک اور بمباری کرنے والے طیارے.

محقق: تم پھر ہمارا مذاق اڑا رہے ہو.

مسلم دوست: تمہارا مذاق تو ان لوگوں نے اڑایا ہے جنہوں نے یہ لسٹ تمہیں دی ہے. ہمیں پشاور شہر میں اس قسم کے ہتھیاروں کی کیا ضرورت تھی؟

امریکیوں سے سوال وجواب کی جنگ

مسلم دوست: پشتو زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ بارش تو تیراہ میں برسی اور گدھیاں یالڑہ موڑہ کی بہہ گئیں، عجیب بات تو یہ ہے کہ امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا ہوا ہے اور ہم نے ہتھیار پشاور میں اپنے گھر میں چھپا کر رکھے ہیں۔

محقق: اس کے بعد اس نے مجھے چند تصاویر دکھائی ایک تصویر میں بڑے قلعے کی تصویر تھی اس میں بڑا گیٹ لگا ہوا تھا، دیواروں پر کانٹا تار لگائی گئی تھی اور اس پر بجلی کی تاریں بچھائی گئی تھیں، وہاں ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی جس پر ایک قیدی کو ہاتھ پاؤں اور بدن کے ہر جوڑ سے باندھا گیا تھا.

مسلم دوست: میں نے اسے کہا یہ جگہ تو میں نے نہیں دیکھی ہے.

محقق: مجھے معلوم ہے کہ تم نے نہیں دیکھی ہے لیکن بات یہ ہے کہ اگر تم نے سچ نہ بتایا تو تمہیں بھی اسی جگہ پر بھیج دیا جائے گا یہ امریکہ میں بہت بُری جیل ہے، وہاں قیدیوں کو سخت سزائیں دی جاتی ہیں، اعتراف کرلو ورنہ تمہیں بھی اسی جگہ بھیج دیں گے.

مسلم دوست: میں کس بات کا اعتراف کروں؟

محقق: اس بات کا اعتراف کہ تمہارے گھر میں کتنا اسلحہ تھا اور کدھر گیا؟

مسلم دوست: جب مجھے بہت تنگ کیا گیا تو مجھے غصہ آیا اور کہا : گھر میں بھی میرے پاس دو قسم کے ہتھیار تھے اور یہاں بھی میرے پاس وہی ہتھیار ہیں.

محقق: کونسا؟ (بڑے تعجب میں پوچھا).

مسلم دوست: میرے پاس ایک میزائل اور دو دستی بم ہیں جو اس وقت بھی میرے ساتھ ہیں.

ترجمان نے میری اس بات کا مقصد اسے بتایا، یہ سن کر بے ساختہ اس کے منہ سے قہقہہ بلند ہوا اور اتنا ہنسا کہ قریب تھا کرسی کے ساتھ پیچھے کی طرف گر جائے. وہ میرے غصے کو سمجھ گیا اور میری اس بات سے مذاق بنالیا، خیمے کے باہر ایک خاتون فوجی تھی اسے بلایا اور کہا کہ یہ قیدی یہ کہہ رہا ہے.....بے حیا خاتون سپاہی مجھے کچھ کہنے لگی. ترجمان سوچ میں پڑ گیا، اور پھر کہنے لگا کہ یہ خاتون فوجی کہہ رہی ہے کہ اس میزائل سے میرے مورچے کا نشانہ بنالو. میں خاموش ہو گیا اور اسے کچھ بھی نہ کہا.

اگلے روز پھر پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رہا. اس بار تفتیش کرنے والا شخص کوئی اور تھا اور اس کا سلوک بھی ذرا نرم تھا، وہ بہت نرم باتیں اور اچھا سلوک کرتا تھا. امریکی تفتیش کاروں کی یہی روش تھی وہ کبھی نرمی اور کبھی سختی کرتے تھے ان کی انتہائی کوشش ہوتی کہ قیدی سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں. اس نے گذشتہ روز کے تفتیش کار کے بارے میں کہا کہ اس نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے میں اس کی مذمت کرتا ہوں.

سوال پھر کہنے لگا کیا تم نے اپنے بھائی کے ساتھ ملاقات کی ہے؟

جواب نہیں.

سوال یہ اتنا مشکل تو نہیں؟

جواب جو کچھ بھی ہے آپ کے ہاتھوں میں ہے.

سوال کیا اپنے بھائی سے ملنا چاہتے ہو؟

جواب ہاں.

مسلم دوست: کچھ دیر بعد میرا بھائی استاد بدر پابہ زنجیر میرے سامنے لایا گیا.

میں تفتیشی خیمے میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا. اسے خیمے کے دروازے میں کھڑا کیا گیا تفتیش کار بھی اس کے ساتھ کھڑا تھا، اس نے مجھے بتایا یہ تمہارا بھائی ہے، جب میں نے اسے دیکھا تو بہت مختلف نظر آیا، غور سے دیکھا تو میں نے اس کو پہچان لیا میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ میں اس کی نظروں میں کیسا لگ رہا تھا اور میرے بارے میں اس کے دل پر کیا گزری ہوگی میں نے داڑھی میں اس کا پروقار چہرہ دیکھا تھا. اب وہ کلین شیو تھا اور چہرہ چھوٹا سا معلوم ہوتا تھا. بہت کمزور اور لاغر لگ رہا تھا. اس کا چہرہ غم سے سیاہ اور زرد نظر آرہا تھا اپنے بھائی کو دیکھنے کی خوشی بھی ہوئی اور ان کی اس حالت اور تشدد پر کپکپی سی طاری ہوئی دل کو صدمہ اور سخت تکلیف پہنچی، اس کی یہ حالت قیامت کے دن تک نہ بھول پاؤں گا اور یہ غم موت کے دن تک میرے دل میں رہے گا. میں اپنے بھائی کے سامنے مسکرایا تا کہ وہ میرے درد کا احساس نہ کرے، میں نے اسے خوش آمدید کہا اور پوچھا کیسے ہو؟

اس نے کہا: الحمدللہ ٹھیک ہوں، بس یہی دو جملے ادا ہوتے ہی پہرہ دار اسے میری نظروں سے دور لے گئے.

مسلم دوست: جب تفتیش کار میرے سامنے بیٹھ گئے تو میں نے اسے کہا: تم تو انسانی حقوق، جمہوریت اور آزادی کے نعرے لگاتے ہو، لیکن یہاں تو انسانی حقوق پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں تم لوگ تو ہمارے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کر رہے ہو؟ آخر یہ سب کچھ کیوں؟ اس نے کہا:

محقق: بڑی بڑی جنگوں ریاستی امور اور ایمرجنسی حالات میں ایسا ہی ہوتا ہے. کبھی کبھی گنہگاروں کے ساتھ بے گناہ لوگوں کو بھی عذاب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے. میں واشنگٹن کو بتا دوں گا کہ یہ دونوں بھائی بے گناہ ہیں اور انہیں آزاد کرایا جائے، لیکن وعدہ نہیں کر سکتا کہ تمہارے ساتھ آئندہ کیا ہوگا مجھے فوجیوں کے حوالہ کر کے دوبارہ اپنے خیمے میں ڈالا.

قندھار میں میرے قیدی ساتھی

قندھار جیل میں چند دن بعد مجھے ہسپتال کے خیمے کے قریبی دروازے کے پاس ایک اور خیمے میں منتقل کیا گیا. میرا بھائی استاد بدر مجھ سے دور ہوائی اڈے کے قریب دیوار کے پہلو میں واقع ایک خیمے میں تھا. میرے ساتھ پہلے حاجی ولی محمد صراف تھا جو پشاور اور بگرام کی جیلوں میں بھی میرے کمرے کے قریب کمرے میں تھا. لیکن قندھار میں ایک ہی خیمے میں تھے، وہ بہت اچھا انسان تھا، اسی خیمے میں ہمارا تعارف ہوا، دوسرا ساتھی ایران کا ایک چرسی شیعہ تھا جس کا نام عبدالمجید تھا. وہ امریکی تفتیش کاروں کو کہتا کہ میں افغانستان منشیات کی خریداری کیلئے آیا ہوا تھا. لیکن ہمیں کہتا کہ مجھے ایرانی حکومت نے جاسوسی کیلئے بھیجا تھا. قندھار میں ایک نانبائی کی دکان میں رہتا تھا، کیمرہ اور دیگر سامان بھی اس کے ہاں رکھدیا ہے؟ بہت احمق اور لاابالی آدمی تھا. پھر گوانتانامو میں صلیب بھی اپنے گردن میں پہنی. وہ امریکیوں کیلئے جاسوسی بھی کرتا تھا. اکثر لوگوں پر جھوٹے الزامات بھی لگاتا تھا. ایک دن ایک ازبک عبداللہ فاریابی کے ساتھ مخالفت کی وجہ سے شیشہ کے ایک ٹکڑے سے اپنے ہاتھوں کو تھوڑا سا زخمی کر کے امریکی فوجیوں کو کہا کہ عبداللہ نے مجھے زخمی کر دیا ہے. وہاں موجود سارے قیدی اور اس کے ہاتھوں کے زخم اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اسی وجہ سے عبداللہ سزا سے بچ گیا.

چند دنوں تک ہم تینوں اکھٹے ایک خیمے کے نیچے رہے پھر مزار شریف کے قاری فضل الرحمان اور اندخوئی کے نور اللہ بھی ہمارے خیمے میں منتقل کیے گئے. یہ دونوں بہت اچھے اخلاق کے مالک تھے. خصوصاً میرے اور نور اللہ کے درمیان تو بہت محبت اور دوستی پیدا ہوئی. ہم آپس میں اپنے حالات زندگی بیان کرتے تھے، پھر گوانتانامو کے آخری دنوں میں ہماری یہ دوستی اور محبت اور بھی گہری ہوئی. نور اللہ بہت قابل، متقی اور اچھے اخلاق کا مالک اور بہترین دوست تھا. ان کے علاوہ جیل میں میرے ساتھ صوبہ پکتا کے مولوی محمد صدیق صوبہ ارزگان کے نور اللہ جو امیر المومنین ملا محمد عمر حفظہ اللہ کے رشتہ دار تھے. دیراوت کے حاجی نظر محمد، خوست کے حاجی خان زمان، پکتیا کے قاری عصمت اللہ، ارزگان کے حاجی امان اللہ، فاریاب کے عبداللہ ازبک، عرب باشندوں مین سے عبدالخالق یمنی، محمد حمادی یمنی، سلمان یمنی، ولید یمنی، صالح یمنی، سعید الجزائری، عبداللہ کردی اور پختونخواہ مالاکنڈ بٹ خیلہ کے طارق تھے.

قندھار کی حالت زار

قندھار میں بھی کوئی انسانی معیار نہیں تھا اور انسانی حقوق پامال تھے۔ ایک چھوٹے سے ترپال کے نیچے بیس قیدی زندگی گذار رہے تھے۔ جب بارش ہوتی تھی تو ترپال کے نیچے قیدی بارش سے بھیگ جاتے تھے، بیٹھنے کیلئے جگہ نہیں ہوتی تھی اور سارے قیدی کھڑے رہتے تھے، یہ ترپال دراصل خیمے تھے لیکن ان سے چوپال بنائے گئے تھے اور اس کے اطراف خالی تھے۔ بارش کے وقت سارا پانی ترپال کے اندر گر پڑتا اور نیچے زمین تر ہوجاتی تھی۔ آسمان صاف ہونے کے بعد بھی چند دنوں تک ترپال سے پانی کے قطرے ٹپکتے تھے۔ ہمیں یہ اجازت نہیں تھی کہ ہم ترپال کو اوپر اٹھا کر جمع شدہ بارش کے پانی کو نیچے گرادیں، بار بار شکایت کے بعد فوجیوں نے قیدیوں کو گھٹنوں کے بل پر کھڑا کرکے ترپال کی ان جگہوں کو چاقو سے چیر ڈالا جہاں پانی کھڑا تھا۔

سخت ہوائیں چلتی تھیں بہت گرد اور غبار اڑتا تھا، نہ وضو کیلئے پانی ہمیں دیا جاتا تھا اور نہ ہی ہاتھ پاؤں اور چہرے کو دھونے کیلئے ہم دیوانوں کیطرح گندے رہ رہے تھے۔ تین آدمیوں سے زیادہ لوگ آپس میں بات چیت نہیں کرسکتے تھے۔ قریب کے خیمے میں موجود قیدیوں کے ساتھ جو ایک دوسرے کو دیکھتے تھے مگر بات چیت نہیں کرسکتے اگر کسی پر شک ہوتا کہ اس نے دوسرے خیمے کے قیدیوں کے ساتھ بات چیت کی ہے یا اپنے خیمے کے اندر موجود قیدیوں میں سے تین سے زائد قیدیوں کے ساتھ باتیں کی ہے تو اسے خیمے سے باہر نکال کر مٹی اور پتھر کے اوپر گھٹنوں کے بل کھڑا کردیتے۔ اور اسے کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو سر پر رکھدیں۔ دو تین گھنٹوں تک دھوپ میں کھڑا رہتا، خیمے سے باہر خالی جگہوں میں تین آدمیوں سے زیادہ قیدیوں کو گھومنے کی اجازت نہیں تھی، اگر تین سے زیادہ قیدی گھومتے پھرتے تو انہیں گھٹنوں کے بل کھڑا کرتے تھے۔ کبھی کبھی تو قیدیوں کو بلاوجہ بھی سزائیں دیجاتی تھی کوئی قانون نہ تھا۔ ہر فوجی کے پاس اپنا اپنا قانون تھا۔ نصف رات میں درجنوں وحشی فوجی آکر خیموں کے ارد گرد کھڑے ہوجاتے اور زور زور سے چلاتے تھے قیدیوں کو کہدیتے کہ جاگ اٹھو، ان کے پاس کتے بھی ہوتے تھے وہ بھی زور زور سے بھونکتے تھے، قیدیوں کو نیند سے جگا کر مٹی میں منہ کے بل گرادیتے۔ ان کے ہاتھوں کو ان کے پشت پر باندھ دیتے، ان کے ارد گرد مسلح فوجی کھڑے ہوجاتے، چند فوجی خیموں کے اندر گھس کر کمبلوں کو ادھر ادھر پھینک دیتے، قرآن کریم کو اٹھا کر زمین پر گرادیتے، سارے خیمے کی تلاشی لیتے اگر کسی قیدی کے کھانے پینے کی کوئی نئ چیز برآمد کرلیتے تو سارے قیدیوں کو گھٹنوں کے بل کئ

کئی گھنٹوں تک کھڑا کر دیتے تلاشی کے وقت پہلے ہر ایک قیدی کو کھڑا کر کے اس کی تلاشی لیتے ، پھر زمین پر لٹا کر سارے بدن کی تلاشی لی جاتی یہاں تک کہ مخصوص اعضاء کی بھی تلاشی لی جاتی تھی. پھر انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر بتا دیتے کہ اپنی جگہ سے کوئی بھی حرکت نہ کرے. فوجی خوف کے مارے پیچھے کی طرف ہٹتے اور خیمے کے دروازے کو باہر کی طرف سے بند کر دیتے. اس کے بعد قیدیوں کو حکم دیتے کہ اُٹھ جاؤ. قیدی مٹی میں لت پت اُٹھ جاتے ، اپنے لباس کو گرد سے صاف کرتے ، قران پاک ادھر اُدھر سے اٹھا کر پاک جگہ پر رکھ دیتے کمبلوں کو ادھر ادھر سے اٹھا کر پھر سے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے سو جاتے تھے. میں ہسپتال کے قریب مریضوں کے خیمے کے نزدیک ایک خیمے میں قید تھا اسی وجہ سے ہمارے خیمے کی تلاشی زیادہ نہ ہوتی تھی. اگر کوئی قیدی اٹھنے میں دیر کرتا تو اسے سزا دیجاتی تھی. ایک رات ایک مریض نے اٹھنے میں دیر لگائی ایک بد اخلاق فوجی آیا اور خیمے کے اندر سارے قیدیوں کو کئی گھنٹوں تک گھٹنوں کے بل کھڑے کر کے سخت سزا دی.

جس قیدی کو پوچھ گچھ اور تفتیش کیلئے لیجاتے تھے تو سب سے پہلے چند فوجی ہتھکڑیاں ہاتھ میں پکڑے ہوئے آتے تھے، دروازے کے قریب قیدی کا نمبر بتاتے ، خیمے میں موجود دوسرے سارے قیدی خیمے سے باہر نکل کر گھٹنوں کے بل ایک دوسرے کو پشت کرتے ہوئے بیٹھ جاتے اور اپنے ہاتھوں کو سروں پر رکھ دیتے ، ان کے سامنے مسلح سپاہی کھڑے ہو جاتے . وہ قیدی جس کو پوچھ گچھ اور تفتیش کیلئے لیجانا ہوتا وہ دروازے کے قریب خود آ کر زمین پر لیٹ جاتا اور ہاتھوں کو پشت کی طرف کر لیتا. چند فوجی بہت تیزی سے اندر داخل ہو کر ایک قیدی کی پشت پر اپنے گھٹنے لگاتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو پکڑ لیتے اور دوسرا فوجی آ کر اس کے پاؤں پر بیٹھ کر ہتھکڑیاں پہناتے پاؤں کو بیڑیاں ڈالتے. مٹی سے بھری ہوئی سیاہ ٹوپی کو اس کے سر پر پہناتے اس کے بعد دو فوجی دونوں جانب سے بغل میں ہاتھ دے کر قیدی کو اٹھا کر اور تفتیش کے لئے لے جاتے اور قیدی کی حالت درمیان میں یوں ہوتی جیسے رکوع کی حالت میں ہو.

اس کے باوجود کہ قیدی کے پاؤں میں بیڑیاں اور دونوں پاؤں کے مابین زنجیریں ہوتی تھیں اور وہ نہیں کر سکتا کہ راستے میں آسانی سے قدم اٹھائے ، لیکن اس مشکل کے باوجود پھر بھی وحشی اور ظالم فوجی اسے تیزی سے جانے پر مجبور کر دیتے ، پیچھے کی طرف سے دھکا دیتے اور کہتے کہ تیز تیز چلو، اکثر اوقات قیدی زمین پر گھٹنوں کے بل گر جاتے اور گھٹنے زخمی ہو جاتے ، راستے میں قیدی کو مار مار کر تیز چلنے پر مجبور کرتے ، وہ بیچارے جگہ جگہ گر پڑتے ، راستے بھی ایسے بنائے ہوئے تھے کہ وہاں اونچ نیچ اور رکاوٹیں زیادہ ہوتی تھیں. راستے پر

پانی ڈال کر گیلا کرتے تا کہ قیدی چلتے وقت پھسلیں، بہت تکلیف اور مشکل سے قیدی تفتیش کے کمرے میں پہنچ جاتے، وہاں تفتیشی افسر کی کرسی صاف ستھری اور قیدی کی کرسی خاک آلود اور گندی ہوتی. قیدی کو اس پر بٹھا کر پوچھ گچھ کا سلسلہ شروع کرتے.

وہاں متعین سارے فوجی بہت بد اخلاق اور ظالم تھے. ایک لیفٹینٹ تھا وہ بہت ظالم اور متکبر تھا، وہ قیدیوں کی حاضری لیتا تھا، سارے قیدیوں کو قطار میں کھڑا کر دیتا پھر ہر ایک کو اپنے اپنے نمبر سے پکارتا. کبھی قیدی کی قمیض کی پشت پر مارکر سے نمبر لکھتا اور کبھی سینے پر اور شرٹ یوں نمبروں سے بھر جاتی. وہ قیدیوں کو کہتا جب تم مجھے دور سے دیکھ لو تو جلدی سے قطار میں کھڑے ہو جایا کرو. اگر کوئی قیدی قطار میں کھڑے ہونے میں تاخیر کرتا تو اسے گھٹنوں کے بل کھڑا کر کے مارتے پیٹتے. وہ ہر قیدی کے کارڈ پر نمبر بھی لکھ دیتا اور کہتا کہ آواز دیتے وقت اپنا کارڈ بھی مجھے دکھائیں، قیدی اسے ریمبو کہتے تھے. ایک اور فوجی جو ابتدائی دنوں میں روتا تھا اور کہتا تھا کہ میں واپس امریکہ جاؤں گا. وہ نفسیاتی مریض بن گیا تھا. قیدیوں کے ساتھ بہت سختی کرتا تھا. قیدیوں کو بلا وجہ مارتا تھا اور سخت سزائیں دیتا. اس کے علاوہ قیدی کو بہت گندی گالیاں بھی دیتا اور زور زور سے چلاتا. ایک دن ایک قیدی کو گھٹنوں کے بل بیٹھنے کو کہا وہ بیچارہ بیٹھ نہیں سکتا تھا. اسے پہلے گالیاں دیں اور برا بھلا کہا، بعد میں دوسری فوجیوں کو بلا کر خیمے کے اندر شدید قہر اور غصے میں داخل ہوا. قیدی کو زمین پر گرا کر بہت مارا، اس کے پاؤں اور ہاتھوں کو زنجیروں سے باندھا اور سر پر سیاہ ٹوپی پہنائی. اور دوسری جگہ لے گیا.

قندھار جیل میں قیدیوں کی خوراک

قندھار کی امریکی جیل میں قیدیوں کے کھانے پینے کا ٹائم ٹیبل کچھ یوں تھا: صبح اور شام کے وقت کسی قسم کا کھانا پینا مہیا نہیں کیا جاتا تھا صرف دوپہر اور آدھی رات کو کھانا دیا جاتا تھا. یہ اس لئے کہ کھانے کے بہانے قیدیوں کو سونے نہ دیا جائے، آدھی رات میں قیدی خواب میں محو ہوتے کہ فوجی چلا چلا کر انہیں کھانے کیلئے جگاتے تھے، کھانے کے لئے بند لفافے میں فوجی کھانا قیدیوں کو دیا جاتا تھا جو چار پانچ سال کا پرانا ہوتا تھا. اسے گرم کرنے کیلئے کوئی انتظام نہیں تھا. بیچارے قیدی ٹھنڈا ٹھنڈا کھاتے تھے. چھوٹا سا خشک کلچہ، چھوٹا سا کیک، پاپڑ، چھوٹے ڈبے میں کشمش یا مونگ پھلی، ایک لمبے پلاسٹک لفافے میں سور کا گوشت، ایک چھوٹے سے لفافے میں مرغی یا گائے کا سخت گوشت اور بسکٹ. باگرام میں ایک اردنی عیسائی ترجمان نے

کہا تھا کہ ان دونوں لفافوں میں بھی سور کا گوشت ہے، یہ دوسرا گوشت بھی حلال نہیں کیونکہ اسلامی طریقے پر ذبح نہیں کیا گیا ہے، امریکیوں نے یہ کھانا اپنی افواج کیلئے تیار کر رکھا ہے. کھانے کے اس پورے لفافے کو MRE جس کا مطلب Meal Raddy Eat کے نام سے پکارا جاتا ہے. کبھی کبھار ایک چھوٹے سے لفافے میں مکرونی، لوبیا یا دال بھی ہوتا تھا. ہم گوشت کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے، پھر اس لفافے کی جگہ دوسرا لفافہ جس پر حلال لکھا ہوا تھا ہمیں پیش کیا گیا، اس میں حلال گوشت اور سبزی بھی ہوتی تھی. ہم اسے حلال سمجھ کر کھا لیتے کچھ وقت بعد شام کے وقت بھی ایک افغانی نان اور تھوڑی سی سبزی کی یخنی پانی کی ان خالی بوتلوں میں جو اصلاً ڈسپوزبل یا پھینکنے کے قابل تھیں مگر فوجی اسے کاٹ کر اوپر والے حصے کو پھینک دیتے اور بوتل کے نچلے حصے میں سبزی کی یخنی ڈال کر ہمیں پیش کرتے تھے، ہم اس خشک روٹی کو اس یخنی میں نرم کر کے کھا لیتے، ہم بوتلوں کے پچھلے حصے کو اپنے پاس رکھ دیتے اور ہر شام پانی سے دھوئے بغیر اس میں سبزی کی یخنی ڈال کر افغانی روٹی کو اس میں بھگو کر کھا لیتے تھے. پلاسٹک کے لفافوں میں سے جو بھی غذا فوجیوں کو پسند آتی اسے نکال کر خود کھا لیتے، اس میں کھانے کو گرم کرنے کیلئے ایک طرح کا کیمکل بھی تھا جو پانی ڈالنے کے بعد گرم ہو جاتا تھا لیکن ظالم اور بے رحم امریکی فوجی اسے بھی لفافے سے نکالتے تھے اور قیدیوں کو نہیں دیتے. یہ کیمیکل ایک دن سہواً ایک قیدی کے لفافے میں رہ گیا تھا.

قیدیوں کا بالٹیوں میں رفع حاجت

قندھار میں قیدیوں کیلئے بنائے گئے خیموں میں رفع حاجت کیلئے ایک یا دو بالٹیاں رکھی گئی تھیں، ہر قیدی رفع حاجت کیلئے اس پر بیٹھ جاتا اور اپنے بدن کو چادر سے ڈھانپ لیتا، جب یہ بالٹی غلاظت سے بھر جاتی تو دن میں ایک یا دو بار دو قیدیوں کو خیمے سے نکال کر ان کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں کھول لیتے، وہ ہر خیمے کے سامنے کھڑے ہو کر بالٹی طلب کرتے، خیمے کے اندر موجود قیدی غلاظت سے بھری بالٹی اٹھا کر کانٹا تار کے خلا میں سے انہیں حوالے کرتے وہ انہیں آگے لے جا کر ایک مشین میں ڈال دیتے. عبدالسلام ضعیف سے یہ کام اکثر و بیشتر کروایا جاتا تھا. اللہ تعالی اسے اجر عظیم عطا کرے. میرے بھائی بدر الزمان بدر بھی اس مقصد کیلئے کہ وہ اس بہانے سے میرے ساتھ ملاقات کرے، غلاظت کی بالٹیاں پھینکنے کے لئے دو تین بار باہر آئے اور اس بہانے ہمارے مابین مختصر سی ملاقات اور علیک سلیک ہوئی. فوجیوں کو معلوم نہ تھا کہ ہم دونوں بھائی ہیں، صرف

تفتیشی افسروں کو اس بات کا علم تھا.

قندھار جیل میں صفائی کا غیر مؤثر انتظام

قندھار جیل میں بھی صفائی کا قطعاً انتظام نہیں تھا. نہ وضو کے لئے پانی دیا جاتا اور نہ ہاتھ دھونے کیلئے. کبھی کبھار اس بوتل کے پانی سے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھو لیتے جو ہمیں پینے کیلئے دیا جاتا تھا جب بھی فوجیوں کو پتہ چلتا تو وہ قیدی کو سخت سزا دیتا اور چند گھنٹوں تک سورج کی گرمی میں گھٹنوں کے بل بٹھا دیتا. ناخن کاٹنے، مونچھ اور زیرِ ناف بال تراشنے کیلئے کوئی انتظام نہیں تھا. آخری دنوں میں بالٹیوں میں تھوڑا سا پانی ڈالکر قیدیوں کو نہانے کے بہانے خیمے سے باہر نکالتے اور ان کو سب اجتماعی طور پر مجبور کرتے کہ برہنہ ہوکر اس پانی سے نہائے. افسوس کی بات یہ تھی کہ بالٹیوں میں موجود پانی ایک تو بہت تھوڑا سا ہوتا تھا دوسرا یہ کہ بہت گندہ ہوتا تھا. جب ہم نے برہنہ نہانے سے انکار کیا تو ایک خاتون فوجی آفیسر نے ہمیں کہا: تم کیوں برہنہ نہیں نہاتے، میں تو اس ارمان میں ہو کہ کوئی شخص ایسا پیدا ہو جو آئے اور میرے سارے کپڑے اتار دے اور مجھے برہنہ کر دے، مگر تم برہنہ نہانے سے انکاری ہو!۔

قندھار میں ڈاکٹروں کا سلوک اور دوائیاں

بیمار قیدیوں کے علاج کا کوئی انتظام نہیں تھا. ہسپتال کے نام پر ایک بڑا خیمہ تھا صرف ان زخمیوں کا علاج اور مرہم پٹی کیجاتی جو امریکی بمباری کی وجہ سے زخمی ہو چکے تھے اور ان کے پاؤں یا ہاتھ ضائع ہو چکے ہوتے. بہت شدید بیمار افراد بھی اس خیمے میں پڑے ہوتے تھے. اگر کوئی بہت شدید بیمار ہوتا تو دوسرے بیماروں کو خیمے سے باہر گھٹنوں کے بل بٹھاتے اور زخمی کو ڈرپ لگاتے، دوسرے بیمار خیمے سے باہر اس وقت تک گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوتے جب تک کہ وہ ڈرپ ختم نہ ہوجاتی. اکثر مریض جب بہت زیادہ شکایت کرتا تو اسے کہا جاتا کہ تمہارا علاج کا کوئی انتظام ہمارے پاس نہیں. بیمار قیدی درد سے تڑپتے رہتے اور اللہ تعالی کو یاد کرتے رہتے. قیدیوں میں کچھ ایسے بھی تھے کہ شدید سردی اور برف کی وجہ سے ان کے پاؤں پر شدید زخم آجاتے. ایک قیدی کا ایک ہاتھ کندھے سے کٹا ہوا تھا. لیکن پھر بھی اسے پوچھ گچھ کیلئے ایسی حالت میں لایا جاتا کہ اس کے ایک ہاتھ کو پیچھے کی طرف دوسری آستین سے بندھا ہوتا اور پاؤں میں بیڑیاں پہنی ہوتیں. دوسرے بیماروں کو صرف درد کی گولیاں دی جاتی تھیں، یہ بھی اسطرح کہ نرسوں کے ہاتھ میں ایک پائپ ہوتا تھا

جسے راہ چلتے چھڑی کے طور پر بھی استعمال کرتے جو کیچڑ میں گندی ہوتی جب نرس خیمے کے قریب پہنچ جاتی تو اس گندے پائپ کو کانٹا تار کے خلا میں سے گزار کر قیدی کے ہاتھ پر رکھا جاتا. دوسری جانب سے پائپ میں ٹیبلٹس ڈال کر مریض قیدی کے ہاتھ میں گرائی جاتی.. پھر قیدی کو ان گولیوں کو کھانے پر مجبور کیا جاتا. جب وہ گولی کھالیتا تو نرس اسے کہہ دیتی کہ اپنا منہ کھولو کہ تم نے یہ گولیاں واقعی کھائی ہے یا نہیں؟ اگر گولی زمین پر گر جاتی تب بھی قیدی کو اس کے کھانے پر مجبور کیا جاتا تھا.

قندھار میں قیدیوں کا لباس

قندھار جیل میں بھی دھاگے سے بنے ہوئے باریک پتلون تھے گاڑیوں کے مستریوں کیطرح یہ پتلون اور قمیض آپس میں سلے ہوئے تھے، رفع حاجت کے وقت پتلون کو قمیض کے ساتھ نکالنا پڑتا تھا موٹے بدن کے قیدیوں کیلیئے یہ لباس بہت تنگ تھا، وہ پتلون کو تو پہن لیتے مگر قمیض کو نہیں پہن سکتے تھے، وہ قمیض کی آستینوں کو کمر سے باندھ دیتے مگر کمر سے اوپر والا حصہ کھلا رہتا تھا. کچھ دن بعد ریڈ کراس والوں نے چادریں فراہم کیں وہ بھی بہت باریک تھیں، ہر قیدی کو دو دو چادریں دی جاتی تھیں. قیدی انہیں زمین پر بچا کر اس پر سو جاتے مگر سر کے نیچے رکھنے کیلیئے تکیے نہ تھے. سخت ہواؤں اور ہوائی اڈے کے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کی ہواؤں کے ذریعہ اڑتا ہوا گرد و غبار ہمارے سر، گردن اور چہرے پر جم جاتا تھا.

قندھار جیل میں امریکی کٹھ پتلی

ایک رات امریکیوں نے تقریباً بیس قیدیوں کو لا کر ہمارے سامنے خیمے میں ڈال دیا، ان میں ایک سفید ریش آدمی بھی تھا. جب اسے زمین پر گرا دیا تو اس کے منہ سے خون بہہ نکلا دوسرے قیدیوں کی طرح اس کی داڑھی کو منڈوایا وہ بہت چیختا تھا کیونکہ اسے گمان ہو گیا تھا کہ اسے مار دیا جائے گا. دوسرے دن معلوم ہوا کہ برہان الدین ربانی کے کمانڈروں میں سے ایک کمانڈر تھا. برہان الدین ربانی وہی شخص ہے جو افغانستان پر امریکی بمباری کے وقت امریکیوں کو کہا تھا: کہ طالبان پر یہ بمباری کافی نہیں اس سے زیادہ بمباری کی ضرورت ہے بعد میں امریکی فوجیں ربانی، سیاف، شورای نظار اور شمالی اتحاد کے کندھوں پر سوار ہو کر کابل میں داخل ہوئے.

میرے خیال میں کمانڈر حاجی بھی تھا اور ملا بھی. دوسرے گرفتار کے گئے افراد کرزئی کے ساتھی اور

ہمنوا تھے. شمالی اتحاد کی طرح یہ افراد بھی امریکہ کے غلام اور کٹھ پتلی تھے لیکن انہیں غلطی سے گرفتار کیا گیا تھا. جب انہیں خوب ذلیل اور بے عزت کیا گیا تو چند دن بعد معلوم ہوا کہ یہ بیچارے تو امریکہ کے غلام اور کٹھ پتلی ہیں اور غلطی سے گرفتار کئے گئے ہیں تو امریکیوں نے انہیں معذرت کر کے رہا کیا اور ربانی کے کمانڈر کو ایک بلٹ پروف واسکٹ بھی دے دی اور ایسی حالت میں گھر بھیجا کہ اس چہرے پر داڑھی نہیں تھی وہ بغیر داڑھی کے گھر چلے گئے. افغانستان تو کیا کہ پوری دنیا کا ایک ایک چپہ بھی ان پر لعنت بھیجتا تھا. پتہ نہیں اس نے اتنی ذلت ورسوائی کے بارے میں گھر والوں کو کیا بتایا ہوگا. لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسے لوگ شرم وحیا سے عاری ہیں کیوں کہ انہوں نے تو پہلے سے اپنی عفت وحیاء بیچ دی ہے. ہم دوسرے قیدی تو اسلام، عفت، عزت اور ناموس کے دفاع کے جرم میں پکڑے گئے تھے مگر وہ بیچارے غلامی کے جرم میں پکڑے گئے تھے جو بعد میں معلوم ہونے کے بعد رہا کئے گئے.

قندھار جیل میں دیگر قیدیوں کی آمد

قندھار جیل میں قیدیوں کا آنا جاری تھا. ایک دن ہمارے سامنے واقع خیموں میں چند قیدیوں کو لایا گیا جن میں طالبان حکومت کے وزیر اور صوبہ ہرات کے گورنر ملا خیر اللہ خیر خوا بھی شامل تھے. جب اسے زمین پر گرایا اتو اس نے زور زور سے چیخنا چلانا شروع کیا اگر چہ انہوں نے گوانتانامو میں ہمیں کہا کہ وہ میں نہیں تھا بلکہ کوئی اور تھا. قیدیوں کے لانے کا سلسلہ جاری تھا اور ہر دن نئے نئے قیدیوں کو لایا جاتا تھا. ان میں عرب، شرقی ترکستان اور دوسرے ممالک کے قیدی زیادہ ہوتے تھے، جن میں اکثر زخمی حالت میں ہوتے تھے. ایسے قیدی بھی تھے جو جنگ کے دوران معذور ہو چکے تھے اور زخموں سے کراہ رہے تھے. پکتیا سے ایک ایسے قیدی کو لایا گیا جو امریکی بمباری کے وقت بہت شدید زخمی ہوا تھا خاص کر اس کا سر بہت زیادہ متاثر ہوا تھا. زیادہ خون بہنے کی وجہ سے وہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا تھا اور فضول گفتگو کر رہا تھا. پھر اسے ہمارے ساتھ یکجا رکھا گیا. چند قیدیوں نے اسے پہچان لیا وہ کہہ رہے تھے کہ یہ شخص بہت قوی اور ہوشیار جوان تھا لیکن اب بہت بری حالت میں زندگی گزار رہا تھا. امریکیوں نے دکھاوے کی حد تک اس کا علاج شروع کیا ہوا تھا اور اسے ڈرپ لگاتے تھے، کچھ دنوں میں ہمیں گوانتانامو منتقل کیا گیا. لیکن ہم نے اسے گوانتانامو میں نہیں دیکھا. پتہ نہیں کہ وہ شہید ہوا یا صحت یاب ہو کر موت سے بچ نکلا؟

قندھار میں قید تنہائی کے لئے الگ جیل

جستی چادروں سے ایک بڑا ھال بنایا گیا تھا پہلے جس مقصد کے لئے بھی استعمال ہو رہا تھا مگر اب اسے قیدی تنہائی کے لیئے استعمال کیا جاتا تھا جس کے اندر امریکی فوجیوں نے کانٹا تار سے الگ الگ کیبن بنا رکھے تھے جس میں قید تنہائی کے لئے قیدیوں کو رکھا جاتا تھا. اگرچہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کا اندرونی حصہ نہیں دیکھا مگر میرا چھوٹا بھائی استاد بدر ۲۵ دن تک وہاں رہ چکا ہے. وہ اس کے بارے میں بہتر معلومات رکھتا ہے. وبعد میں خود اس حوالے سے معلومات فراہم کردے گا.

قندھار کے جیل کے آخری شب وروز

ہم نے قندھار جیل میں کل دو مہینے اور آٹھ دن گذارے. آخری دنوں میں صرف نمود و نمائش کی خاطر کیرم بورڈ، شطرنج کے تختے اور کچھ پرانے اور پھٹے ہوئے رسالے، مجلّے اور قصے کہانیوں کی بعض کتابیں ہمیں دے دی گئی ہم نے ان کو بھی غنیمت سمجھا لیکن کچھ دن بعد وہ دوبارہ واپس لے گئے، امریکیوں کا یہ کام بھی قیدیوں کے ساتھ ایک قسم کا استہزاء اور اہانت تھی، قیدیوں کو کیرم بورڈ اور شطرنج کے تختے دینے کی مثال ایسی تھی جیسا کہ کسی آدمی کو الٹا لٹکا کر اسے کوڑوں سے مارنے لگو مگر اس کے سامنے شطرنج اور کیرم بورڈ رکھ کر کہا جائے کہ ایسی حالت میں شطرنج کا کھیل بھی کھیلا کرو.

گوانتانانو جیل بھیجنے کی نشانیاں

میں نے گوانتانامو جیل بھیجے جانے کی پانچ نشانیاں پہلے سے محسوس کیں تھیں جو یہ ہیں۔

① باگرام جیل میں حلیمی نامی ایک قیدی تھا جو کبھی کبھار امریکیوں کیلیئے ترجمانی بھی کرتا تھا. جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مجھے چند منٹوں کیلیئے اس کے ساتھ رکھا گیا تھا. اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ جن لوگوں کو گوانتانامو جیل بھیجا جاتا ہے انہیں پہلے قندھار، اور وہاں سے گوانتانامو منتقل کیا جاتا ہے. یہ تو اسی وقت کی بات تھی لیکن بعد میں باگرام جیل سے بھی قیدیوں کو براہ راست گوانتانامو جیل بھیجا جاتا تھا.

② قندھار جیل میں ایک ہندوستانی ترجمان کے ساتھ بات کر رہا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ امریکی افواج افغانستان میں موجود قیدیوں کیلیئے گوانتانامو کے جزیرے میں ایک مستقل جیل بنا رہے ہیں جس وقت بھی وہ بن جائے تو یہ سارے قیدی وہاں منتقل کیئے جائیں گے.

③ پوچھ گچھ اور تفتیش کے دوران تفتیشی افسران کی گفتگو سے بھی معلوم ہو رہا تھا کہ ہمیں گوانتانامو بھیجا جائے گا.

④ گوانتانامو بھیجنے سے چند روز قبل یہاں بڑی تعدا میں نارنجی رنگ کا لباس پہنایا گیا. اور اس پر دوائی سپرے کی گئی. ہم نے پہلے سے سنا تھا کہ کیوبا کے قیدیوں کو نارنجی لباس پہنایا جاتا ہے، اس لئے ہمیں پختہ یقین ہو گیا کہ ہمیں بھی گوانتانامو بھیجا جائے گا.

⑤ دوسری بار ہماری کلین شیو کی گئی. اگرچہ اکثر قیدی آزادی کی امید دل میں بسائے ہوئے تھے لیکن یہ پانچ نشانیاں اس بات پر دلالت کرتی تھیں کہ یہاں سے کوئی بھی قیدی رہا ہونیوالا نہیں اور سب کے سب کیوبا منتقل ہونیوالے ہیں، میرے دل میں تو یہی بات بیٹھ گئی تھی لیکن دوسروں کو بتاتا نہیں تھا تاکہ وہ مزید غمزدہ اور پریشان نہ ہوں.

استاد بدر باگرام جیل سے قندھار جیل تک کی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

باگرام میں تیسری رات ایک امریکی تفتیش کار آیا جو شکل وصورت سے ہزارہ جات کا افغان لگتا تھا. پہلے میں سمجھا کہ یہ افغان ہے. کیونکہ اسطرح کے لوگ امریکہ میں ریڈ انڈین قبائل کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں. اور عربی میں انہیں ہنود الحمر کہا جاتا ہے. وہ بہت اچھی فارسی بول رہا تھا. لگ نہیں رہا تھا کہ وہ افغان ہیں. اس نے پنجشیریوں کی طرح وردی پہن رکھی تھی . CIA اور FBI کے اکثر اہلکار جو اس وقت بھی افغانستان میں افغان قومی لباس میں ملبوس دیکھے جاتے ہیں اس وقت انہوں نے اپنا حلیہ شمالی اتحاد کے کمانڈروں جیسا بنا رکھا تھا. میں نے خود اپنی آنکھوں سے چند امریکی افسروں کو پکول اور افغان قومی لباس یا پھر ان وردیوں میں ملبوس دیکھا جو شمالی اتحاد کے کمانڈروں کی وردی تھی. یہاں تک کہ پنجشیریوں کی طرح رومال بھی گلے میں ڈال رکھے تھے اور انہوں نے چھوٹی چھوٹی داڑھیاں بھی رکھ لی تھیں. اب تو بڑی بڑی داڑھیوں اور مقامی لباس اور پگڑیوں میں امریکی خفیہ اداروں کے اہلکار ہر جگہ پھرتے ہیں جن کی پہچان دور سے بہت مشکل ہوتی ہے.

جب باگرام میں اعلیٰ تفتیشی افسر نے میرے ساتھ انگریزی زبان میں بات چیت شروع کی تو میں نے اسے کہا تم تو بہت اچھی انگریزی بولتے ہو! اس نے کہا یہ تو میری زبان ہے، میں حیران ہوا اور پوچھنے لگا کیا تم امریکی ہو؟ اس نے کہا ہاں. میں نے پوچھا تم تو فارسی بھی اچھی بولتے ہو! وہ خوش ہوا اور کہنے لگا: میں

چاہتا ہوں کہ میری فارسی اس سے بھی بہتر ہو جائے میں نے چند سالوں سے فارسی سیکھنے کی محنت کی ہے، پھر مجھے کہنے لگا اپنے آپ کو تیار رکھو کہ آج رات تمہاری لمبی فلائیٹ ہے جاؤ لیٹرین میں اپنی قضائے حاجت رفع کرلو پھر طیارے میں یہ سہولت تمہیں میسر نہیں ہوگی. مجھے کہا جاؤ دوسرے قیدیوں کو بھی بتادو. جب میں نے یہ بات انہیں بتائی تو وہ سارے پریشان اور غمگین ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں کیوبا لے جا رہے ہیں. خاصکر حاجی عبدالمنان صاحب تو بار بار مجھ سے پوچھتا تھا کہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں. کیا ہمیں مار ڈالیں گے یا کیوبا منتقل کریں گے؟ حاجی صاحب کا خیال تھا کہ شاید مجھے سب کچھ معلوم ہے میں اس کو جواب دینے سے قاصر تھا.

ایک رات قبل ہم نے اپنے قریب چند عرب اور چند افغانوں کو دیکھا تھا جن کے سروں پر سیاہ ٹوپی پہنا کر اور ایک مضبوط رسی کے ذریعے سب کو اکٹھے باندھ کر نامعلوم مقام کیطرف روانہ کیا گیا. دوسری رات ہمیں بھی اسی طرح ایک ہی رسی کے ذریعے اکٹھے بازوؤں سے باندھ لیا گیا اور سروں پر سیاہ ٹوپیاں پہنائی گئی لیکن کچھ دیر بعد سروں سے ٹوپیاں ہٹائی. جس رات ہمیں یہاں سے منتقل کرنے کی خبر سنائی گئی تو اسی رات ہماری نیند اڑ گئی تھی لیکن آدھی رات وہی افغان نما امریکی افسر دوبارہ ہمارے قریب آیا اور کہنے لگا کہ آج رات ہوا کی خرابی کیوجہ سے تم لوگ رہ گئے ہو کل رات کو ایک بڑے طیارے میں تمہیں بھیجا جائے گا. اگرچہ وقتی طور پر یہ مصیبت اور بلا ہمارے سروں سے ٹل گئی لیکن اگلے دن پھر بھی بہت پریشان تھے. اگلی رات کو عشاء کے وقت دو فوجی ہمارے قریب آ پہنچے ان کے ہاتھوں میں وہی سبز پلاسٹک کی بوریاں تھیں جو ہم سے پہلے والے گروپ کے قیدیوں کو پہنائی گئی تھی. انہوں نے بوریاں ہمارے سامنے دیوار کے قریب رکھ دیں. خصوصی لباس میں ملبوس فوجی جو اپنے کانوں اور آنکھوں میں خصوصی آلات لگائے ہوئے تھے یہاں آکر کھڑے ہوئے. انہوں نے مجھے، میرے بھائی مسلم دوست، حاجی ولی محمد صراف، حاجی عبدالحنان غزنی وال اور مولوی شریف اللہ مزاری کو ایک دوسرے کے پیچھے گھٹنوں کے بل بٹھایا. پہلے سبز پلاسٹک کی بوریاں ہمیں پہنائی، پھر ان کو مضبوط کرنے کیلئے ٹیپ لگائی، آخر میں بازوؤں کو باندھ کر ہمیں روانہ کیا طیارے تک ہمیں اسی حالت میں پہنچایا جس طرح پہلے طیارے سے باگرام جیل تک لایا گیا تھا. طیارے کے فرش کے ساتھ ہمیں باندھا گیا اور اس حالت میں طیارے میں بٹھایا کہ نہ پوری طرح لیٹے ہوئے تھے اور نہ ہی پوری طرح بیٹھے ہوئے تھے بلکہ درمیانی حالت میں تھے، ہمیں مکمل یقین ہوگیا کہ یہ کیوبا کی جانب سفر ہے، کیونکہ امریکی افسر نے بھی یہی بتایا تھا کہ تم طویل سفر پر جا رہے ہو، طیارے میں بہت زیادہ شور تھا. امریکیوں نے تو شور سے بچنے کیلئے اپنے کانوں میں آلات

لگائے ہوئے تھے لیکن ہمارے کان شور سے درد کرنے لگے سردی بھی بہت لگ رہی تھی جس سے ہم کانپ رہے تھے. بالاخر تین یا چار گھنٹے بعد جہاز زمین پر اتر گیا. ہمیں طیارے سے اسی طرح اتارا گیا جس طرح بگرام کے ہوائی اڈے پر طیارے سے اتارا گیا تھا. اس بار بھی ہمارے ہاتھ پاؤں پلاسٹک کی رسیوں سے بندھے ہوئے تھے. دھکوں دھکوں سے ایک جگہ میں داخل کر دیا. ہمیں وہاں لٹا کر کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور ہمیں برہنہ کر کے ایک تختے پر بٹھایا، سر کے بال اور داڑھیوں کو کلین شیو کیا گیا، اسی حالت میں ہماری تصویریں اتاری گئی اس کے بعد ہمیں ایک خیمے کے اندر لے گئے. وہاں آسمانی رنگ کے جمٹ سوٹ ہمیں پہنائے گئے، یہ بات یاد رہے کہ اس سے پہلے ہمیں تقریباً دو گھنٹے تک برہنہ حالت میں اوندھے منہ زمین پر لٹایا گیا تھا، ہم سے پہلے جن قیدیوں کو یہاں لایا گیا تھا انہیں گیلی زمین میں بارش میں پانچ گھنٹوں تک اوندھے منہ لٹائے رکھا گیا تھا. جس وقت ہم زمین پر پڑے ہوئے تھے اس وقت ایک ترجمان نے ہمیں بتایا کہ اب تمہیں رہنے کی اصلی جگہ کی طرف بھیجا جائے گا، کل تم اپنے اپنے گھروں کو خطوط بھی لکھو گے.

طبی معائنہ اور لباس کی تبدیلی کے بعد ہم سے چند سوالات بھی پوچھے گئے. اس وقت ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی. قندھار میں قیدیوں کو اونی ٹوپیاں اور افغانی پکول دیئے گئے تا کہ اپنے سروں کو ڈھانپ سکیں. آنکھیں بند کرنے کیلئے بھی ان ہی ٹوپیوں اور پکولوں سے کام لیا جاتا تھا. پوچھ گچھ اور تفتیش کیلئے لیجانے کے وقت قیدیوں کو سیاہ ٹوپی بھی پہنائی جاتی. چیک اپ اور پوچھ گچھ کا کام ایک عورت نے انجام دیا. وہ بہت بداخلاق اور چھوٹے قد کی مالک تھی. یہ بداخلاق ڈاکٹر عورت قیدیوں کے سامنے فوجیوں سے بغل گیر ہو جاتی اور ان کے بوسہ لیتی. کبھی کبھار ان کے کندھوں پر بھی سوار ہو جاتی ایک دن ایک قیدی کو قبض کشا گولی دیدی اور اسے سمجھانے کیلئے کہ یہ قبض کشا گولی ہے زمین پر اسطرح بیٹھ گئی کہ گویا رفع حاجت کر رہی ہے پھر پیٹ پر ہاتھ رکھ کر منہ سے ڈرٹ کی آواز نکالی. مطلب یہ کہ یہ قبض کشا گولی ہے اس سے تمہارا پیٹ نرم ہو جائے گا. وہ اکثر اوقات قیدیوں کے سامنے فوجیوں کے ساتھ نازیبا اور حیا سوز حرکتیں کرتی تھی اور اسی حالت میں تصویریں اترواتی تھی. اسی بے حیا ڈاکٹر نے مجھ سے طبی چیک آپ کے بعد پوچھا کہ تم نے اسامہ بن لادن اور ملا عمر سے آخری ملاقات کب کی تھی؟ میں نے اسے بتایا کہ میں نے کبھی بھی ان دونوں کو نہیں دیکھا، یہ وہ سوال تھا جو اکثر قیدیوں سے بار بار کیا جاتا تھا. اس کے بعد ہماری انگلیوں کے نشانات لئے گئے. پھر آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی گئی اور ہاتھوں کو پیچھے کی جانب فولادی زنجیروں سے باندھ لیا گیا.

دو فوجیوں نے میرے بغل کے نیچے ہاتھ ڈال کر میرے سر کو نیچے دبالیا اور رکوع کی حالت میں مجھے یہاں سے روانہ کیا. لباس تبدیل کرتے وقت میرے پاؤں میں جوتے پہنائے جو تنگ تھے. انہوں نے ان کی جگہ فوجی بوٹ دیا، میں اتنا جانتا تھا کہ مجھے کیچڑ اور پانی میں کہیں لے جارہے ہیں، کچھ دیر بعد مجھے چند منٹ کیلئے ایک جگہ پر کھڑا کردیا پھر چند منٹ کے بعد دوبارہ چلنے کو کہا. چند قدم آگے چل کر مجھے زمین پر لٹایا. راستے میں مجھے ایک فوجی نے کہا تھا کہ اب ہم تمہیں ایک پنجرے میں ڈالیں گے میں سمجھا کہ شاید یہ کیوبا گوانتانامو کا پنجرہ ہے اوندھے منہ گرانے کے بعد میرے ہاتھ' پاؤں کی رسیاں کھول دی گئی اور مجھے قہر آمیز لہجے میں خبردار کیا کہ کسی قسم کی حرکت نہ کروں. میں خاموش زمین پر لیٹا ہوا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ وہ یہ بات مجھے کیوں بتارہے ہیں؟

طیاروں کا شور اور سردی بہت زیادہ تھی. میں نے پیچھے کیطرف سے گٹ آپ (اٹھو) کی آواز سن لی لیکن میرا خیال تھا کہ مجھے نہیں کہا جارہا، بالآخر پشتو زبان میں کسی نے بتایا کہ اٹھو، اردو میں بھی کسی نے اٹھو کی آواز دی، جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میں ایک فولادی پنجرے میں پڑا ہوا تھا. ہمارے اردگرد اور بھی پنجرے تھے یہ پنجرہ نما خیمے ایک کھنڈرات کے اندر بنائے گئے تھے جس کے اردگرد چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں. جن کے باہر لکڑی کے بنے ہوئے اونچے اونچے مورچے تھے جن میں مسلح فوجی پہرہ دے رہے تھے. اس عارضی جیل خانے کی مغربی طرف ہوائی اڈے کا کنٹرول ٹاور نظر آرہا تھا اور اس کے اردگرد بڑے بڑے خیموں کے سر نظر آرہے تھے. جنوب کی جانب لمبے لمبے درخت تھے. خیموں کے درمیان امریکی فوجی رسیوں میں بندھے ہوئے کتوں کے ذریعہ مسلح گشت کررہے تھے پنجرے میں موجود قیدیوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور اندر آنے کو کہا. انہوں نے مجھ سے پوچھا کس صوبے کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا صوبہ ننگرہار سے ہوں لیکن پشاور میں رہتا تھا. انہوں نے کہا یہ قندھار کا ہوائی اڈہ ہے، اب سوجاؤ باقی باتیں انشاءاللہ کل کریں گے. ایک قیدی نے اپنے دو کمبلوں میں سے ایک کمبل مجھے دیدیا اور خود زمین پر بچھا کر مجھے کہا کہ آدھے پر لیٹ جاؤ اور آدھے کو اوڑھ لو. یہ کمبل بگرام کے کمبلوں سے موٹے اور گرم تھے. نماز فجر کے بعد فوجی ایک کمبل اور ایک چادر میرے لئے بھی لے آئیں، .. بہت دنوں بعد ہم نے باجماعت نماز پڑھی لیکن وضو کیلئے پانی نہیں تھا اور تیمّم کیا، نماز پڑھنے کے بعد کچھ قیدی سو گئے اور کچھ تلاوت کرنے لگے. قندھار جیل میں یہ میرا پہلا دن تھا اور پہلی بار دن میں دو مرتبہ قیدیوں کی حاضری کے قطار میں کھڑے ہونے سے آشنا ہوا. یہاں دوپہر کے وقت ہمیں عسکری

کھانا دیا جاتا تھا جن میں سرد سبزیاں، بسکٹ اور سورج مکھی کے چھیلے ہوئے بیج کے دانے، دو عدد ٹافیاں اور کافی کا پیکٹ بھی ہوتا تھا. اس کے علاوہ سور کا حرام گوشت بھی پیکٹوں میں ہوتا تھا. ہم صرف سبزیاں، بسکٹ اور سورج مکھی کے بیج کھاتے تھے. پہلے بعض قیدیوں نے سہواً حرام گوشت کھایا تھا لیکن بعد میں چھوڑ دیا. صرف ایک ایرانی شیعہ جس کا نام عبدالمجید تھا اس حرام گوشت کو شوق سے کھاتا تھا. ہمیں بھی کہتا تھا کہ جو بھی یہ گوشت نہیں کھاتا وہ مجھے دیدے. عبدالمجید امریکی جاسوس اور بہت بد اخلاق انسان تھا.

قندھار میں پہلے دن میرا تعارف افغانی اور عربی قیدیوں کے علاوہ لاہور کے ڈاکٹر سرفراز احمد سے ہوا. وہ شمالی افغانستان میں پکڑا گیا تھا اور شبرغان جیل سے یہاں لایا گیا تھا. وہ قندھار جیل میں کافی دنوں سے قید تھا اور یہاں کے قوانین اور اصولوں سے واقف تھا. اس نے میری راہنمائی کی اور اسی کے ذریعہ مجھے پتہ چلا کہ نئے قیدیوں کو اکٹھا نہیں رکھا جاتا بلکہ مختلف پنجروں اور خیموں میں رکھا جاتا ہے. ہمارے طیارے میں لائے گئے عام قیدیوں کو مختلف پنجروں اور خیموں میں تقسیم کیا گیا تھا. میں نے مسلم دوست کو بہت تلاش کیا لیکن کہیں بھی نہ پایا. جب دھوپ پڑی اور میں تین مہینے بعد دھوپ میں بیٹھا تو مجھے بہت راحت وسکون ملا ایک تو دھوپ کی خوشی تھی دوسری یہ کہ کیوبا کی بجائے اپنے ہی وطن قندھار میں قید و بند گذار رہا ہوں. میرے ایک ساتھی نے کہا کہ بہت سے قیدیوں کو نارنجی لباس میں کیوبا منتقل کیا گیا ہے، لیکن مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ ہمیں بھی کیوبا منتقل کیا جائے گا. اس لئے میں انہیں تسلی دیتا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں اللہ خیر کرے گا. آخر ہم نے کونسا گناہ کیا ہے جس کے جرم میں ہمیں کیوبا منتقل کیا جائے گا. ایک دن کسی نے ملا عبدالسلام ضعیف کی نشاندہی کی جو ہمارے سامنے خیمے میں چہل قدمی کررہا تھا. خیمے میں بیک وقت تین آدمیوں سے زیادہ کے گھومنے اور بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی. اسی دن میں نے یہ بھی دیکھا کہ قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی گئی تھی. کوئی ایک گھنٹے کیلئے اور کوئی آدھ گھنٹے کیلئے گھٹنوں کے بل کھڑا کیا گیا تھا. اسی دن کے ابتدائی حصے میں مجھے بھی تفتیش اور پوچھ گچھ کیلئے پیش کیا گیا جو بہت توہین آمیز شکل میں تھا. قیدی اپنی فائل کا نمبر سننے کے فوراً بعد دروازے کے قریب حاضر ہوجاتا اور اوندھے منہ زمین پر لیٹ جاتے اپنے ہاتھ پشت پر رکھتا اور اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیتا. پنجرہ نما خیمے میں موجود دوسرے تمام قیدی خیمے کے پیچھے چلے جاتے وہاں گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور اپنے ہاتھوں کو سروں پر رکھدیتے، ان کے اردگرد مسلح فوجی کھڑے ہوجاتے، ان میں سے تین مسلح فوجی خیمے میں داخل ہوکر اوندھے منہ لیٹے قیدی کی پشت پر دوسرا پاؤں پر اور تیسرا جلدی جلدی اس کے پاؤں اور ہاتھوں

کو باندھ دیتا پھر اس کے آنکھوں پر سیاہ پٹی جو کہ ٹوپی کی شکل میں ہوتی تھی پہنا دیتے. جب یہ سارا کام مکمل ہو جاتا تو اسے اٹھا کر رکوع کی حالت میں پوچھ گچھ کیلئے تفتیشی افسر کے سامنے لے جاتے. قیدی کے پیچھے کتے بھی ہوتے تھے. ایک بار کتے نے میرے پاؤں پر منہ لگایا لیکن الحمدللہ زخمی ہونے سے بچ گیا. وہ یہ سارا کام قیدیوں کو ڈرانے اور ذلیل کرنے کیلئے کر رہے تھے.

راستے میں لگے پھاٹکوں سے گذرتے وقت ہر قیدی کی فائل کا نمبر بتایا جاتا تھا. بگرام میں میری فائل کا نمبر ۹۴، حاجی ولی محمد کا ۹۵، اور مسلم دوست کا ۹۶ تھا. لیکن ہمارے نام ریڈ کراس کے پاس درج نہیں تھے. اس لئے قندھار میں ہمیں نئے نمبر دیئے گئے میری فائل کا نمبر ۵۵۹ حاجی ولی محمد صراف کا ۵۶۰ اور مسلم دوست کا نمبر ۵۶۱ تھا. قندھار میں جب مجھے پہلے روز تفتیش کیلئے روانہ کیا گیا تو پہلے مجھ سے ذاتی اور شخصی سوالات پوچھے گئے اور پھر بتایا گیا کہ آج تم اپنے گھر والوں کو خط لکھ سکتے ہو. ایک چھوٹے قد کے مالک نے مجھے فارسی میں کہا چہ وقت تسلیم شدہ ئی (کس وقت ہتھیار ڈالے.)

میں تو تسلیم نہیں ہوا ہو، وہ حیران ہو گیا اور غصے کی حالت میں کہنے لگا کیوں نہیں؟ پھر تم قیدی کیسے بن گئے ہو؟ میں نے اسے کہا پہلے تم تسلیم ہونے کے معنی جان لو کیوں کہ فارسی زبان تمہاری اپنی زبان نہیں، اس نے کہا ہاں ٹھیک ہے میری مادری زبان فرانسیسی ہے. میں نے اسے کہا کہ تسلیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی آدمی جنگ کے دوران محاصرے میں آکر ہتھیار ڈال دے، یا جنگ کے بغیر اپنے آپ کو کسی کے حوالہ کر دے. مجھے تو اپنے گھر سے پکڑا گیا ہے. ہمیں قیدی بنا کر فروخت کیا گیا ہے، چونکہ وہ نیا تھا اور صرف ابتدائی معلومات لکھتا تھا تو اس نے ہم سے معذرت کر لی. اس کے بعد انگریزی میں بات چیت شروع کی اور فوجی سے کہا اس کا خیال رکھنا جب بھی ریڈ کراس کے لوگ آئیں تو اسے لازماً خط لکھنے کی اجازت دے دینا کیوں کہ اس کا طویل عرصے سے اپنے گھر والوں سے رابطہ نہیں ہوا ہے. پھر مجھے کہا اب جاؤ تم سے مزید تفتیش بعد میں ہوگی. مجھے اپنے خیمے میں لایا گیا وہاں ڈاکٹر سرفراز، جان ولی اور انور کے ساتھ بات چیت کرنے لگا. اگر چہ میں قیدی تھا لیکن آج بہت خوش تھا. کیوں کہ میں نے تین مہینے بعد آسمان اور سورج دیکھا تھا اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ بات کرنے کی اجازت مل گئی تھی. میں نے قندھار میں پہلے دن کے آخری حصے میں مسلم دوست کو دیکھا جنھیں ایک خیمے میں اکیلا رکھا گیا تھا. اس کی داڑھی اور سر کے بال صاف کر لئے گئے تھے البتہ اس کے چلنے، چادر اوڑھنے اور اس کی اونچی ناک سے اندازہ لگایا کہ یہ میرا بھائی مسلم دوست ہے. میں نے چوری چھپے بہت ہاتھ ہلایا لیکن

وہ دیکھ نہ سکا۔ جب رات ہوئی تو رات کے وقت بھی قیدیوں کو پوچھ گچھ اور تفتیش کیلئے لے جایا جاتا تھا۔ جب کسی قیدی کو تفتیش کیلئے لے جایا جاتا تھا تو فوجی اونچی آواز میں کہہ دیتا Get up (اٹھو) ان کے پاس کتا بھی ہوتا تھا شور سے سارے قیدی جاگ اٹھتے۔ کچھ دیر بعد دوسرے قیدی کا نمبر آتا یا تلاشی کیلئے فوجی آجاتے۔ تلاشی کی ترتیب یوں تھی کہ ایک گروپ کی شکل میں کئی فوجی کتوں کے ساتھ اچانک ایک خیمے میں داخل ہوجاتے اور اٹھواٹھو کی آواز لگادیتے۔ ان سب کو خیمے سے باہر نکلنے کیلئے کہہ دیتے وہ سب باہر جاکر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور اپنے ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر اپنے سروں پر رکھ دیتے۔ ہر قیدی کے قریب تین فوجی کھڑے ہوجاتے۔ اور کتے بھی اس کے سامنے بھونکتے تھے، پھر قیدیوں کو کھڑا کر کے ان کے پورے بدن کی تلاشی لیجاتی اس کے بعد انہیں زمین پر گھٹنوں کے بل کھڑا کر کے سارے خیمے کی تلاشی لیجاتی تھی۔ بعض قیدیوں کو غلاظت اور گندگی اٹھانے کیلئے مقرر کرتے۔ جب تلاشی کا کام ختم ہوجاتا تھا تو Get up کہہ دیتے۔ قیدی زمین سے اٹھ کر اپنے بدن سے مٹی جھاڑ دیتے اور اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے جاتے۔ ایک رات ایک قیدی کمبل میں سویا ہوا رہ گیا تھا، ہم نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ ہم خیمے کے باہر گھٹنوں کے بل کھڑے تھے ہم میں سے ایک کو پوچھ گچھ کیلئے روانہ کیا گیا اسی وقت ایک پہرہ دار فوجی کی نظر اس سوئے ہوئے قیدی پر پڑی، اس نے وائرلیس سے دوسرے فوجیوں کو بلایا۔ انہوں نے سارے خیمے کی تلاشی لی اور سوئے ہوئے قیدی کو بھی تین گھنٹوں تک گھٹنوں کے بل کھڑا کیا۔ خیموں میں موجود قیدیوں کو ہر رات مختلف اوقات میں جگایا جاتا اور آدھ آدھ گھنٹے کیلئے خیمے سے باہر سخت سردی میں گھٹنوں کے بل کھڑا کر دیا جاتا۔ خواتین اور مرد فوجی آپس میں بغل گیر ہوجاتے اور ایک دوسرے سے بوس وکنار کرتے تھے۔ قیدیوں نے بگرام میں امریکی فوجیوں کو سرعام زنا کی حالت میں بھی دیکھا ہے۔ قندھار میں جیل کے قریب دروازے کے سامنے ایک کمپیوٹر سیٹ رکھا گیا تھا جس پر گندی اور فحش فلمیں دکھائی جاتیں۔

ایک امریکی فوجی جواذان کی نقل اتار رہا تھا ہاتھ میں غلاظت کے خشک ٹکرے اٹھا کر قیدیوں کو کہتا کہ یہ کھالو یہ بہت مزیدار چیز ہے۔ ایک دن اسی فوجی نے پتلون اتار کر اپنی پشت اس پہردار کی طرف پھیرلی جو دوربین ہاتھ میں اٹھا کر قیدیوں کی حرکات اور سکنات کا جائزہ لیتا تھا۔ اس بے حیا فوجی نے اس کیطرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میری مخصوص جگہ کو دیکھو کتنی خوبصورت ہے۔ ایک اور بداخلاق فوجی بھی ایک دن آکر کھڑا ہوگیا۔ ایک یمنی عرب قیدی بالٹی پر رفع حاجت کیلئے بیٹھا ہوا تھا۔ فوجی نے دوتین بار اسے کہا جلدی کرو قیدیوں

کے خیموں میں بڑا افسر آنیوالا ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے افسروں کے سامنے کوئی قیدی رفع حاجت کیلئے بیٹھا ہو. عرب قیدی خاموش تھا. بالاخر اس ظالم فوجی نے پتھر سے اسے مار کر اٹھنے پر مجبور کیا، جب وہ ٹشو پیپر سے خود کو گندگی سے صاف کرنے لگا تو فوجی نے کہا تم اتنے زیادہ ٹشو پیپر کیوں استعمال کرتے ہو؟ منہ تو نہیں جس پر کھاتے پیتے ہو. شرمگاہ تو ویسے بھی گندی چیز ہے. اور دوبارہ گندی ہوتی ہے. امریکی فوجی جو طہارت اور استنجا کی اہمیت سے ناواقف تھا نے عرب کو جلدی سے نہ اٹھنے کے جرم میں نصف گھنٹے کیلئے گھٹنوں کے بل کھڑا کر دیا. یہ کام ہمارے سامنے ہوا اور ہم اس عمل کے چشم دید گواہ ہیں.

ابو احمد المغربی لندن میں قیام پزیر تھا اور وہاں سے تجارت کے سلسلے میں قانونی طور پر پاکستان آیا ہوا تھا. یہاں پاکستانی حکام نے اسے پکڑ کر امریکہ کے حوالہ کیا تھا. اس بیچارے کو ہر دن سزا دی جاتی تھی، اس لئے کہ وہ انگریزی جانتا تھا اور امریکی فوجیوں کو کہتا تھا کہ تم بہت ظالم لوگ ہو. اس کے دل میں ان کے خلاف بہت زیادہ نفرت تھی. یہی وجہ تھی کہ بعض اوقات اسے دن میں دس بار سے بھی زیادہ سزا دی جاتی. جیسا کہ میں پہلے کہ چکا ہوں کہ ہر خیمے میں دو چھوٹی چھوٹی بالٹیاں رکھی گئی تھیں تا کہ قیدی وہاں رفع حاجت کر سکیں، صفائی کیلئے صرف دو رول ٹائلٹ پیپر قیدیوں کو دیا جاتا تھا. لیکن پھر بھی قیدیوں پر غصہ کرتے کہ تم ٹائلیٹ پیپر زیادہ استعمال کرتے ہو. ہم سے پہلے قندھار میں قیدی حضرات پردے کے بغیر بالٹی پر بیٹھ کر رفع حاجت کرتے تھے.

لیکن خوش بختی کی بات یہ تھی ہمارے قندھار جیل میں پہنچنے سے چند دن پہلے ہر خیمے میں دو عدد پلاسٹیک کی شیٹ جس کی اونچائی ۱.۵۰ میٹر تک پہنچتی تھی کھڑے کئے گئے تھے تا کہ رفع حاجت کے وقت پردے کا کام دیدے. پلاسٹک شیٹس کے چوکاٹ کا ایک حصہ بالکل کھلا رکھا گیا تھا تا کہ قیدی کی حرکات اور سکنات پر نظر رکھی جا سکے کہ کہیں بم تو نہیں بنا رہا ہے؟ لیکن یہ چوکاٹ ہر خیمے میں نہیں لگایا گیا تھا. بہت سے خیموں کے قیدی بالٹی پر بیٹھ کر پردے کے بغیر رفع حاجت کرتے تھے. ہر خیمے میں تقریباً اٹھارہ بیس آدمی رہتے تھے. دو عدد بالٹیاں چوبیس گھنٹوں میں فضلات سے بھر جاتیں اور اکثر اوقات فضلات نیچے بھی بہہ جاتے. لیکن اپنے وقت سے پہلے باہر پھینکنے کی اجازت نہیں تھی. قیدی بدبو سے تنگ ہو جاتے تھے اور الٹیاں کرنے لگتے تھے.

بعض خیموں میں صرف ایک ہی بالٹی ہوتی تھی جب قیدی دوسری بالٹی کا مطالبہ کرتے تو انہیں کہا جاتا تھا کہ ریڈ کراس سے مانگو جب وہ ہمیں کہدے تو ہم تمہیں دوسری بالٹی دیدیں گے. بیچارہ قیدی ریڈ کراس کے اہلکاروں کی آمد کا انتظار کرتے تھے کہ وہ آ کر ان کا مسئلہ حل کر دیں اور یوں ریڈ کراس کی عزت اور اہمیت ان پر بڑھا

ئیں اور انہیں اپنا ہمدرد سمجھنے لگے، ریڈ کراس کے اہلکار اس طرز العمل کے ذریعہ قیدیوں سے ایسے سوالات پوچھتے تھے کہ امریکیوں نے بھی نہیں پوچھے تھے اور یوں قیدیوں سے معلومات حاصل کر لیتے.

جب فضلات سے ڈھکی ہوئی بالٹیوں کے خالی کرنے کا وقت آجاتا تھا تو امریکی فوجی زنجیر ہاتھوں میں لیکر ہر خیمے سے باری باری ہر دن دو، دو قیدیوں کو نکال کر ان بالٹیوں کو اٹھا لیتے اور دور بڑی دیوار کے قریب رکھے ہوئے بڑے بڑے ڈرموں میں خالی کرواتے. یہ وہی ڈرم تھے جس میں ۱۵ مارچ ۲۰۰۲ کو ایک بداخلاق اور ظالم امریکی فوجی نے قران کریم قیدیوں کے سامنے پھینک دیا تھا. بالٹیوں کے خالی کرنے کا کام پہلے دو بے ایمان اور بے غیرت عربوں کے ذمہ تھا ایک کا نام علی تھا جو عراق کا رہنے والا تھا اور دوسرے کا نام عیسی تھا جو بحرین سے تعلق رکھتا تھا وہ یہ کام کھانے کے ایک اضافی پیکٹ کے عوض کر رہے تھے، انہوں نے نماز پڑھنی بھی چھوڑ دی تھی اور امریکیوں کو کہتے تھے کہ ہم نے عیسائیت قبول کر لی ہے. وہ قیدیوں کی جاسوسی بھی کیا کرتے تھے علی عراقی تو آخر تک اسی حالت میں رہا لیکن عیسی بحرینی نے کیوبا میں اس بری حرکت سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی.

پھر یہ نظم بنایا گیا کہ ہر دن ایک ہی خیمے سے دو قیدیوں کو بالٹی خالی کرنے کیلئے نکالا جاتا تھا اور وہ سارے خیموں کی بالٹیوں کو خالی کرا دیتے تھے. ان کے دونوں ہاتھ تو آزاد ہوتے لیکن پاؤں میں بیڑیاں ہوتیں. یہ کام باری باری تمام خیموں میں موجود دو دو قیدی ہر دن انجام دیتے تھے. قیدیوں کو اپنے خیمے کے اندر موجود دوسرے خیموں کے قیدیوں سے بات چیت کرنے کی قطعاً اجازت نہیں تھی، ایک تو قیدیوں کے خیمے ایک دوسرے سے دور تھے اور کسی کو معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اس کا دوست کس خیمے میں ہے، اگر کسی کو معلوم بھی ہو جاتا کہ فلاں خیمے میں ہے تو اس کے ساتھ بات کرنے کا کوئی ذریعہ میسر نہ تھا. اس سے ملنے اور بات کرنے کا ایک طریقہ تھا کہ وہ بالٹیوں کو خالی کرنے کیلئے اپنی خدمات پیش کر دیتا اور اسی بہانے اپنے دوستوں سے ملاقات کرتا یا کسی قیدی کا پیغام دوسرے قیدی کو پہنچا دیتا. یہ طریقہ پھر اتنا عام ہوا کہ بالٹی خالی کرنے والا شخص حیران ہو جاتا کہ قیدیوں کے اتنے پیغامات کس طرح ایک دوسرے کو پہنچائے؟ اور کس طرح اپنے ذہن میں محفوظ رکھے؟ یہ سارا کام بالٹیوں کو لینے اور پھر دوبارہ دینے کے وقت انجام پاتا تھا. جس وقت وہاں کھڑے فوجیوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہ اس کام میں زیادہ وقت لگاتے ہیں تو وہ Hurryup (جلدی کرو) کی آواز دیتے. لیکن امریکیوں کو آخری وقت تک معلوم نہ ہو سکا کہ بالٹیاں خالی کرنے کے وقت قیدیوں کے درمیان کتنا تبادلہ خیال

ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ بالٹیوں سے فضلات پھینکنے کا یہ کام قیدیوں کیلئے اتنا دلچسپ ہو گیا تھا کہ خیمے کے اندر موجود ہر کوئی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کام وہی انجام دے اور اسی بہانے سے دوسرے خیموں میں موجود قیدیوں سے ملیں۔ اور ان کا پیغام ایک دوسرے کو پہنچائیں۔ چونکہ میں انگریزی جانتا تھا اس لئے امریکیوں نے مجھے اپنے خیمے کا سربراہ منتخب کیا تھا، یہی حالت سارے خیموں کی تھی اور ہر خیمے میں ایک سربراہ ضرور موجود ہوتا تھا۔ جب بھی فوجی میرا نام پکارتے تو خیمے کے اندر ہر قیدی کی خواہش ہوتی کہ بالٹیاں صاف کرنے کا کام اسے سپرد کیا جائے۔ میں بھی شدت سے چاہتا تھا کہ بالٹیاں خالی کرنے کے بہانے اپنے بھائی مسلم دوست سے ملوں کیوں کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے یوں انہیں دیکھنے کیلئے میں نے بھی ایک دن بالٹیاں صاف کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا اور سارے خیموں کی بالٹیاں بڑے ڈرموں میں خالی کرنے لگا۔ اسی دوران مسلم دوست سے ملنے کی خواہش پوری ہوئی جو مجھ سے کافی دور، ایک ایسے خیمے میں جہاں سارے بیمار قیدی ڈالے گئے تھے، موجود تھا۔ جب میں بالٹیوں کو لینے کیلئے قریب گیا تو میرا بھائی مسلم دوست اندر سے بالٹیاں مجھے دینے کیلئے اٹھا اور اسی اثنا میں تھوڑی سی بات چیت اور تبادلہ خیال بھی ہوا اور ملاقات بھی۔

غموں کے گرداب میں خوشی کے یہ عجیب وغریب لمحات تھے لیکن ہمیں نہ تو زیادہ دیر کھڑے ہونے کی اجازت تھی اور نہ ہی ان ظالم فوجیوں کو پتہ تھا کہ ہم دونوں سگے بھائی ہیں، بھائی بھی مشرقی دنیا کے جو آپس میں بہت پیار کرتے ہیں۔ فوجیوں نے Hurryup (جلدی کرو) کی آواز دی، میں نے فضلات سے بھری ہوئی بالٹیاں اٹھائیں اور بڑے ڈرم میں خالی کر دی۔ قیدی خوش تھے کہ دو بھائیوں کے درمیان ملاقات ہوئی۔ جب میں خالی بالٹیاں دوبارہ خیمے میں لایا تو مسلم دوست آگے بڑھے اور مجھ سے بالٹی لیتے وقت جلدی جلدی اپنی تازہ شاعری کے چند اشعار سنائے۔ اس وقت بہار کا موسم تھا لیکن قندھار کی امریکی جیل میں موسم بہار کا کوئی اثر نظر نہیں آ رہا تھا، مسلم دوست صاحب نے اس حالت کے بارے میں چند شعر جلدی جلدی میرے گوش گذار کر دیئے۔ جو ہمیشہ مجھے آتے رہتے ہیں لیکن کتاب کی طوالت کی وجہ سے یہاں پیش نہیں کر سکتے۔

واقعی بہار کے پھولوں کی خوشبو کی جگہ ہمارے ہاں انسانی فضلات کی بالٹیوں کی بدبو تھی۔ بالخصوص جب بڑے ڈرم خالی کئے جاتے تھے تو سارے کیمپ میں بدبو پھیل جاتی۔ ظالم امریکی یہ کام کھانا کھاتے وقت کرتے تھے تاکہ قیدیوں کو زیادہ سے زیادہ نفسیاتی اور ذہنی اذیت پہنچائی جا سکے۔

میں اور مسلم دوست قندھار میں تقریباً ڈیڑھ ماہ تک ایک دوسرے سے بے خبر رہے یہاں تک کہ دور سے بھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے. اس کی وجہ یہ تھی کہ جب ہم قندھار پہنچے تو مجھے اور مسلم دوست کو الگ الگ خیموں میں رکھا گیا اور دوسری رات مجھے قید تنہائی میں ڈالنے کے لئے انفرادی جیل لے جایا گیا. اس وقت قندھار میں جستی چادروں کے گودام قیدیوں کے مابین کنٹینرز کے نام پہ یاد کئے جاتے تھے اور کنٹینرز میں کسی کو لے جایا جانا اچھا شگون نہیں تھا. ان کنٹینرز میں تفتیشی افسران کی جانب سے یا پھر انتظامی مشکلات کے باعث لوگ لے جائے جاتے تھے. میں تو صرف دو دن قبل قندھار لایا گیا تھا اس لئے قیدیوں یا فوجیوں کو کسی حوالے سے بھی مجھ سے شکایات نہ تھیں لیکن تفتیشی افسر مجھے پوچھ گچھ کی خصوصی مشکلات کے لئے کنٹینرز لے گئے تھے. قید تنہائی کے کمروں کو پاکستانی جیلوں میں چکی کہا جاتا ہے. امریکیوں نے اسی کے لئے یہ جگہ مخصوص کی تھی مجھے اس کنٹینرز میں بندھی ہوئی آنکھوں سے داخل کیا گیا جب میری آنکھیں کھول دی گئی تو دیکھا کہ کنٹینرز کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا. کنٹینر کے درمیان میں جستی چادر کی دیوار کھڑی گئی تھی اور پھر ہر حصے میں کانٹا تار کے زریعے چار چار خانے بنائے گئے تھے. ہر ایک خانہ تین مربع میٹر پر محیط تھا. ہر ایک خانے کا دروازہ بھی کانٹا تار کے ہٹانے اور بچھانے سے کھلتا اور بند ہوتا اور دونوں جانب انفرادی خانوں کے مابین ایک میٹر کا راستہ رکھا گیا تھا جس میں فوجی بھی آتے جاتے اور قیدی بھی بند آنکھوں اور جھکی کمروں کے ساتھ لائے جاتے تھے. کنٹینر کا ایک حصہ کھلا تھا اور دوسرے حصہ کا چوتھا حصہ بھی پہرہ داروں کے لئے کھول دیا گیا تھا دونوں جانب کنٹینر پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنائی گئی تھی اور وہاں کبھی دو اور کبھی تین گھنٹے بعد مسلح پہرہ دار ڈیوٹی تبدیل کرتے. یہ کنٹینرز روسی جنگ کے وقت سے لڑائی کے دوران گولیاں لگنے سے چھلنی ہو گئے تھے اور بارش کی صورت میں نیچے پڑے قیدی گیلے ہو جاتے تھے. ہر قیدی کو صرف ایک کمبل دیا گیا تھا. جسے آدھا نیچے بچھا دیتے اور آدھا اوپر اوڑھ لیتے تھے. اجتماعی جیل میں فرش لکڑی کا تھا مگر کنٹینر میں قیدی گیلی ریت کے فرش پر پڑے ہوتے تھے.

میں نے قندھار کے کنٹینرز جیل میں ۲۵ راتیں گذاریں اس دوران کئی لوگ میرے سامنے سے گذرے بعض لوگوں کو ابتدائی چند راتوں میں ایک کمبل بھی نہیں دیا جاتا تھا اور وہ گیلی ریت پر پڑے ہوتے تھے.

اس کنٹینر کی قید تنہائی میں پڑے قیدی امریکیوں کی سوچ کے مطابق خطرناک اور دہشت گرد ہوتا اور

اسی وجہ سے وہ ان کے ساتھ برا سلوک و رویہ رکھتے۔ ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ دن اور رات تنہائی میں گذرتی تھیں۔ جب تفتیش کے لئے کسی قیدی کو پکارا جاتا تو وہ دوسرے عام قیدی کی طرح فرش پر اوندھے منہ لیٹ جاتا اور اپنے ہاتھ اپنی پشت پر رکھ لیتا تھا۔ دونوں جانب ڈیوٹی پر موجود گارڈ اپنی بندوقوں کو لوڈ کر کے اس کی طرف کر لیتے اور ”حرکت نہ کرو“ کی آواز لگا دیتے پھر دوسرے فوجی زنجیروں سمیت آ کر اسے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا دیتے اور کالی ٹوپی سر پر پہنا دیتے اور رکوع کی حالت میں پوچھ گچھ کے لئے لے جاتے۔ پوچھ گچھ کے لئے لے جاتے وقت عام قیدیوں کے لئے کتے کی موجودگی ہر وقت ضروری نہیں تھی مگر کنٹینر جیل سے قیدیوں کو تحقیق کے لئے لے جاتے وقت فوجیوں کے ساتھ کتوں کی موجودگی لازمی تھی۔

کنٹینر جیل میں قید افراد کو نفسیاتی تشدد کے لئے بھی بعض فوجی مقرر تھے جب رات کافی ہو جاتی تو وہ کنٹینر کے اوپر بڑے بڑے پتھر پھینک دیتے۔ کنٹینر کے اوپر چھت دائرہ نما تھی اور پتھر نیچے تک لڑھکتے لڑھکتے تھوڑا وقت لیتا تھا اور نیچے تک پہنچتے پہنچتے اس کی گڑگڑاہٹ ہوتی۔ ایک پتھر کے نیچے آنے کے بعد وہ دوسرا پتھر مارتے اور یوں کافی دیر تک یہ سلسلہ چلتا۔ یا پھر ایک دو فوجی ڈنڈوں سمیت مقرر ہوتا جو کنٹینر کی چادر کو ڈنڈوں سے مارتے جس کے شور سے قیدی سو نہیں سکتے تھے۔ کبھی کتے کنٹینر میں چھوڑ دیتے جو بھونکتے اور قیدی کو سونے نہ دیتے۔ یوں ایک نہ ایک کھیل جاری رہتا تھا ہر وقت کوئی نہ کوئی قیدی پوچھ گچھ کے لئے جا رہا ہوتا تھا یا پھر کتوں کے تعاقب کے ساتھ واپس آ رہا ہوتا تھا۔ یہ بھی ایک کھیل تھا کہ کنٹینر میں ایک نہ ایک قیدی سزاوار ہوتا۔ یہ سزاوار قیدی راتوں گھٹنوں کے بل کھڑا ہوتا اور ہاتھ سر پر رکھے ہوتے یا پھر اسے کھڑے ہونے، بیٹھنے اور لیٹنے نہیں دیا جاتا تھا۔ کنٹینر میں تین اہم افراد سے میرا سامنا ہوا۔ پہلے کالے رنگ کا ایک پست قد آدمی لایا گیا اور بائیں جانب خانے میں ڈال دیا گیا کنٹینر میں ایک جانب ہم چار افراد کو قرآن کریم کا ایک نسخہ دیا گیا تھا۔ ہم باری باری اس کی تلاوت کرتے تھے اور ایک دوسرے کو کانٹا تار کے خلا میں دیتے رہتے تھے۔ جب کالے رنگ کے پست قد آدمی کو میرے ساتھ والے خانے میں ڈالا گیا تو میں اس کے عربی یا عجمی ہونے میں شک میں مبتلا تھا۔ اگلے روز جب میں قرآن پاک اسے دے رہا تھا تو اس سے پوچھا کہ کون ہو؟ اس نے جلدی جلدی انگریزی میں کہا کہ برطانیہ کا باشندہ ہوں۔ وہاں پیدا اور بڑا ہوا ہوں۔ ماں باپ پاکستانی ہیں مجھے ایک ہفتہ قبل اسلام آباد میں پکڑا گیا۔ ہمیں باتیں کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر طیاروں کے شور کے باعث وہ ہماری باتیں

نہیں سن رہے تھے. دوسری بات یہ کہ ہم اس وقت چپکے سے باتیں کرتے تھے جب ہم ظاہراً قران کریم ایک دوسرے کو دیتے یا لیتے تھے. ہمارے لئے بات کرنے کا موقع صرف قران شریف ایک دوسرے سے لینے یا دینے کی وقت ہوتا تھا. بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس قیدی کا نام حذیفہ تھا وہ کابل میں عربوں کے ساتھ رہتا تھا، وہاں اس نے ایک یتیم خانہ بنایا ہوا تھا بہت متحرک شخص تھا اور باڈی بلڈر تھا اور کنٹینرز میں بھی ہر وقت ورزش کرتا تھا. برطانیہ میں اس کا ایک اسلامی مرکز بھی تھا. کچھ عرصہ قبل وہاں سے ہجرت کر کے اپنے اہل وعیال سمیت کابل میں رہائش پزیر تھا. اسے اس الزام میں پکڑا گیا تھا کہ وہ القاعدہ کے بڑوں سے قریبی روابط رکھتا ہے.

بعد میں پتہ چلا کہ اسے واپس باگرام لے جایا گیا ہے. اور ایک سال وہاں رکھا گیا ہے. باگرام میں زیادہ عرصہ اسے رکھنے کا مقصد وہاں لائے جانے والے قیدی اس کے سامنے لانے اور زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے رکھا گیا تھا. لاہور کا سعد مدنی جو سعودی عرب میں پیدا ہوا اور انڈونیشیا میں پکڑا گیا. کو بھی باگرام میں ایک سال رکھا گیا تھا متوکل کے ساتھ بھی تین ماہ کمرے میں ڈالا گیا اور قیدیوں کے درمیان مشکوک بھی تھا. حذیفہ بعدازاں باگرام میں عرب رہنماؤں کے ساتھ بھی کچھ عرصہ کے لئے ایک ہی کمرے میں ڈالا گیا تھا اور اب رہا کر دیا گیا ہے.

کنٹینرز جیل میں لایا جانے والا دوسرا اہم قیدی حمزہ تھا وہ تیونس کا باشندہ تھا. کیوبا میں عرب قیدیوں کے مابین حمزہ البطل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا. حمزہ البطل طویل قامت قوی الجسہ کالے رنگ کا آدمی تھا وہ بھی باڈی بلڈر لگ رہا تھا. اسی کی کہانی بھی بڑی عجیب ہے حمزہ البطل کو کنٹینرز میں میرے تین ہفتے بعد لایا گیا اسے مکمل برہنہ اندر لایا گیا. دورات سخت سردی میں یوں ہی مکمل برہنہ حالت میں کھڑا رکھا گیا. کمبل بھی نہیں دے رہے تھے اور سونے بھی نہیں دے رہے تھے زبان بھی نہیں سمجھتا تھا اور فوجیوں کے ساتھ اشاروں میں باتیں کرتا تھا. امریکیوں کو حمزہ البطل پر اس لئے غصہ تھا کہ وہ اتنا ماہر شخص تھا کہ پکڑے جانے کے بعد سے سینکڑوں بار اس کی مکمل جسمانی تلاشی لی گئی تھی اور اس کے کپڑے بھی کئی بار انہوں نے خود تبدیل کئے تھے مگر اس حالت میں بھی وہ ایک سو امریکی ڈالر کا نوٹ چھپائے رکھنے میں کامیاب ہوا تھا اور کئی ماہ تک امریکی اس بات پر قادر نہیں ہوئے تھے کہ اسے برآمد کریں. اسے کہتے ہیں سی آئی اے اور ایف بی آئی کا مضبوط جاسوسی نظام!؟ حمزہ البطل یہ نوٹ باگرام جیل میں بھی اپنے پاس رکھنے اور یہاں تک لانے میں کامیاب ہوا تھا اور یہاں بھی اسے

چھپائے رکھا تھا. وہ جس خیمے میں رکھا جاتا وہاں جب تلاشی کے لئے فوجی آتے تو وہ نوٹ میں چھوٹا سا پتھر رکھ کر اسے ساتھ والے خیمے میں پھینک دیتا جب تلاشی گزر جاتی تو ساتھی واپس اس کی طرف پھینک دیتے. کبھی کبھی جب ساتھ والے خیمے میں اعتمادی ساتھی نہ ہوتا تو پھر دور کے خیمے میں پھینک دیتا. یہ سلسلہ کافی عرصے تک چلتا رہا مگر بالآخر آشکارا ہوا اور میرا خیال ہے کہ قیدیوں کے اندر سے کسی جاسوس نے اگر راز افشا نہ کیا ہوتا پھر بھی نہیں پا سکتے تھے مگر وہ نگرانی میں تھا اور پھینکتے وقت دیکھا گیا.

تفتیشی افسر کو بھی حمزہ البطل پر سخت غصہ تھا اور کہتے تھے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو ہماری سخت امیگریشن کے نظام سے گذرتے ہو اور طیارے عمارتوں سے ٹکراتے ہو. جب حمزہ البطل کو برھنہ کنٹینر میں لایا گیا تو ایک تفتیشی افسر آیا اور چاہتا تھا کہ اسے بتائے کہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ایک ہے جو طیارے عمارتوں سے ٹکراتے ہیں. وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ یہ انگریزی نہیں سمجھتا چنانچہ امریکی افسر نے سخت غصے اور تکرار میں اسی کی جانب انگلی اٹھائی اور اسے اپنا پیغام جملوں کے بجائے ٹوٹے الفاظ میں یوں پہنچایا You Newyark, airplane,bummm- یو ... نیویارک .... ائر پلین ..... بوم یعنی تم نے نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے طیارے ٹکرائے تھے. جس سے بوم کی آوازیں آئی تھی. امریکی تفتیشی افسر نے یہ بات کرتے ہوئے اپنی دونوں ہاتھوں سے طیارے کے پر بنا دیئے اور بوم کے لفظ کے ساتھ اپنے بدن کو اس انداز میں مارتا گویا طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا رہا ہو. حمزہ البطل نے گوانتانا مو میں بھی کافی عرصہ قید تنہائی میں گذارا اور یہ بات مشہور تھی کہ وہ تفتیشی افسروں کو معلومات نہیں دے رہا بلکہ ان کا مذاق اڑاتا ہے. حمزہ البطل کے ساتھیوں میں اس کا ایک جملہ بہت مشہور تھا. جس نے اپنی تفتیش کے بارے میں انہیں بتایا تھا.

تفتیشی افسر نے حمزہ البطل سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ حمزہ البطل یعنی جری حمزہ ، حالانکہ اس کا نام فقط حمزہ تھا. پھر پوچھا کہ افغانستان میں کتنا عرصہ قیام کیا ہے؟ اس نے کہا: اٹھارہ مہینے اس سے تیسرا سوال یہ کیا گیا تھا کہ کیا تم نے فوجی ٹریننگ حاصل کی ہے یا نہیں؟ حمزہ نے جواب میں کہا نہیں. تو تفتیشی افسر نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ عرب قیدی تفتیشی افسر کے الفاظ عربی میں یوں دہراتے تھے:

تفتیشی افسر: (حمزة البطل سنة ونصف فی افغانستان ومافیه التدریب؟ لایمکن)

حمزہ: (نعم حمزه البطل سنة ونصف فی افغانستان ومافیه التدریب) یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حمزہ البطل افغانستان میں اٹھارہ مہینے گذارے اور فوجی تربیت حاصل نہ کرے

ایسا تو ممکن ہی نہیں. اس نے کہا ٹھیک ہے میں حمزہ البطل اٹھارہ ماہ افغانستان میں رہا ہوں لیکن فوجی تربیت نہیں کی ہے. اس جملے کے ساتھ حمزہ البطل امریکی تفتیشی افسر کی نقل اتارتا تھا. اوران کی طرح حرکات کرتا تھا. کنٹینر سے میرے نکلنے تک حمزہ البطل برہنہ تھا تاہم اسے بعد میں ایک کمبل دیا گیا تھا.

کنٹینر کی قیدِ تنہائی میں جو تیسرا شخص میں نے دیکھا وہ طالبان کا ایک مشہور معروف شخص تھا. جب قید تنہائی میں میرے پندرہ دن ہوئے ایک رات میں کنٹینرز میں گیلی ریت پر پڑا ہوا تھا جب کافی پریشان سوچوں کے بعد ابھی سویا ہی تھا کہ میرے پہلوں میں درد شروع ہوا میں سمجھ رہا تھا گویا کسی نے وار کیا ہو دیکھا تو میری نظر ایک ڈھیلے پر پڑ گئی سر اٹھایا تو میرے خانے کے کانٹا تار کے پار دو امریکی فوجی کھڑے تھے اور زور زور سے ہنس رہے تھے ساری رات کنٹینر پر پتھر ڈالنے اور ڈنڈوں سے مارنے پر ان کی تسلی نہیں ہوئی تھی جب مجھے سوئے ہوئے دیکھا تو انہوں نے ایک بڑا پتھر مجھے مارا تاکہ میں سو نہ سکوں، پتھر لگنے کی وجہ سے گردوں میں درد ہونے لگا تھا البتہ اوپر سے کوئی زخم نظر نہیں آ رہا تھا اور کئی دنوں تک درد سے کراہ رہا تھا. جب طبی ٹیم کو درد کی شکایت کی تو انہوں نے درد کی جگہ کو دیکھ کر کہا چلو کوئی بات نہیں اوپر سے کوئی زخم نہیں ہے میں پورا واقعہ بیان کرتا .میری بات بھی سنتے مگر کان نہیں دھرتے تھے. چند دنوں تک اسی درد کی وجہ سے پیشاب میں خون بھی آتا تھا. پھر خود ہی ٹھیک ہوا. کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا تھا کسی نے اسے کہا تم اتنی بڑی عمر کے باوجود بچے کی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے ہو یہ کیا بدتمیزی ہے؟ اس نے جواب میں کہا: اب تو میں بہت اچھا انسان بن گیا ہوں. اس سے پہلے تو میں پیشاب کرتے وقت چاروں طرف گھومتا بھی تھا. بالکل اس طرح میرے ایک سوال کے جواب میں امریکی تفتیشی افسر نے اس طرح جواب دیا میں نے استفسار کیا کہ آخر تمہاری فوجیوں نے مجھے کس جرم میں پتھر سے مارا؟ کہا کہ اب تو حالات بہت بہتر ہو چکے ہیں تمہارے آنے سے پہلے حالت بہت بری تھی. اور ہمارے فوجی نیویارک اور واشنگٹن کے حادثات کے حوالے سے بہت مشتعل اور غصے میں تھے لیکن مجھے امریکی فوجیوں نے غصے کی حالت میں پتھر نہیں مارا وہ تو خوش تھے اور ہنس رہے تھے. میرا مذاق اڑا رہے تھے اور کنٹینر کے دونوں جانب پہرے پر مامور فوجی بھی ہنس رہے تھے. اور میری اس حالت سے لطف انذز ہو رہے تھے جو ان کے تکبر کا اظہار تھا. ہاں جس رات امریکی فوجیوں نے مجھے پتھر سے مارا یہ وہ رات تھی جب ایک نیا قیدی ہمارے کنٹینر میں لایا گیا تھا. جب میں نے فوجیوں کی جانب دیکھا تو

انہوں نے کہا کہ یہ پتھر اٹھا کر ہمیں دے دو میں نے پتھر اٹھا کر دیا اور کہا کیا یہ آپ کے انسانی حقوق ہے. تو انہوں نے کہا اور اشارے سے بتایا کہ یہ پتھر لو اور ساتھ والے قیدی کو مارو اس سے اپنا انتقام لو. میں نے کہا آخر اس بے چارے کا قصور کیا ہے؟ ظلم آپ کر رہے ہیں اور انتقام اس سے لوں؟ تیسرے خانے کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس کو پتھر مارو. اس خانے میں ایک بوڑھا سفید ریش عرب قید تھا اور طالبان کے دور میں صوبہ قندو میں الوفا نامی فلاحی ادارہ چلا رہا تھا وہ بیچارہ بھی حیران ہو گیا کہ یہ مجھے مارنے کیلئے کیوں کہہ رہے ہیں؟

کچھ دیر تک میں نے وہ پتھر اپنے ہاتھ میں اٹھایا ہوا تھا کہ اگر کوئی فوجی افسر آجائے تو اس کو شکایت کروں. لیکن بعد میں سوچا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور پتھر کو باہر پھینک دیا. یہ فوجی دراصل نئے قیدی کو دیکھنے کیلئے آئے تھے جب چند منٹ بعد ایک فوجی کنٹینر میں داخل ہوا تو وہاں پہلے سے موجود فوجیوں نے اسے کہا: We have a special guest today آج ہمارے پاس ایک خاص مہمان ہے، اس کے بعد کہا: یہ طالبان حکومت میں صوبہ ہرات کا گورنر تھا. جب میں نے ان کی یہ باتیں سن لی تو میں اسکی جانب متوجہ ہوا لیکن اس کے ساتھ بات کرنے کی اجازت نہیں تھی. جب اگلے روز اس نے مجھ سے قران کریم مانگا تو میں نے قران شریف دیتے وقت اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟

انہوں نے کہا میں ملا خیراللہ خیرخواہ ہوں. مجھے کل کوئٹہ سے پکڑ کر یہاں لایا گیا ہے. مجھے بھی پوچھ گچھ اور تفتیش کیلئے لے جاتے تھے اور ملا خیراللہ خیرخواہ سے بھی البتہ دن میں کئی بار تفتیش و پوچھ گچھ کیجاتی تھی. جب باگرام قندھار اور کیوبا میں ہمیں پوچھ گچھ کیلئے لے جاتے تو ہمیں اپنے نام کی بجائے ہمارے فائل نمبر سے پکارا جاتا تھا چونکہ مجھے، مسلم دوست صاحب اور حاجی ولی محمد صراف کو بگرام میں ریڈ کراس کے اہل کاروں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا لہذا ہمیں باگرام میں مستقل ICRC (انٹرنیشنل کمیٹی آف ریڈ کراس) کا نمبر نہیں دیا گیا تھا بلکہ امریکیوں کی طرف سے قیدیوں کا مسلسل نمبر دیا گیا تھا. مسلم دوست صاحب کا نمبر ۹۶ حاجی ولید محمد کا ۹۵ اور میرا نمبر ۹۴ تھا. لیکن قندھار میں میری فائل نمبر ۵۵۹، حاجی ولی محمد کا نمبر ۵۶۰ اور مسلم دوست صاحب کا نمبر ۵۶۱ تھا.

ملا خیراللہ خیرخواہ کا نمبر میرے ذہن میں بالکل نقش ہو چکا تھا کیونکہ میں نے اس کا نمبر کئی بار سنا تھا.

جب ملا خیراللہ کو بے خوابی کا تشدد دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا تو امریکیوں کے مرکز کے وائرلیس سیٹ سے ہدایت دی جاتی تھی. جب وائرلیس سے ۵۷۹ نمبر پکارا جاتا تھا تو فوراً فوجی آکر ملا خیراللہ کو کہدیتا کہ کھڑے

ہو جاؤ جب وہ نصف گھنٹہ کھڑا ہو جاتا تو پھر اسے کہہ دیتا کہ بیٹھ جاؤ، کچھ وقت بعد اسے کہتے کہ اٹھ جاؤ، نصف گھنٹہ بعد پھر کہہ دیتا کہ بیٹھ جاؤ. اسی حالت میں دن رات اس بیچارے پر گذر لئے تھے. اس لئے آرام کرنے اور سونے کیلئے نہیں چھوڑا جاتا تھا بالآخر اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ وہ نہ کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ ہی بیٹھ سکتا تھا. فوجی اس پر چیخیں نکالتے تھے، ملا صاحب کی آمد کے چھوٹے روز مجھے کنٹینر جیل سے عام جیل میں منتقل کیا گیا. ملا صاحب نے بعد میں مجھے بتایا کہ اسے آٹھ روز تک سونے نہیں دیا گیا تھا اور اسی دوران پوچھ گچھ بھی کرتے تھے. جب میں عام جیل میں دوسرے قیدیوں کے پاس آیا تو قید تنہائی کی نسبت یہ قید مجھے راحت معلوم ہو رہی تھی. اور جب ملا صاحب خیر اللہ خیر خواہ وہاں سے نکلے اور میرے خیمے میں لائے گئے تو اس وقت ہم تین قیدیوں کو باہم بات کرنے کی اجازت تھی. ملا خیر اللہ جس نے قید تنہائی بہت سختیاں دیکھی تھیں جب عام قید خانے میں لایا گیا تو تمام تر سختیوں کے باوجود اسے یہ جیل بہت بہتر لگ رہی تھی. اس نے ہمیں قید تنہائی میں بے خوابی کے تشدد کے وقت اپنی نفسیاتی پریشانیوں کی کہانی بیان کی. وہ کہہ رہا تھا کہ جب وہ بے خوابی سے بہت زیادہ تنگ ہوا تو کئی بار یہ ارادہ کیا کہ اپنا گلہ (چکی) کے گرد لگائی کانٹا تار سے کاٹ دے یا پھر فرش پر بچائی گئی ریت اٹھا کر منہ میں ڈال دے اور تب تک کھاتا رہے جب تک جان نہ نکل جائے اور جب فوجی اس تک پہنچیں گے تو وہ خود کو مار چکا ہوگا. پھر غیرت آئی کہ مردوں پر ہر قسم کی تکالیف آتی ہیں اگر میں ایسا کروں تو بعد میں لوگ کیا کہیں گے کہ اتنی معمولی تکلیف سے بچنے کے لئے اپنی جان لے لی؟. اس نے طالبان تحریک میں اپنے آگے بڑھنے کے قصے بھی بیان کئے اور سقوط طالبان سے پہلے اور بعد کے حالات بھی بیان کئے. جس میں اشک آباد میں امریکیوں کے ساتھ مذاکرات، ہرات میں اس صوبہ کے حالات کی بنیاد پر ایران کے ساتھ روابط، مولوی عبدالوکیل متوکل کا موقف، حامد کرزئی کے ساتھ اس کے پرانے روابط، کوئٹہ میں آئی ایس آئی کے ہاتھوں اسکی گرفتاری، دس روز تک تاریک کوٹھری میں اسے پھینکنا، اس جیل میں آئی ایس آئی کے ہاتھوں مخالف افغانوں پر تشدد اور اس طرح کی دیگر معلومات شامل تھیں. جن کا یہاں لکھنا مناسب نہیں. اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اور کرزئی دونوں پوپلزئی ہیں اور کرزئی نے طالبان دور میں اس کی وساطت سے کوشش کی تھی کہ امریکہ میں طالبان کا نمائندہ بنے. طالبان کی مرکزی شوری نے اس کی منظوری بھی دی تھی اور اس کے تقرری کا مکتوب بھی لکھا گیا تھا مگر اس معاملے کو آئی ایس آئی نے ناکام بنایا تھا اور کرزئی یہ جانتا تھا۔ قید میں طالبان کے کئی رہنماؤں کے جانب سے یہ بات پھیل گئی تھی کہ کئی دیگر افغان شخصیات کی طرح حامد کرزئی کے والد

عبدالاحد کرزئی کو بھی پاکستانی فوجی انٹیلی جنس آئی ایس آئی نے مارا ہے اور ہر وہ شخص جو افغان عوام میں اثر ورسوخ رکھتا ہے اور افغانستان کے قومی مفادات کا دفاع کرتا ہے آئی ایس آئی اسے نہیں چھوڑتی اور وہ مار دیا جاتا ہے. بہر حال یہ ہماری تحریر کا موضوع نہیں ہے. قید تنہائی میں میرے دوسرے جانب ایک برطانوی پاکستانی حذیفہ تھا. جسے بعد میں باگرام لے جایا گیا. جہاں ایک سال تک رکھا گیا اور پھر القاعدہ کے لیڈروں کے ساتھ رکھا گیا تھا. اب رہا ہو چکا ہے حذیفہ کے بارے میں دوسرے قیدیوں نے بتایا کہ وہ کابل میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہ رہا تھا اور اس کا برطانیہ میں ایک اسلامی مرکز بھی تھا۔ اب قلم مسلم دوست کے حوالے کرتا ہوں.

قندھار سے گوانتاناموتک

۲۳/۲/۲۰۰۲ سے ۳۱/۴/۲۰۰۲ تک ہم قندھار کی امریکی جیل میں رہے.

کیوبا بھیجنے کی نشانیاں اس وقت صحیح ثابت ہوئیں جب دو ماہ پانچ دن بعد ۳۱/۴/۲۰۰۲ جب ہم اپنے خیمے کے مشرقی جانب دوپہر کے وقت خیمے کے باہر خیمے کے سائے میں زمین پر اپنے کمبل بچھائے بیٹھے تھے کہ امریکی فوجی آئے اور سب سے پہلے ہمارے خیمے کے سامنے کھڑے ہو گئے اور سب سے پہلے میرا نمبر ۵۶۱ پکارا میرا خیال تھا کہ پوچھ گچھ کے لئے طلب کیا جا رہا ہے. میں اٹھا معمول کے مطابق فوجیوں نے میرے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں باندھ دیں کالی ٹوپی بھی پہنا دی اور لے جانے لگے. کالی ٹوپی کے نیچے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا مگر راستے کے پیچ وخم سے مجھے اندازہ ہوا کہ تفتیش کی جگہ نہیں بلکہ کسی اور جانب لے جایا جا رہا ہے. ہوائی اڈے میں ایک بڑے خیمے میں لٹایا گیا اور ماضی کی طرح تشدد کے ساتھ میرے کپڑے قینچی سے پھاڑ کر اتار پھینکے گئے پھر مجھے نارنجی رنگ کے کپڑے پہنائے گئے. جو ایک پتلون اور ٹی شرٹ پر مشتمل تھے. نارنجی رنگ گے بوٹ پہنائے گئے اور کالی ٹوپی سر سے ہٹائی گئی اور عینک نما پلاسٹک کی پٹیوں سے آنکھیں باندھی گئیں کان کے اوپر سے سخت پٹیاں گزری تھیں جن کے سر پچھلے جانب باہم پھنس گئے تھے اسی طرح کانوں کو بھی سخت پلاسٹک پٹیوں سے باندھا گیا اور منہ اور ناک کو بھی ماسک پہنائے گئے. پھر مجھے بڑے خیمے میں لکڑی کے ایک لمبے تختے کی کرسی پر بٹھایا گیا. میرے بعد استاد بدر اور پھر دیگر قیدیوں کو اسی طرح لایا گیا. اس کام میں کافی وقت صرف ہوا مگر نہ تو ہمارے پاس گھڑیاں تھیں اور نہ ہی آنکھیں بند ہونے کی وجہ سے ہم وقت کا اندازہ لگا سکتے تھے. میں نے استاد بدر کی کوئی بات سنی تو پتہ چلا کہ اسے لایا گیا ہے. ہمیں کچھ بتایا

نہیں گیا مگر مجھے یقین ہوا کہ ہمیں گوانتانامو بھیجا جا رہا ہے. اللہ تعالی نے ہمارے دلوں میں ایک طرح کا اطمینان اور حوصلہ ڈال دیا. اسی واسطے گوانتانامو منتقلی کے حوالے سے کوئی اندیشہ یا بدحواسی محسوس نہ ہوئی تاہم مشکلات اور سختیوں کا ایک نیا باب کھل گیا.

بندھی ہوئی آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں کے ساتھ شام کے بعد شام کا کھانا ہمارے ہاتھومیں رکھا گیا جو آدھی خشک افغانی روٹی پہ مشتمل تھا جو ہم نے نہیں کھایا. اعلان کیا گیا کہ جس کی کوئی ضرورت ہوگی وہ طیارے میں ہاتھ یا پاؤں اوپر اٹھائے گا. میں حیران تھا کہ ہم بندھے ہوئے ہاتھ اور بندھے ہوئے پاؤں کیسے اٹھائیں گے؟.

مطلوبہ قیدیوں کی تعداد مکمل ہونے کے بعد طیارے میں منتقلی شروع ہوئی ایک بڑے بار برداری طیارے میں سخت لکڑیوں کے ایک جانب اور دوسری جانب ہمیں قطار میں بٹھایا گیا . ہاتھوں اور پاؤں میں فولادی زنجیریں تھیں ہاتھ پشت کے ساتھ زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اور ہم حرکت نہیں کر سکتے تھے ہاتھوں اور پشت کی یہ زنجیریں ایک اور زنجیر کے ذریعے پاؤں کی بیڑیوں کے ساتھ باندھی گئی تھی اور طیارے کے فرش پہ ایک ہک تھا جس کے ساتھ ہماری یہ زنجیریں تالے کے ذریعے بند کر دی گئی . پشت کی زنجیر بھی پیچھے کسی چیز کے ساتھ باندھ دی گئی تھی یوں کوئی بھی قیدی حرکت نہیں کر سکتا تھا. کبھی کبھی ہم کان، کندھوں یا آنکھوں کی پٹیوں کی سختی کے باعث اٹھنے والے درد کی وجہ سے حرکت کرتے تو فوجی ہمیں پیٹتے . بزدلی اور خوف کی وجہ سے انہوں نے لاؤڈ سپیکر میں اعلان کیا کہ ’’حرکت نہ کرو‘‘ اور ہم پر حملہ نہ کروں اس وقت ہمارے کانوں کی پٹیاں کچھ نرم کر دی گئی اور ہم حیران تھے کہ اتنے سخت فولادی زنجیروں سے بندھے ہوئی قیدی کس طرح حرکت اور حملہ کر سکتے ہیں، طیارے کا یہ سفر سب سے زیادہ سخت، دردناک اور مشکل تھا. کئی قیدی بے ہوش ہوئے منہ اور ناک کا ماسک کے باعث میری سانس تنگ ہوئی کئی بار آواز دی، امریکی فوجی جواب میں سر پر تھپڑ مارتے بالاخر ایک عربی ترجمان میرے پاس آیا. کان کا پلاسٹک ہٹایا اور پوچھا: کیا مشکل ہے؟ خاموش ہو جاؤ اور حرکت مت کروں. میں نے کہا کہ ماسک کی وجہ سے میری سانس اکھڑ رہی ہے مر رہا ہوں یہ ماسک میرے منہ یا ناک سے ہٹا دو تا کہ آزادانہ سانس لے سکوں. اس نے امریکی فوجی سے کہا. اس نے ماسک مزید سخت کر دیا. سانس مزید تنگ ہوئی . میں سوچ رہا تھا کہ ابھی مرجاؤنگا. ایک وقت مجھ پر بے ہوشی طاری ہوئی اور ساتھ والے قیدی سے میں نے ٹیک لگا دی سفر بہت طویل اور دردناک تھا ہم دعائیہ اذکار کر رہے تھے اللہ نے مہربانی کی اور ہماری

حالت قدرے بہتر ہوئی. راستے میں تین بار بندھے ہاتھوں میں روٹی کا ٹکڑا اور تین بار سیب رکھا گیا جس کا کھانا مشکل تھا کیونکہ ہاتھ منہ تک نہیں جا سکتے تھے اور کھانے کے لئے ہم قلبی طور پر مطمئن نہ تھے، اور اس بات سے بھی ڈر رہے تھے کے کھانے کے بعد انسانی ضرورت کیسے رفع کریں گے؟ پانی ہم نے کئی بار مانگا کچھ دیر بعد ایک چھوٹے سے کاغذی گلاس کو میرے منہ سے لگایا دو گھونٹ لئے ہوں گے کہ اسے پھر ہٹایا گیا.

تقریباً تین گھنٹے سفر کے بعد طیارہ ایک جگہ اتر گیا بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ یہ ترکی تھا. کافی دیر ٹھہرے رہنے کے بعد طیارہ دوبارہ پرواز کے لئے بلند ہوا جس کے بعد گوانتانامو تک کہیں اور نہیں اترا. بلکہ مسلسل اڑتا رہا. ایک وقت ایک ایک گولی ہمارے منہ میں ڈالا گئی جو بہت کڑوی تھی میرا خیال ہے ملیریا کی تھی کیونکہ گوانتانامو بے میں مچھر بہت زیادہ ہیں. گولی کے بعد پانی کا ایک گھونٹ بھی دیا گیا جس کے ساتھ وہ حلق سے پورا نہیں اترا اور گلے میں پھنس گئی بہت پانی پانی پکارا مگر کسی نے توجہ نہیں دی. اور اس گولی نے میری تکلیف میں اور اضافہ کر دیا. گوانتانامو تک نہ تو میں نے کچھ کھایا، نہ پیا اور نہ ہی انسانی ضرورت رفع کی. گوانٹانامو تک لکڑی کے ایک تختے پر بیٹھے رہنے اور ۲۴ گھنٹے تک کسی قسم کی حرکت نہ کرنے کی وجہ سے کئی قیدیوں کو عرق النساء کی تکلیف پیدا ہوئی. جن میں ایک میں بھی تھا. عرق النساء کی اس درد کے باعث مجھے سخت تکلیف رہی اور ڈیڑھ سال تک بغیر کسی علاج کے پنجروں میں تڑپتا رہا اور کافی عرصہ تک اس کی وجہ سے نہ تو میں بیٹھ سکتا تھا اور نہ ہی نماز میں رکوع اور سجدہ کر سکتا تھا اور نماز کھڑے ہو کر اشارے سے ادا کرتا تھا اور کھانا بھی کھڑے ہو کر کھاتا تھا. بالآخر یہ تکلیف دہ سفر تمام ہوا اور ہم کیوبا پہنچ گئے.

گوانتانامو بے کی تاروں میں

اگرچہ ہماری آنکھوں اور کانوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کتنا وقت ہو چکا ہے تاہم تقریباً ۲۴ گھنٹے بعد ۱/۵/۲۰۰۲ کو ہم کیوبا کے ایک ہوائی اڈے پر اترے. بعد میں پتہ چلا کہ ۲۰ گھنٹے ہم فضا میں پرواز کرتے رہے اور ۴ گھنٹے باندھنے، چڑھانے اور اتارنے میں لگے. طیارے سے انتہائی تشدد اور دھکوں سے نیچے اتارے گئے. مصری لہجے والا ایک عرب ترجمان یہ جملہ بار بار ادا کرتا رہا: کہ لاتتحرک. انتم الان فی یدالقوات المسلحة الامریکة. (ہلو مت. آپ اب امریکی مسلح افواج کے ہاتھوں میں ہیں.) ہمیں باری باری ایک بس میں چڑھایا گیا جس میں سیٹ نہیں تھی یہ اس لئے کہ وہ ہمیں

سیٹ پر بیٹھنے کا اہل نہیں سمجھ رہے تھے. بس کے درمیان میں فرش پر بیٹھ گئے. بس روانہ ہوئی کچھ دیر بعد بس نے گڑگڑاہٹ کی گویا کسی پہاڑی پر چڑھ رہی ہو اور پھر رک گئی. کئی قیدی یہ نہیں سمجھ سکے کہ بس ایک بڑے بحری بیڑے پر چڑھی ہے اور بیڑہ گوانتاناموکی جانب روانہ ہوئی. ہم چند قیدی یہ بات سمجھ گئے. تقریباً چالیس منٹ تک بحری بیڑے پانی میں چلتا رہا بس کے ایک جانب اور دوسری جانب باریک ہچکولوں کا اندازہ بڑی مشکل سے ہو رہا تھا. یہ باریک ہچکولے ہم نے محسوس کئے تھے اس لئے سمجھ رہے تھے کہ بحری بیڑے میں جا رہے ہیں. ۴۰ منٹ بعد ہم گوانتاناموبے پہنچے. بس بیڑے سے اتری اور تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک جگہ جا کر رکی.

کئی کئی بار ہم نے نماز کی ادائیگی کے لئے کہا مگر بتایا گیا کہ اس عمل کی اجازت نہیں ہے. فولادی زنجیروں سے بندھے ہوئے ہاتھ پاؤں اور پشت کے ساتھ ہمیں بس سے نیچے اتارا گیا. نہ تو کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی سمجھ رہے تھے کہ کہاں پہنچ گئے ہیں تاہم ایک ایسی زمین پر ہمیں لے جایا جا رہا تھا کہ ہماری پاؤں کے نیچے ٹوٹے پتھروں کا فرش ہو. پھر انہی سخت پتھروں پر بٹھایا گیا اور پھر ہمارے سروں کو نیچے کی جانب دبایا گیا حرکت کرنے، بات کرنے اور کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں تھی. چند گھنٹے اسی طرح بیٹھے تھے. گردنوں میں سخت درد ہو رہی تھی بعض افراد بے ہوش بھی ہو گئے تھے. پھر ایک ایک کو باری باری اٹھایا گیا. راستے میں قینچی سے ہمارے کپڑے پھاڑ کر اتارے گئے اور برہنہ ایک سیڑھی پر چڑھایا گیا. ہم کچھ دیکھ نہیں رہے تھے اس لئے ہر سیڑھی پر جب پاؤں رکھتے تو فوجی آواز دیتے (اگین) دوبارہ. حتی کہ ایک جگہ چڑھ گئے جہاں چند خانے بنے ہوئے تھے. آنکھوں سے پٹیاں ہٹادی گئیں. ایک خاتون ڈاکٹر آئی. ہمارا معائنہ کیا مخصوص مردانہ اعضاء پر بطور خاص ہاتھ پھیرا اور اس کا معائنہ کیا پھر ایک ٹوائیلٹ میں لے جایا گیا جس کا دروازہ نہیں تھا. بندھے ہوئے ہاتھوں اور بندھے ہوئے پاؤں کے ساتھ پانی ہم پر چھوڑا گیا. ہم صرف گیلے ہوئے اور بس. دوبارہ نکالا اور نارنجی رنگ کے کپڑے (قمیض پتلون) پہنائے گئے پھر ہمارا وزن کیا گیا اور قد ناپا گیا پھر ہماری تصویریں اس حال میں اتاری گئیں کہ منہ اور ناک پر بندھے ہوئے کپڑے کی پٹیاں صرف گلے تک نیچے کی گئیں. کمپیوٹر کے پرنٹر سے سوراخ دار پلاسٹک کا ایک فیتہ نکلا جس کے ایک جانب قیدی کی تصویر اور دوسری جانب قیدی کا فائل نمبر، عمر اور ملک کے حوالے سے مخفف الفاظ تحریر تھے. میرے فیتے پر اے ایف لکھا گیا تھا جو افغانستان کا مخفف تھا. فائل نمبر ۵۶۱. وزن، عمر اور قد بھی اس پر تحریر تھا. یہ فیتے ہماری کلائیوں پر گھڑیوں کی طرح باندھ دیئے گئے تھے. پھر ہمارے خون کا نمونہ لیا گیا صرف تصویر اتارتے وقت ہم نے کیمرے کی جانب دیکھا اس کے علاوہ بار

بار کہا جاتا تھا کہ نیچے دیکھو. جب خون لینے کے لئے ہمیں چار پائی پر لٹایا گیا.تو ڈاکٹر بھی ہمیں یہ اجازت نہیں دے رہے تھے کہ ہم ان کی جانب دیکھیں کیونکہ وہ سب ہم سے بہت ڈرتے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ ہم بہت بڑے دہشت گرد ہیں.ہمیں سمجھ نہیں آئی کہ کتنا خون ہم سے نکالا گیا؟.پھر کاٹن کے ذریعے تھوک کا نمونہ لیا گیا. خاتون ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد کچھ اور تو نہیں کہا صرف اتنا پوچھا کہ کبھی زیادہ ادویات تو نہیں کھائی ہیں؟ زیادہ شہد تو نہیں کھایا؟.پھر مجھے دوسرے بلاک میں فوجیوں کی نگرانی میں ایک چھوٹی سی گاڑی میں لے گئے.وہاں تفتیش کے لئے ایک کمرے میں لے جایا گیا جہاں پلاسٹک کی ایک خراب کرسی قیدی کے لئے اور چند اچھی اچھی کرسیاں تفتیشی افسران اور ترجمان کے لئے رکھی گئی تھیں.کمرے کی چھت میں ایک کالا شیشہ لگا ہوا تھا جو دوسرے کمرے میں موجود کمپیوٹر کو تصویریں دے رہا تھا.آواز ریکارڈ کرنے کے آلات بھی خفیہ طور پر رکھے گئے تھے.کمرے کی ایک دیوار میں بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا جس میں بظاہر لوگ اپنا عکس دیکھ سکتے تھے مگر یہ کمرے کی جانب سے آئینہ اور دوسری جانب سے شیشہ تھا جس میں نفسیاتی اور ذہنی ماہرین قیدی کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتے تھے.کئی قیدیوں کو کافی عرصے تک یہ پتہ نہیں چلا تھا مگر مجھ سمیت چند قیدیوں کو پہلی رات سے بعض باریک نشانیوں سے اندازہ ہوا کہ کیمرہ لگا ہوا ہے اور جب کچھ عرصے بعد تفتیشی افسران کو پتہ چلا کہ میں ان چیزوں کا اندازہ لگا چکا ہوں تو وہ حیران ہوئے اور مجھے کہا کہ کسی کو نہیں بتانا تاہم بعد میں سب قیدیوں کو پتہ چل گیا.دو فوجیوں نے مجھے دونوں اطراف سے کندھوں سے پکڑا اور تیسرا پیچھے آ رہا تھا.جب تفتیش کے کمرے میں پہنچے تو کرسی پر بٹھایا گیا.ایک فوجی میرے دائیں جانب کھڑا ہوا ایک پاؤں میرے پاؤں پر سختی سے رکھا اور ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا.دوسری جانب دوسرے فوجی نے ایسا کیا.حالانکہ میرے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں بندھی تھیں.اور ہاتھوں و پاؤں کی یہ زنجیریں ایک اور زنجیر کے ساتھ پشت کے ساتھ بندھے تھے.تاہم ڈر کے مارے کہہ رہے تھے کہ ہم پر حملہ نہیں کرنا.تیسرا فوجی آیا اس نے میرے پاؤں میں پڑی زنجیروں کو فرش کے کنکریٹ میں پھنسے ہوئے آہنی ہک میں مضبوطی سے باندھ دیئے اور پھر انہیں ایک بڑا تالا بھی لگا دیا.

پھر دو تفتیشی افسر ایک ترجمان سمیت آئے.ان کے ہاتھوں میں کاغذی فائل تھی.ایک تفتیشی افسر فوجی وردی میں اور دوسرا عام لباس میں تھا میرے خیال میں ایک سی آئی اے اور دوسرا ایف بی آئی کے نمائندگی کر رہا تھا.تینوں میرے سامنے بیٹھ گئے.میرے اور ان کے درمیان ایک میز تھا جن پر انہوں نے کاغذ رکھ دیئے. میں نے پوچھا کیا کہ یہ کونسی جگہ ہے! انہوں نے بتایا کہ یہ کیوبا کا ایک جزیرہ ہے.پھر انہوں نے پوچھ گچھ شروع

کر دی. باقی تو سارے پرانے سوال تھے جنہیں دھرانے کی ضرورت نہیں. پہلے ان کا ذکر ہو چکا ہے. باگرام اور قندھار کے مقابلے میں یہاں فرق یہ تھا کہ وہ جواب دیتے یا نہ دیتے مگر پوچھنے اور گفتگو کا موقع دیتے. ذاتی سوالات کے بعد پوچھا. کہاں پکڑے گئے ہو؟ کس نے پکڑا ہے؟ اور کیوں پکڑا ہے؟ رات کے دس بجے اسی ابتدائی تفتیش کے بعد تفتیشی افسر چلے گئے چار فوجی آئے. دو نے مجھے اس ترتیب سے پکڑا. تیسرے نے زمینی تالا کھولا اور زنجیروں کو ہک سے نکالا. پھر دو فوجیوں نے مجھے دونوں کندھوں سے پکڑا اور لے گئے. باہر آنے کے بعد دروازے سے تھوڑا سا آگے مستطیل نما تختے لگے تھے جن پر عربی، پشتو اور دیگر زبانوں میں کچھ تحریر تھا. فوجیوں نے مجھے ان تختوں کے سامنے کھڑا کر دیا. ان پر لکھا تھا کہ فوجیوں اور کیمپ کے منتظمین کی بات مانو اور کیمپ کے اصول وقواعد سے انحراف نہ کرو. ان قواعد کے ساتھ یہ جھوٹ بھی لکھا گیا تھا کہ آپ کو جنیوا کنونشن کے تحت قیدیوں کے حقوق سے بھی زیادہ مراعات دی جا رہی ہیں. اور اگر اصولوں سے انحراف کیا تو یہ مراعات واپس لی جائیں گی اور تمہیں سخت سزائیں بھی دی جائیں گی. فوجیوں نے اتنی مہلت نہیں دی کہ میں تختوں پر تحریر تمام اصول وقواعد پڑھ سکوں. اور زبردستی مجھے وہاں سے روانہ کیا گیا. راستے میں وہ مسلسل لُک ڈاؤن کہتے رہے یعنی نیچے دیکھتے رہو. سر اٹھانے اور دوسری جانب دیکھنے کی اجازت نہیں تھی آبادی سے آگے سیڑھیوں تک گئے تو سامنے آہنی بلاک تھے اور ان سے آگے سمندر دکھائی دے رہا تھا. سیڑھیوں سے نیچے اترے تو بندھے بجتی زنجیروں اور بیڑیوں کی وجہ سے تنگ تنگ قدم اٹھاتے ہوئے نامعلوم جگہ کی طرف روانہ تھے ہر طرف آہنی جالدار دیواریں تھیں جن کے اوپر کانٹا تار بچھائی گئی تھی. دو آہنی جالدار دروازوں سے گذرتے وقت نگران فوجیوں نے میرا کارڈ دیکھ کر ہمیں جانے دیا. ایک دروازے سے گزرنے کے بعد جب تک پہلے دروازے کو چابی سے لاک نہیں کیا تب تک دوسرا نہیں کھولا گیا دوسرے دروازے سے گزر کر اندر گئے تو درمیان میں بڑا راستہ تھا اور راستے کے دونوں جانب آہنی پنجروں کے بلاک تھے جن کے گرد آہنی جالیوں کی دو دیواریں بنائی گئیں تھیں جن کے اوپر کانٹا تار بھی تھی. ہم دورویہ بلاکوں کے مابین بڑے راستے پر جنوب کی طرف جا رہے تھے اور بالکل سامنے سمندر دکھائی دے رہا تھا. آگے بائیں جانب ایک بلاک کے سامنے ہمیں کھڑا کیا گیا. ایک سفید تختی پر کالے رنگ میں جی لکھا گیا تھا جو گولف کا مخفف تھا. گولف بلاک کے نگرانوں کو آواز دی گئی. ایک نگران آیا اس نے آہنی جالی کے دروازے کے بعد دیگر کھول دیئے اور ہمارے اندر جانے کے بعد بند کئے گئے. آہنی بلاک زمین سے تقریباً ڈیڑھ گز بلند کنکریٹ کے ستونوں اور آہنی گارڈوں پر کھڑے تھے. یہاں انسانی

تاریخ کے انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کا ایک نیا باب کھل گیا۔

ڈین این اے ٹیسٹ کیا ہے

گوانتا ناموجیل میں سب مجاہدین کا پہلی مرتبہ ایف بی آئی سے واسطہ پڑا تھا اس لئے امریکیوں کے تحقیق کے جدید طریقہ کار پر بحث ومباحثہ میں بالوں اورتھوک کے نمونے لے کر محفوظ کر لینے کی بحث نے کافی الجھائے رکھا اصل میں ڈین این اے پر مختصر نظر ڈالتے ہیں۔

ڈی این اے کے بارے میں کہا جاتا ہے اس کے اندر وہ تمام معلومات موجود ہوتی ہیں جو بعد ازاں انسان کی ساری زندگی کے معاملات کنٹرول کرتی ہے۔ قد و قامت' رنگ' شکل وصورت' جسمانی اور نفسیاتی ساخت سے لے کر بیماریوں اورادویات تک کی معلومات اس میں سٹور ہیں۔ ڈی این اے کی مثال ایک کمپیوٹر چپ کی سی ہے۔ جس میں انسان کے بارے میں خصوصیات اوراس سے متعلق پروگرام کوفیڈ کر دیا گیا ہے۔ ڈی این اے کوسائنسی اصطلاح میں Deoxyribo Nucleic Acid کہتے ہیں جس کا مخفف D.N.A بنتا ہے اسے ''کنگ آف مالیکیول'' بھی کہا جاتا ہےاور جینیاتی اطلاعات کا منبع شمار کیا جاتا ہے۔

اٹھارویں صدی میں ایک پادری مینڈل نے موروثی خصوصیات پر تحقیق کی۔ اس نے مٹر کے پودوں کی موروثی حیثیت پر تحقیق کر کے کچھ اصول اورقوانین وضع کیے جو آج بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں پیش رفت انیسویں صدی میں خلیے اور مرکز خلیہ کے خوردبینی مشاہدے سے اس کے مظاہر سامنے آئے اس تحقیق نے ایک نئی سائنس کی بنیاد ڈالی اس سائنسی علم کا بنیادی محور ڈی این اے ہے جس کی تشریح کرک اورواٹس نے ۱۹۵۸ء میں کی۔

تحقیق بتاتی ہے کہ ہر فرد کے ڈی این اے کی ساخت مختلف ہوتی ہے۔ تجربات کے ذریعے جب مرکز خلیہ کھولا جائے تو یہ دھاگے کی مانند چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں خوردبین کے نیچے نظر آتے ہیں انسان کے عام خلیات میں اس طرح کے ۲۳ جوڑے ہیں۔ انہیں X اور Y دھاگے کہتے ہیں۔ ان میں سے Y مردانہ خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں جبکہ X زنانہ خصوصیات رکھتے ہیں ان ۲۳ جوڑوں میں سے ۲۲ جوڑے ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن ۲۳ ویں جوڑے میں فرق ہوتا ہے اگر عورت ہوتو دونوں جزو ایک سے ہوں گے۔ انہیں X کہا جائے گا مرد ہوتو ایک X اور ایک Y ہوگا ڈی این اے کا اختلاف ہی مختلف

افراد کے مابین فرق کا باعث ہے۔ ڈی این اے ہر ذی روح کے خلیہ کے مرکز (نوات خلیہ) میں موجود ہوتا ہے۔

ڈی این اے ٹیسٹ کے علاوہ ایف بی آئی ''پولی گراف ٹیسٹ'' بھی دوران تفتیش کرتی ہے یہ بلڈ پریشر، سانس اور انگلیوں کا پسینہ جانچنے کا ٹیسٹ ہوتا ہے یہ بالکل غیر معتبر قرار دیا جا چکا ہے خود امریکی عدالتیں اس کو نہیں مانتی۔ اب اس گفتگو سے حاصل یہ کہ ایف بی آئی ڈی این اے کے لئے بال اور تھوک کے نمونے کس واسطے استعمال کریں گے؟ جواب یہ کہ دوبارہ کوئی قیدی کسی کارروائی کرنے سے ڈر جائے کہ وہ خدانخواستہ پکڑے جائے تو ان کے تمام ثبوت پیش کر ان کو پھر قید کیا جائے لیکن اللہ رب العزت کے مقابلے میں کوئی تدبیر نہیں چلتی اور اللہ ہمارے ڈی این اے کو ہی بدل ڈالے تو پھر امریکا کیسے مسلمانوں کو جہاد کرنے سے روکے گا۔

آہنی پنجرے

بلاک کے درمیان میں گلی اور دائیں بائیں جانب کیبن نما پنجرے تھے۔ ایک بلاک میں ۴۸ پنجرے ہوتے ہیں ۲۴ ایک جانب اور ۲۴ دوسری جانب۔ یہ بلاک یعنی ۴۸ پنجروں پر مشتمل تھا۔ ایک پنجرے میں ایک قیدی ہوتا ہے. پورا بلاک آہنی ہے اس میں نہ تو لکڑی ہے نہ سیمنٹ اور نہ ہی پلاسٹک. فرش اور چھت بھی آہنی ہے اور اردگرد آہنی جال ہے۔ جس سے آسمان، سورج اور قریب و سامنے کے کیبن اور ان کے قیدی نظر آتے ہیں۔ تمام پنجروں کے دروازے درمیانی راستے کی جانب کھلتے ہیں ہر ایک دروازے میں سینے کے برابر ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے جہاں باھر کی جانب سے لوہے کا دروازہ لگا ہے ان کھڑکیوں سے فوجی کھانے کے وقت قیدی کو کھانا یا بیمار کو دوا دیتے ہیں یا پھر تفتیش کے وقت قیدی ان کھڑکیوں سے ہاتھ باہر نکالتا ہے اور فوجی ان میں ہتھکڑیاں پہناتے ہیں یا پھر کپڑے تبدیل کرنے کیلئے قیدی کو اس کھڑکی کے ذریعے دیئے جاتے ہیں۔ ہر ایک پنجرہ ایک میٹر اور ۸۰ سنٹی مربع ہے پنجرے کے اندر سامنے دیوار کے ساتھ آہنی فرش کے ساتھ کموڈ اور ہاتھ دھونے کے لئے سٹیل کی بیسن لگی ہے ابتدائی دنوں میں کموڈ کے پانی کے لئے سٹیل کا ایک بٹن فرش کے ایک جانب پر لگا ہوا تھا پھر یہ بٹن ہاتھ دھونے کے بیسن کی دوسری جانب لگایا گیا جس کے دبانے سے پانی بہہ جاتا پنجرے کے دائیں جانب دروازہ اور بائیں جانب آہنی دیوار کے ساتھ لوہے کا ایک تختہ

ویلڈ کیا گیا ہے جس سے چارپائی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

پنجروں کی زندگی

پنجرے کے اندر جانے اور بلاک میں آنے سے قبل میں نے فوجیوں سے کہہ دیا تھا کہ چھوٹا پیشاب کرنا چاہتا ہوں چنانچہ جب فوجی گولف بلاک کے بائیں جانب پہلے پنجرے کے اندر مجھے لے گئے تو مجھے کموڈ کے پاس گھٹنوں کے بل کھڑا کر دیا اور ہتھکڑیاں کھول دیں اور میرے ہاتھ میرے سر پر رکھوا دیئے۔ حرکت نہ کرنے کی ہدایت کر دی۔ بہت جلدی میں نکلے اور دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ رفعہ حاجت کی جگہ ہے اور جس طرح میں نے تقاضا کیا تھا وہ مجھے سیدھا یہاں لے آئے ہیں تاکہ حاجت پوری کر سکوں اور بعد میں مجھے دوسری جگہ لے جایا جائے گا. مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ ٹواٹیلٹ نما پنجرہ میری رہائش گاہ ہے۔ جب پیشاب کر کے اٹھا تو دیکھا کہ ایک جانب آہنی تختہ ہے جس پر دو باریک کمبل پڑے ہیں دو تولئے اور ایک رومال ہے۔ دائیں بائیں سوراخوں میں دیکھا تو پتہ چلا کہ دونوں جانب قطاروں میں ہر پنجرے میں ایک ایک قیدی ہے اور وہ قیدی ہیں جو باگرام اور قندھار میں ہمارے ساتھ تھے۔ اور ایک ہی طیارے میں ہمارے ساتھ آئے ہیں۔ پھر میں سمجھ گیا کہ ہمارے رہنے کی جگہ یہی ٹواٹیلٹ نما آہنی پنجرہ ہے اور یہ کیوبا میں گوانتانامو بے جیل کے وہ پنجرے ہیں جن کے بارے میں قندھار میں ہندوستانی ترجمان نے مجھے بتایا تھا، تمام قیدی تکلیف دہ سفر کی تھکاوٹ، دکھ نا آشنائی کے باعث خاموش بیٹھے تھے، رفتہ رفتہ ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا اور باتیں شروع کیں. ہم سے پہلے اس ایکسرے کیمپ میں جو قیدی لائے گئے تھے انہیں باہم باتیں کرنے اور آذان دینے کی اجازت نہیں تھی، انہوں نے احتجاج کیا اور مظاہرے کیئے جس کے بعد باتوں اور آذان کی اجازت دی گئی تھی وہ پھر اسی ڈیلٹا کیمپ آئے تھے اور ہمارے قریبی بلاک میں رہ رہے تھے، ہمارے دور میں اپنے بلاک کے قیدیوں کے ساتھ باتیں کرنے کی اجازت تھی مگر آہنی جالی کے دوسری جانب والے بلاک والوں کے ساتھ باتیں کرنے کی اجازت نہیں تھی. لیکن ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور انہیں آواز دیتے تھے، جب فوجیوں کو پتہ چلتا وہ ہمیں اس کی سزا بھی دیتے، یہاں انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا ہے، انسانی حقوق پائمال ہیں. اخلاقی اقدار ختم ہو چکے ہیں اور قیدی پریشانیوں دکھ درد اور غموں کے اندوہ وطوفانوں میں پڑے ہیں، انسانی حاجت، خوراک، نیند، نماز اور پوری زندگی بس یہی پنجرہ

ہے۔ قریب کے کموڈ ایک دوسرے کو نظر آرہے ہیں، ایک جانب کے پنجروں کے کموڈ نماز کے وقت قیدیوں کے سامنے ہوتے تھے اور پردے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ ہم سے پہلے رفع حاجت کے وقت مخصوص اعضاء پردے میں رکھنے کی اجازت نہیں تھی مگر احتجاجی مظاہروں کے بعد اس کی اجازت دی گئی اور سونے کے لئے جو پتلا سا فوم ہمیں دیا گیا تھا ہم اسے اپنے گرد کھڑا کر دیتے یوں ہم اپنی شرمگاہیں چھپا دیتے، یہ ہدایت تھی کہ رفع حاجت کے وقت قیدی کا سر فوجیوں کو نظر آنا چاہئے۔

ایک چھوٹا سا صابن، ٹوتھ پیسٹ، ایک چھوٹا سا ٹوتھ برش اور ایک ڈسپوزبل گلاس بھی پنجرے میں تھا. قران کریم بھی ہر قیدی کو دیا گیا تھا۔ جسے پنجرے کے جال میں ہم نے ماسک میں آویزاں کیا تھا۔ ایک سال بعد ہمیں فوم کا بستر دیا گیا تاہم یہ بستر کروٹ بدلتے وقت دوسری سمت سے ہوا بھر جانے کی وجہ سے قیدی سوتے وقت تکلیف سے دوچار ہوتا اس لئے اس پر کوئی نہ لیٹتا البتہ تکیہ قید کی آخر تک نہیں تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ پنجرے کے اندر پانی کا نلکہ بھی ہے تو بہت خوش ہوا. دوسرے قیدیوں کے ساتھ دعا سلام اور بات چیت کے بعد سے سے پہلے اس پنجرے میں نلکے کے پانی سے نہایا۔ اگر چہ پانی لینے کے لئے کوئی برتن نہیں تھا. تاہم پانی پینے کے لئے موجود ڈسپوزبل گلاس سے کام لیا۔ تھوڑا پانی خود پر ڈالتا تھا. صابن استعمال کیا اور چھ ماہ کا میل اتار دیا جس سے بدن ہلکا ہوا. پھر میں نے مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں. کافی دیر شغل کے بعد دیکھا کہ استاد بدر کو نارنجی کپڑوں میں پابند سلاسل بلاک کے اندر لایا گیا ہے. اسے اس حالت میں دیکھ کر بڑا رنجیدہ اور دکھی ہوا. تاہم پابندی کے باوجود میں نے اسے حوصلہ دیا اور اسے حوصلہ دلانا والی باتیں کیں۔ اسے بلاک کے دائیں جانب کے قطار میں آخری پنجرہ میں لے جایا گیا. ہم تو نہ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی ہماری آواز ایک دوسرے تک پہنچ رہی تھی۔ کچھ دیر شغل کے بعد سحر ہونے سے پہلے اٹھا۔ وضو بنایا۔ عبدالسلام ضعیف میرے پنجرے سے چند پنجرے آگے تھے اس نے آواز دی کہ رات ابھی کافی ہے سو جاؤ، میں نماز و اذکار کے بعد طلوع سحر کے انتظار میں بیٹھا تھا. طلوع سحر کے بعد ہم نے نماز پڑھی۔ ایک ایک قرآن پاک ہمیں دیا گیا تھا ہم نے تلاوت کی۔ صبح کا ناشتہ آیا۔ معمولی خوراک کے بعد ہم باتیں کر رہے تھے کہ گوانتانامو بے میں ہمارے پہلے روز کا سورج طلوع ہوا. ہم گولف بلاک میں تھے۔ ہمارے دائیں جانب دوسرا بلاک تھا جس میں ہم سے پہلے لائے جانے والے قیدی تھے ہمارے اور ان کے درمیان جال کا پردہ تھا ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے مگر ایک دوسرے کی آوازیں سن سکتے تھے. انہوں نے ہمیں خوش آمدید کہا.

عرب، افغان اور دیگر قیدی اکٹھے تھے۔ ایک افغان جس کا پنجرہ میرے قریب تھا، نے آواز دی اور کہا کہ میرا نام سراج الدین ہے. میں خوست کا ہوں. میرا بیٹا گل زمان میرے ساتھ یہاں گوانتانامو میں قید ہے میرا ایک بھائی حاجی خان زمان ہے. اس کے بارے میں اگر معلوم ہو تو مجھے بتاؤ کہ وہ قیدی ہے یا رہا ہو چکا ہے؟ تم اسے جانتے ہو یا نہیں؟ اس کے بارے میں کوئی اطلاع رکھتے ہو یا نہیں؟ میں سمجھ گیا کہ یہ خوست کے اس خاندان کا سربراہ حاجی سراج الدین ہے جس کا بھائی (حاجی خان زمان) ہمارے ساتھ قندھار جیل میں ایک ہی خیمے میں تھا اور امریکی افواج کے بمباری کے نتیجے میں اس کے گھرانے کے گیارہ افراد شہید ہو چکے ہیں. میں نے اسے کہا حاجی خان زمان اور میں قندھار جیل میں اکٹھے تھے. مجھے یہاں لایا گیا اور وہ ادھر ہے۔ چند روز بعد اسے بھی گوانتانامو بے لایا گیا۔ یوں اس طرح گوانتانامو کے آہنی پنجروں کی تاریخ کا نیا باب کھل گیا اور زندگی کی نئی کہانی شروع ہوئی.

۱- میں قلم استاد بدر کے حوالے کرتا ہوں وہ قندھار سے گوانتاناموتک کی کہانی کچھ یوں بیان کرتے ہیں.

مختصر یہ کہ قندھار کی تکالیف ومشکلات اختتام تک پہنچی اپریل ۲۰۰۲ میں ایک بار پھر ہماری داڑھیاں مونڈھی گئیں اور دوپہر جب ہم اپنے خیموں سے حاضری دینے کے لئے نکلے. ایک فوجی نے مجھے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ لوگوں کو آج یا کل یہاں سے کسی اور جگہ منتقل کیا جائے. مسلم دوست صاحب کو اس سے قبل ریڈ کراس کے ایک ہندی ترجمان سے معلوم ہوا تھا کہ قندھار سے سارے قیدی گوانتانامو بے منتقل کئے جائیں گے تاہم ابھی وہاں قیدیوں کے پنجرے تیار نہیں ہوئے ہیں۔ قیدیوں کے لئے نارنجی لباس بھی مسلم دوست صاحب کے خیمے کے قریب لاکر رکھ دیا گیا تھا فوجیوں کی بات درست ثابت ہوئی میں اور مسلم دوست صاحب ابتدائی افراد تھے جو اس روز خیموں سے نکالے گئے۔ جب فوجیوں نے میرا نمبر ۵۵۹ پکارا اور مجھے مزکورہ حالت میں ہوائی اڈے کے دروازے سے نکالا تو تفتیش کے خیموں کی جانب ایک بڑے گودام میں لے گئے جب میرے چہرے سے کالی ٹوپی ہٹائی گئی اور جب ہمارے کانوں اور آنکھوں میں gogles اور ماسک ڈالے جا رہے تھے تو میں نے مسلم دوست صاحب کو دیکھا اور ترجمان کے ساتھ باتوں کے دوران بھی میں نے اس کی آواز سنی۔ اس بڑے گودام میں چند منٹوں کے وقفے سے قیدی لائے جا رہے تھے۔ شام کے چار بجے سے رات ۹ بجے تک قیدیوں کا عارضی طبی معائنہ، آسمانی رنگ کا جمپ سوٹ اتارنا اور نارنجی رنگ کا لباس پہنانا، زنجیروں سے قیدیوں کو باندھنا وغیرہ کا عمل اس دوران مکمل ہوا۔ گوادم سے باری باری ہمیں نکالا گیا اور سب کو

کندھوں سے پہلے کی طرح ایک رسی کے ذریعے چند قطاروں میں بیٹھے باندھا گیا اور پھر ہوائی اڈے لے جایا گیا۔ میں نے آنکھوں پر بندھی پٹی میں ایک معمولی سے سوراخ سے دیکھا کہ ہمیں ائر پورٹ میں ایک طیارے کے پیچھے بٹھایا گیا جس کے پچھلے دروازے کھلے تھے اور اس کے اندر والٹ کا ایک بلب جل رہا تھا۔ طیارے سے فوجی اتر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ہمیں باری باری طیارے میں چڑھا کر لکڑی کی سخت سیٹوں سے باندھا گیا۔ طیارے میں ہم نے دیکھا کہ وہاں موجود فوجیوں نے کیموفلاج وردی پہن رکھی تھی۔ اور ہر قیدی کے سر پر کھڑے تین تین فوجی قندھار کے فوجیوں کی نسبت خاموش کھڑے تھے اور اتنی بد اخلاقی نہیں کر رہے تھے جتنی قندھار اور باگرام کے فوجی کر رہے تھے زنجیروں اور بلیو باکس (ہاتھوں کے مابین سبز بکس) آنکھوں اور کانوں پر بندھی پٹیوں کے ساتھ ساتھ ہاتھوں میں ایسے دستانے بھی پہنائے گئے تھے کہ جن میں ہم انگلیوں کو بھی حرکت نہیں دے سکتے تھے. حرکت کرنے پر قیدیوں کو مار بھی پڑی.

بعض قیدی جو ٹوائلٹ لے جائے گئے۔ ان سے بند آنکھوں پتلون اتاری گئی اور انہوں نے بندھے ہاتھوں وضو توڑا۔ نماز کی اجازت نہیں تھی. نیندگی گولیاں دی گئیں تھیں مگر غم واندوہ کے باعث نہ تو کوئی سویا ہے اور نہ ہی کسی نے کچھ کھایا ہے طیارے میں سوار کرنے سے قبل قندھار میں جو آدھی روٹی دی گئی تھی وہ بھی کس نے نھیں کھائی تھی. ملا عبدالسلام ضعیف ملا خیراللہ خیرخواہ، حاجی ولی محمد صراف، مولوی امین اللہ اور دیگر عرب وعجم قیدیوں سمیت ۳۵ افراد ہمارے ساتھ اس طیارے میں تھے. عبدالرحمٰن آغا جس نے ۲۴ گھنٹے گوانتانامو تک سفر اور بعد ازاں پنجرے تک پہنچنے کے دو تین گھنٹے کے دوران اپنا پیشاب روکا ہوا تھا جس کے بعد اسے پیشاب کی تکلیف لاحق ہوئی. مسلم دوست صاحب سمیت کئی قیدیوں کو عرق النساء کا عارضہ لاحق ہوا. جس سے مسلم دوست صاحب ڈیڑھ سال تک گوانتانامو میں سخت تکلیف میں رہا۔ باگرام، قندھار اور آئی ایس آئی کی جیلوں میں پیش آنے والی مشکلات کے بعد سب سے بڑا مشکل مرحلہ قندھار سے گوانتانامو تک کا سفر تھا۔ یہ سفر جسمانی اور نفسیاتی لحاظ سے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ دو تین گھنٹوں تک سفر کے بعد طیارہ ایک جگہ رکا. اور تین گھنٹے رکا رہا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ ترکی تھا. ہمارے تین دن بعد لائے جانے والے قیدیوں کا طیارہ بھی ترکی میں تبدیل کر دیا گیا تھا قندھار سے رات کے وقت شروع کردہ سفر کے بعد طیارے کی تبدیلی کے وقت قیدیوں نے دن کے وقت سورج کی تپش محسوس کی۔

طیارہ کیوبا پہنچا۔ تمام تکالیف ایک جانب مگر طیارے کے لاؤڈ سپیکر سے اعلان کردہ ایک جملہ

دوسری جانب۔ طیارے کا کیپٹن کہہ رہا تھا Show no affection to the terrorist یعنی دہشت گردوں کے ساتھ کسی قسم کی ہمدری نہ دکھانا۔ میں اپنا کندھا اپنے کانوں پر بندھے ہوئے گاگلز کے ساتھ رگڑ رہا تھا جس سے کانوں سے گاگلز تھوڑا سا سرک گئے اور یہ جملہ میں نے سنا۔ یہ جملہ پرواز کے روانہ ہونے کے چند منٹ بعد کہا گیا تھا۔ میں اس ظلم پر حیران تھا۔ میں اور مسلم دوست صاحب اپنے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور ہمیں ائی ایس آئی اور اس کے ایجنٹوں کی جانب سے ایک سازش کے تحت پکڑا گیا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ہم دہشت گرد ہیں؟ اور ہم کسی قسم کی ہمدردی کے مستحق نہیں ہیں۔ گوانتانا مو کے ہوائی اڈے میں ایک بار پھر فوجیوں نے باگرام اور قندھار کے فوجیوں کی طرح بداخلاقی کا مظاہرہ شروع کیا. فوجی چیخیں مار رہے تھے۔ ہمیں طیارے سے اتارا گیا. بغیر سیٹوں والی بس کے فرش پر بٹھایا گیا اور معمولی حرکت پر ہم پر مُکّے برسائے جاتے. صرف عربی کا ایک ترجمان تھا جو جلدی جلدی ایک ہی جملہ مسلسل دہرا رہا تھا (الان انت فی یدالقوات الامریکیه اسکت) (ضع یدک علی رجلک الیسری. لا تتحرک) س چل رہی تھی پھر بس نے ایک زوردار جھٹکا مارا گویا کسی کھڈے پر گذرا ہو۔ مگر پھر بس کی عمومی باڈی بہت معمولی ہل رہی تھی اور بس کا شور یا ایکسلیٹر کی آواز نہیں آرہی تھی۔ پتہ چلا کہ یہ ہوائی اڈے اور ڈیلٹا کیمپ کے مابین چھوٹا سا خلیج ہے۔ بس ایک بیڑے پر چڑھ گئی تھی۔ چند منٹ کے بحری سفر کے بعد بس پھر روانہ ہوئی ارو تھوڑی دیر بعد جیل میں داخل ہوئی۔ مختصر یہ کہ بس جیل میں رک گئی ہمیں بس سے اتارا گیا۔ زمین پر بچھائے گئے پتھروں پر ہمیں بٹھایا گیا اور باری باری ڈسپنسری میں غسل اور کپڑوں کی تبدیلی کے لئے لے جایا گیا۔

اکثر قیدی پیشاب کے دباؤ کی شکایت کرتے مگر انہیں خاموش رہنے کی ہدایت کی جاتی اور مکے بھی مارے جاتے۔ کتے بھی موجود تھے تاکہ قیدیوں کو ڈرا کر خاموش رکھے۔ ہم ایک رات اور ایک دن کے سفر کے بعد دوسرے دن کے شام کے وقت اپنی پشت پر ڈھلتی دھوپ محسوس کررہے تھے۔ ابھی تک نمازیں ہم نے اشاروں سے اندازاً ادا کی تھی۔ کئی قیدیوں نے بعد میں پنجروں میں دوبارہ ادا کی۔ ایک بہت دلکش کام جو ہمیشہ کے لئے میرے ذہن پہ نقش رہے گا۔ یہ تھا کہ بس سے اتارنے اور زمین پر بٹھانے کے بعد ہم نے لاؤڈ سپیکر پہ آذان کی آواز سنی. لاؤڈ سپیکر چھوٹا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے آواز بہت دور سے آرہی ہو۔ آذان کی اس آواز نے میرے اور دوسرے قیدیوں کے دلوں پر ایسا اثر کیا اور اس سے ہم قلبی طور پر مطمئن ہوئے اور بڑا حوصلہ ملا

ایسا محسوس ہوتا کہ ہم سرے سے قید ہی نہیں ہوئے۔ میں نے زندگی میں پہلے کبھی اتنی روحانی خوشی محسوس نہیں کی تھی جتنی اس آذان نے مجھے دی. ایک عجیب مزہ تھا۔ آذان کا ہر لفظ مجھے سکون واطمینان دلا رہا تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اپنے گاؤں کے مسجد کی آذان سن رہا ہوں اور آزاد ہوں۔ آذان تو قندھار اور باگرام میں بھی دی جاتی تھی مگر ان میں اتنا اثر نہیں تھا۔ ایک تو ہماری آنکھیں بند تھیں اور کان کھول دیئے گئے تھے اور ہم دیکھنے کی بجائے آواز کی جانب زیادہ متوجہ تھے دوم یہ کہ تکلیف کے اس وقت میں یہ آذان ہمیں ایک عجیب سکون دے رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا گویا ہم سے کوئی کہہ رہا ہو کہ فکر مند نہ ہوں۔ آپ اللہ رب العزت کی حفاظت میں ہیں۔ گویا ساری دنیا کے مسلمانوں کی آواز اس آذان میں ہمیں پہنچ رہی تھی اور ہمیں مادی دنیا کی پریشانیوں میں روحانی سکون کی جانب لے جا رہی ہے۔ آذان کے ساتھ میں نے اپنے ذہن میں سوچ کی نئی لکیریں بنا دیں. میں سوچ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے گوانتاناموکے جن پنجروں کے بارے میں ہم نے سنا ہے وہ دیگر قیدیوں کے لئے ہوں گے اور یہاں ہمیں بڑے بڑے اجتماعی ہالوں میں رکھا جائے گا۔ اور اب خوشی خوشی سے اس آذان کے بعد باجماعت نماز پڑھیں گے۔ بند آنکھوں سے یہ تصورات میرے ذہن میں چل رہے تھے کہ مجھے اٹھنے کے لئے کہا گیا اور ڈسپنسری کی جانب روانہ کیا گیا.

ڈسپنسری لے جانے کی میری باری کچھ دیر بعد میں آئی. ڈسپنری جیل کی نسبت اونچی جگہ تعمیر کی گئی تھی جہاں ہمیں سیڑھیوں سے چڑھایا گیا۔ وہاں ایک شب و روز کے بعد ہماری آنکھیں کھول دی گئیں. کھڑے کھڑے ہمارے کپڑے پھاڑ کر پھینکے گئے اور پھر غسل خانے لے جایا گیا۔ دو فوجی کھڑے تھے ہاتھوں پاؤں میں زنجیروں سمیت ہمیں غسل کے لئے کھڑا کر دیا گیا. چھ ماہ بعد غسل کیا فوجی جلدی جلدی کی آوازیں نکال رہے تھے لیکن میرے مہینوں کا میل کہاں صاف ہو رہا تھا اور وہ بھی بندھے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ؟ اس ذلت آمیز غسل کے بعد مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا. جہاں ایک خاتون نے میرا طبی معائنہ کیا. نارنجی لباس مجھے پہنایا گیا پھر دوسرے کمرے میں ایک انتہائی مکار شخصیت رکھنے والے شخص نے مجھ سے میری ذاتی زندگی اور گرفتاری سے متعلق مختصراً پوچھا تاہم اس تھکاوٹ میں اس کا ایک سوال انتہائی بے ہودہ تھا وہ یہ کہ اس حال میں مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ تم نے انگریزی ادب پڑھا ہے انگریزی مصنفوں اور شاعروں میں تمہیں کون پسند ہے؟ وہ میری فائل پڑھ چکا تھا. میں کھڑا تھا اور فوجیوں نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا جبکہ تفتیش کرنے والے کرسی پر بیٹھا تھا. میں نے جواب دیا کہ سب پر لعنت ہو. کیا تم ہمیں ان سوالات کے لئے لائے ہو

؟وہ شخص مجھ پر تیز نظریں جمائے ہوا تھا اور پھر پوچھا کہ Keat نام کا شاعر ہے اسے پڑھا ہے یا نہیں؟ میں نے ہاں میں جواب دیا پھر پوچھا کہ Keat زیادہ پسند ہے یا kaplin ؟میں نے پسند ناپسند کی بجائے کہا کہ میں نے kaplin نامی شاعر نہیں پڑھا ہے. پھر Keat کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کا کوئی شعر یاد ہے؟ لیکن جب میری آنکھوں کی جانب دیکھا تو اس موضوع کو چھوڑ دیا اور ایک کارڈ میرے سامنے کیا کہ اس پر گھر کا پتہ لکھوا ور دستخط کرو. اتنے تھکاوٹ آمیز سفر گے بعد انگریزی ادب سے متعلق سوالات محض میری ذہنی حالت کا جائزہ لینے کے لئے تھے۔ فوجیوں نے ڈسپنری کے دوسرے دروازے سے نکالنے سے پہلے مجھے ایک پوسٹر کے سامنے کھڑا کر دیا جس پر مختلف زبانوں میں کچھ تحریر تھا. جن میں ایک بڑی بات یہ تھی کہ ہم تمہیں جنیوا کنونشن سے بھی زیادہ حقوق دے رہے ہیں اگر آپ نے کیمپ قواعد وضوابط کی خلاف ورزی کی تو سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا. پھر ڈسپنسری سے اخراج کے دورازے کی جانب لے گئے. باہر نکلا تو سیڑھیوں پہ اترنے سے پہلے ارد گرد کا جائزہ کھلی آنکھوں سے لیا. ایک عجیب منظر تھا. یہ منظر اب بھی میرے ذہن مین نقش ہے اور میں اسے کبھی بھی نہیں بھلا سکوں گا. چونکہ ڈسپنسری بلندی پر واقع تھی اس لئے دروازے سے نکلتے ہی پہلی نظر سمندر پر پڑی پھر اپنے اور سمندر کے مابین جیل کے بلاک تھے. مختلف بلاک کپڑے کی سبز پٹیوں کے ذریعے ایک دوسرے سے الگ کئے گئے. یوں پوری جیل مجھے ایک سبزہ زار لگا باگرام اور قندھار کی گرد آلود فضا کے مقابلے میں یہاں کی فضا بہت صاف دکھائی دی. ارد گرد کا ماحول صاف ستھرا تھا مگر سمندر دیکھنے پر مجھے اندازہ ہوا کہ ہم کیوبا پہنچ گئے ہیں. اور یہ اس لئے کہ آئی ایس آئی کے عقوبت خانے اور قندھار و باگرام جیل میں سنا تھا کہ گوانتانامو جیل سمندر میں ہے. باگرام اور قندھار کے بد اخلاق فوجیوں کے مقابلے میں گوانتانامو کے فوجیوں کا رویہ نسبتاً اچھا لگا. فوجیوں کی ڈسپنسری سے سیڑھیوں کے زریعے اُتارنے کے بعد مجھے رکشے جیسی چھوٹی گاڑی میں بٹھایا. دو فوجی میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور تیسرا اس بغیر چھت کے بڑے ٹائروں والی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور تین چار منٹ کے سفر کے بعد اتارا اور تفتیش کے کمرے میں لے گئے. کیوبا میں یہ میری تفتیش کے مرحلے میں پہلی پوچھ گچھ تھی.

تفتیشی بلاک آہنی چوکاٹ کے بنے ہوئے تھے اور ان میں فارمیکا لگایا گیا تھا جبکہ بچ جانے والی خلا کو فوم کے میٹریل سے بھرا گیا تھا. ہر ایک بلاک میں دائیں بائیں جانب چھ چھ کمرے تھے. تفتیش کے ہر دو کمروں کے درمیان مراقبت کا کمرہ تھا جن میں تفتیش کی ویڈیو تیار کی جاتی تھی. تفتیشی کمرے اور مراقبت کے

کمرے کے درمیان دیوار میں ایک آئینہ لگا تھا جس کی دوسری جانب سے قیدی کا جائزہ لیا جاتا تھا جبکہ قیدی سمجھتا کہ یہ آئینہ ہے اور وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھتا تھا ہر بلاک کا الگ الگ رنگ تھا جو yellow زرد سے شروع ہوتا دوسرا آسمانی Blue ، تیسرا نارنجی. orange ، چوتھا طلائی Gold اور پانچواں Brown کلر کے نام سے موسوم تھا. قیدیوں میں یہ بات مشہور تھی کہ Yellow بلاک عام تفتیش ، Blue مشکوک قیدیوں ، Orange نفسیاتی اور ذہنی مطالعہ کے ماہرین تفتیش کاروں کے لئے اور وفود سے ملاقاتوں کے لئے. Gold بلاک اہم معلومات کے حصول کے لئے اور براؤن خطرناک قیدیوں سے تفتیش کے لئے مخصوص ہو چکا تھا یہ بات بڑی حد تک درست بھی تھی اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ کیوبا میں مختلف فوجی اور انٹیلی جنس اداروں کی جانب سے تفتیش ہو رہی تھی اور ہر ادارہ تفتیش کے لئے الگ بلاک استعمال کرتا تھا تاہم ضرورت کے وقت دوسرا بلاک بھی استعمال میں لایا جاتا تھا.

میری پہلی تفتیش پہلے بلاک سے شروع ہوئی فوجی اکثر پہلے بلاک میں تفتیش کرتے تھے. افغانستان میں ایک خلقی (خلق ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان) وزیر کے لاڈلے بیٹے کا قصہ بہت مشہور ہے. وہ اس قدر لاڈلا تھا کہ اس نے کبھی خون نہیں دیکھا. جب میدان جنگ میں آیا اور ایک لڑائی میں ڈیوٹی انجام دینے لگا تو اپنے پہلو میں موجود ساتھی سے پوچھا کہ خون کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟ اس نے غصے میں کہا کہ کیا تم خون کا رنگ بھی نہیں پہچانتے ہو؟ لاڈلے خلقی جوان نے کہا کہ اگر خون کا رنگ پیلا تو پھر میں زخمی ہو چکا ہوں. اس کے ساتھی نے جب اس کی جانب دیکھا تو پتہ چلا کہ شلوار میں اس کا پاخانہ نکل چکا ہے. میں سمجھتا ہوں کہ فوجیوں کے تفتیشی بلاک کے لئے پیلا بلاک رکھنا کچھ اس طرح کا ربط رکھتا تھا. کیونکہ ہم نے اپنے ساڑھے تین سالہ قید کے دوران امریکی فوجیوں کو بہت لاڈلا پایا. وہ ہر وقت کھاتے رہتے تھے.

ان کے پاس موجود بیگز میں ہر وقت صرف کھانے کی چیزیں مثلاً بسکٹ، شربت وغیرہ ہی نکلتا. ان کے اکثر فوجی ہمیں کہتے کہ اگر آپ پنجروں سے نکلیں تو ہمیں کچھ نہ کہیں. ہم آپ کے دشمن نہیں ہیں. مختصر یہ کہ مجھے پیلے بلاک کے تیسرے نمبر کمرے میں لے جایا گیا کمرے میں ایک لمبی میز پڑی تھی. ایک کرسی قیدی کے لئے دو کرسیاں تفتیشی افسران کے لئے رکھی تھیں. فوجیوں نے مجھے ہک کے ساتھ باندھا اور خاموش کھڑے ہو گئے کچھ دیر بعد فوجی وردی میں ملبوس ایک لمبا تڑنگا تفتیشی افسر ایک کالے رنگ کے بوڑھے ترجمان سمیت آیا. تفتیشی افسر نے اپنا نام Dave بتایا اور ترجمان کا تعارف محض ایک ترجمان کے طور پر کیا. وہ انگریزی میں

باتیں کررہا تھا اور کہا کہ تیرے آنے سے قبل میں نے تمہاری فائل پڑھی ہے. میں جب تک کیوبا میں ہوں. تجھ سے تفتیش کرتا رہوں گا اور وقتاً فوقتاً تفتیش کاروں کے دوسرے گروپ بھی آئیں گے جو تجھ سے پوچھ گچھ کریں گے. اس نے یہ بھی کہا کہ موجودہ ترجمان مشکل کی صورت میں ہمارے ساتھ معاونت کرے گا. اس نے کہا کہ تمہاری فائل میں لکھا ہے کہ انگریزی روانی سے بولتے ہو. اگر تم اس بات سے انکار بھی کرو. تو ہمیں یہ معلوم ہے.

ابتدائی تحقیق میں میری زندگی سے متعلق عام سوالات کئے اور پھر کہا اگر آپ تیار ہیں تو میرے پاس کافی استفسارات ہیں اگر نہیں تو آرام کرو رات کسی وقت تمہیں دوبارہ بلایا جائے گا. میں نے کہا کہ سفر کی تھکاوٹ بہت زیادہ ہے اس وقت میں آپ کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا. اس نے کہا کہ ٹھیک ہے تاہم احتیاط کرو کہ یہاں دوسرے قیدیوں کی بات نہ مانو. تمہیں پرانے قیدی مشورہ دیں گے کہ پوچھ گچھ کے دوران باتیں مت کرو یا معلومات مت دو. اگر تم نے ان کی یہ بات مان لی تو ساری عمر یہاں پڑے رہو گے اور اگر ہمارے تمام سوالوں کے جواب دیئے تو دو ماہ بعد تمہیں رہا کر دیں گے اور آخری بات یہ کی کہ اگر فوجیوں پر حملہ کر دیا تو ہمارے فوجی بندوقوں میں بلٹ رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ ہی اٹھ کر چلا گیا.

جب فوجیوں نے مجھے تفتیش کے کمرے سے نکالا اور جب پہلے کیمپ کے بلاکوں کے مابین سے گزار رہے تھے تو ہر جانب سے آوازیں آرہی تھیں اور مختلف زبانوں میں مجھے تسلی دی جارہی تھی کہ فکر نہ کرو تم کامیاب ہو. اللہ کے راستے میں ہو. اللہ تمہارا محافظ ہے یہ کافر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے. موت اپنے وقت پر آنی ہے. اللہ سے توبہ کرو اور ان کفار کے ساتھ تعاون مت کرو. بلاکوں کے درمیان بڑی مشکل سے میں ان آوازوں کو الگ الگ سمجھ رہا تھا مگر جب گولف بلاک کے اندر گیا تو دیکھا کہ ایک ایسے کوچے میں فوجی مجھے لے جا رہے ہیں جس کے اوپر ایک پٹی ہے اور دائیں بائیں جانب پنجرے ہیں. طرح طرح کے لوگ ان میں تھے اور اکثر خاموش تھے. یہ میری طرح نئے قیدی تھے. جو میرے ساتھ ایک ہی طیارے میں لائے گئے تھے. وہ یہ نظارہ کر رہے تھے اور باتوں کی ہمت ان میں نہیں تھی. مجھے دائیں جانب قطار کے آخری ۲۵ ویں پنجرے میں ڈالا گیا. کچھ دیر آرام کے بعد فوجی دوبارہ آئے اور مجھے تفتیش کے لئے لے گئے. رات کے ۹ بجے تھے اور جب تفتیش کے بعد مجھے کمرے سے نکالا جا رہا تھا تو رات کے گیارہ بج چکے تھے. جب مجھے واپس لایا جا رہا تھا تو بلاک میں داخل ہونے کے ساتھ ہی میری نظریں مسلم دوست صاحب پر پڑیں. اسے بھی ابھی تفتیش سے واپس

لایا گیا تھا اور بائیں جانب قطار کے پہلے پنجرے میں ڈالا گیا تھا. انہوں نے اس پنجرے سے جو فوجیوں کے بیٹھنے کی جگہ سے بہت قریب تھا. فوجیوں کی بہت سی غلط حرکات دیکھی تھیں . جب مسلم دوست بھی میری جانب متوجہ ہوا اور پہلی بار مجھے نارنجی کپڑوں اور زنجیروں و بیڑیوں میں بندھا ہوا دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ وہ بہت زیادہ رنجیدہ ہوا. لیکن پھر بھی مجھے تسلی دی اور مجھے اللہ سے توبہ اور دعا کرنے کی نصیحت کی. فوجی نے مجھے وہاں سے گزارا. باتوں کی اجازت نہیں تھی. گولف بلاک میں میرے ۲۵ ویں اور مسلم دوست صاحب کو پہلے پنجرے میں رکھنا ہمیں ایک دوسرے سے الگ رکھنے کا تسلسل تھا. اگرچہ ہم ایک بلاک میں تھے اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبر رہتے مگر ہمارے پنجرے بالکل مخالف کونوں میں تھے. نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے قریب نہیں تھے بلکہ ہماری قطار بھی الگ تھی. امریکیوں کا تجربہ ہو چکا تھا کہ اگر ایک بلاک کے سارے پنجرے بھرے ہوں تو ایک قطار کے پنجروں میں بند قیدی ایک دوسرے کو باہم پیغام بھجواتے. بعد ازاں امریکیوں نے ان قطاروں کے درمیان اپنے جاسوس مامور کئے تھے. کنڑ کے حاجی روح اللہ نے دو بار ساتھیوں کے تحریری پیغام چھپائے. ایک بار جب پیغام افشاں ہوا تو دوستوں نے دوسری بار عام سا پیغام آزمائشاً بھیجا. وہ بھی اس نے اپنے پاس روکا تاکہ تفتیشی افسران کو دے دے اور آئی ایس آئی کے ایجنٹ کا سابقہ کردار ادا کرے. جب اس سے پوچھا گیا کہ پیغام کہاں ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ سے کموڈ میں گر گیا مگر جب تفتیشی افسر تک پہنچنے والے پیغام کا راز افشاں ہوا تو وہ لاجواب ہوا اور قیدیوں کی جانب سے گالیوں کا ہدف بنا.

پہلے تو خط لکھنے کی اجازت ریڈ کراس کے اوراق پر تھی. بعد ازاں جب سفید کاغذ پر لکھنے کی اجازت ملی تو قیدیوں کے دو تجربے ہو چکے تھے کہ اپنے یا مخالف قطار کے پنجروں تک پیغامات کے تبادلے ہو رہے تھے اس کے علاوہ بھی بعض ایسے طریقے ایجاد کئے گئے تھے کہ دو پنجروں کے مابین خالی پنجرے سے آگے یا مخالف قطار کے پنجرے میں کوئی شے پہنچانے یا پھر سزا یافتہ قیدی سے لیا گیا سامان پنجرے میں اتارنا اور ایسے دوسرے کام بہت آسان ہو گئے تھے جن کا افشاں کرنا یہاں مناسب نہیں. ہماری کیوبا منتقلی کے ایک ہفتے بعد پھر ایک طیارہ گیا جس میں مزید ۳۵ قیدی لائے گئے. یہ نئے قیدی پرانے قیدیوں کے لئے اطلاعات کا واحد زریعہ تھے. پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری تھا البتہ فوجیوں اور تفتیشی افسران کا رویہ قندھار اور بگرام کے فوجیوں کی نسبت اچھا تھا. ہم سے پہلے قیدی ایکسرے کیمپ میں جو قندھار کی طرح ایک عارضی کیمپ تھا اور جہاں قندھار جیسا رویہ روا رکھا جاتا تھا. کے بارے میں واقعات ہمیں بتائے کہ کس طرح آذان اور نماز کے حوالے سے وہ

مشکلات سے دوچار تھے اورکس طرح بالٹیوں میں رفع حاجت کے لئے جاتے؟ جب ہم قندھار میں تھے اسی دوران یہ ڈیلٹاکیمپ بنایا گیااورایکسرے کیمپ، قندھاراور باگرام سے فوجی یہاں لائے گئے. ہمارے وہاں پہنچنے کے وقت ڈیلٹاکیمپ میں فقط ایک نمبرکیمپ تھا. دوسرا، تیسرا، . چوتھااور پانچواں ہمارے تین سالہ قیام کے دوران قائم ہوا ڈیلٹا کے بعد چھٹاکیمپ جو (ایکو) کے نام سے تھااور ایگوان بھی بنااورمزید خفیہ کیمپوں کی باتیں بھی ہورہی تھیں گولف بلاک کے پہلے اور ۲۵ ویں پنجرے میں ہم نے سات ماہ گزارے. پھر مسلم دوست صاحب کو لیمابلاک کے ۳۶ ویں اور مجھے مائیک بلاک کے دوسرے پنجرے میں لے جایا گیا بعدازاں پہلی بار مجھے اور مسلم دوست کو مائیک بلاک کے ۳۷ ویں اور ۳۸ ویں پنجرے میں ساتھ ساتھ بند کیا گیا. اسی پنجرے سے میں مسلم دوست صاحب سے چار ماہ پہلے ۲۸ نومبر ۲۰۰۳ کو چوتھے نمبر محبس لے جایا گیا.

اس تمام عرصے میں تفتیش کا سلسلہ جاری رہا. باگرام اور قندھار کے مقابلے میں یہاں کافی تفصیلی سوالات کئے گئے جن میں ہماری زندگی سے متعلق سوالات کے ساتھ ساتھ القاعدہ، طالبان، اسلامی تنظیموں، مدارس، علماء، جہاد، عسکری تربیت ان تمام کو چلانے کے ذرائع اور اس طرح کے دیگر موضوعات سے متعلق سوالات شامل تھے. وہ پوچھ گچھ کے دوران ذہنی اورنفسیاتی مطالعہ بھی کررہے تھے. اکثر تین تفتیش کار بیٹھے ہوتے. ایک سوالات کرتا دوسرا نوٹس لیتا اورتیسرا غور سے قیدی کا جائزہ لیتا.

میرے اور مسلم دوست صاحب اور دیگر ایسے قیدی جن کے ساتھ ان کے بھائی، بیٹے یا والد یا پھر دیگر قریبی ساتھی تھے ان سب کے ساتھ یہ حربہ آزمایا جاتا تھا کہ ایک کو دوسرے کے بارے میں جھوٹ بولا جاتا کہ اس نے یہ بتایا اور وہ بتایا. اور پھر دوسرے کے ساتھ یہی کیا جاتا. مجھے بتایا گیا کہ مسلم دوست صاحب نے تمام احوال بتادیئے ہیں اورتم بہت برے آدمی ہو کہ ہمیں معلومات نہیں دے رہے ہو. وہ تو گھر چلا جائے گا اورتم یہاں ساری عمر پڑے رہوگے اس کے ساتھ وہ جھوٹی باتوں کی فہرست دکھادیتے کہ اس نے یہ بتایا اور یہ بتایا ہے. وہ ایسی باتیں ہوتی تھیں جن کا مسلم دوست صاحب کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا. دوسری جانب یہیں حربہ مسلم دوست صاحب کے سامنے میرے بارے میں استعمال کرتے. کبھی کبھی وہ اس کے الٹ ہوجاتے اور کہہ دیتے کہ تم تو بہت اچھے آدمی ہو تمہیں تو ہم نے تمہارے اس بڑے بھائی کی وجہ سے پکڑا ہے. وہ ہمارے ساتھ تعاون نہیں کررہا تم ہمارے ساتھ تعاون کرو تم گھر چلے جاؤ گے اور وہ ساری عمر یہاں پڑا رہے گا. جب یہ سارے حربے ناکام ہوجاتے تو خود پر غصہ طاری کردیتے اور کبھی نرمی بھی کرتے اور کھانے پینے کی

دعوت بھی دیتے.

ہمارے ساتھ گوانتانامو میں لاہور کے ڈاکٹر سرفراز احمد بھی تھے. وہ اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے کہتے کہ جب وہ شبرغان جیل پہنچے تو دوستم کے لوگ آئے اور ہم سے کہا کہ آپ میں جو کوئی تعلیم یافتہ ہو یا انگریزی زبان سمجھتا ہو وہ باہر نکل آئیں صحافی آئے ہیں وہ دنیا کو تمہارے بارے میں آگاہ کردیں گے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بعض افراد تو بڑی خوشی کے ساتھ اٹھے. مجھے بھی کئی ساتھیوں نے اصرار کیا کہ ڈاکٹر صاحب اٹھو. دنیا کو ہماری حالت سے آگاہ کردو. صحافی تو نہیں تھے امریکی کھڑے تھے اور تعلیم یافتہ لوگوں کی چھان بین کررہے تھے. ساڑھے تین ہزار میں سے صرف تیس افراد نکالے گئے اور قندھار پہنچائے گئے. دوستمیوں نے مجھے امریکیوں کے سامنے ایک بہت بڑی چیز کے طور پر متعارف کرایا جس کے باعث ایک بوری میرے سر کو پہنائی گئی اور اسی پر ایک پرچی لگادی جس پر لکھا تھا اسامہ بن لادن. اور اسی بنا پر قندھار میں مجھے سخت تشدد کا نشانہ بنایا گیا. بعینہٖ اس طرح میرے ساتھ بھی ہوا. ایک طرف انگریزی جاننے کے سبب میں سہولت میں تھا اور غلط و ناسمجھ ترجمانوں کے شر سے بچا ہوا تھا اور اپنا مدعا بیان کرسکتا تھا دوسری جانب میں نے امریکیوں کو اس غم میں ڈالا ہوا تھا اور وہ کافی عرصے تک مجھ پہ یہ شک کرتے رہے کہ میں کئی بار یورپ اور امریکہ گیا ہوں مگر یہ بات ان سے چھپا رہا ہوں فکری وروحانی اور نفسیاتی تفتیش کے سلسلے میں تفتیشی افسر نارنجی بلاک میں مجھ سے عجیب وغریب سوالات پوچھتے تھے اور وہ بھی بڑی خوشگوار فضا میں. نارنجی بلاک کھانے پینے رہائش کے حوالے سے اچھی سہولتوں کے طور پر یاد کیا جاتا تھا وہاں ایک چھوٹے کمرے میں نرم صوفہ کھانے کے لئے خشک میوہ جات اور نماز کے لئے جائے نماز اور بعض اسلامی کتب رکھی گئی تھیں. میں نے خود مختلف اوقات میں وہاں قرطبی، تفسیر جلالین اور سفر کے حوالے سے العلمانیہ دیکھی. نارنجی بلاک میں پوچھ گچھ بڑے پرسکون ماحول میں کی جاتی تھی اور اسی لئے اپنے ممالک کے وفود سے قیدیوں کی ملاقاتیں اس بلاک میں کروائی جاتی تھیں. اور قیدی کے ساتھ ملاقات کے وقت کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھی جاتی تھیں. نارنجی بلاک میں مجھ سے سفید ریشوں نے یہ سوالات کئے.

- امام ابن تیمیہ کی کتابیں پڑھی ہیں؟
- سید قطب، حسن البناہ اور مولانا مودودی کو پڑھا ہے؟
- تہجد کے لئے اٹھتے ہو؟

-موسیقی سنتے ہو یا نہیں؟

-تمہارے گھر کی عورتیں پردہ کرتی ہیں؟

-تمہارے گھر کی عورتیں بال تراشتی ہیں؟

-اپنی زندگی کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی خواہش ہے؟

-تم کس قسم کی حکومت چاہتے ہو؟

انگریز مصنف janathan Swift نے اپنی کتاب Gulliver's Travels میں فوجیوں کو Hired Yahoos یعنی کم عقل اور نا سمجھ انسانوں کا خطاب دیا ہے اور لکھتے ہیں کہ یہ لوگ انتہائی پس فطرت لوگ ہیں یہی دوسرے انسانوں کو محض اپنی تنخواہ کے لئے جان سے مارتے ہیں. اور اسی طرح کے بعض دیگر حقائق. اور یہ سچ بھی ہے جب میں باگرام اور قندھار کے فوجیوں کے رویہ اور سلوک کو یاد کرتا ہوں تو مجھے وہ حقیقتاً Hired Yahoos لگتے ہیں. تاہم ان بداخلاق لوگوں کی پشت پر چند مکارانہ دماغ کارفرما ہوتے ہیں. مجھے امریکی فوجیوں کی بداخلاقی اتنی بری نہیں لگی جتنی انکی انٹلی جنس ایجنسیوں کے افراد کی مکاری جو انتہائی مکاری کے ساتھ تفتیش کے دوران ہمارے ساتھ بظاہر ہنسی مذاق کرتے لیکن ان کے آنکھوں سے نفرت جھلکتی تھی اور وہ اپنی دشمنی نہیں چھپا سکتے تھے اور کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو جاتی تھی. مجھ سے مستقل تفتیش کرنے والے افسران میں جن کے نام مجھے یاد ہیں. Mike اور Tom، Dave، Christ، Brown، George اور Antonio شامل تھے ان سب میں سول ایجنسیوں کے تفتیش کار George اور فوجی تفتیش کار Mike کا رویہ انسانی تھا اور اپنے نظام کی غلطیوں اور خامیوں کے حوالے سے کئی بار انہوں نے میرے سامنے شعوری اور غیر شعوری انداز میں اعتراف بھی کیا.

خوابوں کی شکل میں بشارتیں

ویسے تو آئی ایس آئی کے عقوبت خانوں سے لے کر کیوبا تک ہم نے خود اور ہمارے دیگر ساتھیوں نے بھی بہت عجیب وغریب خواب دیکھے ہیں جن کی تعداد اور تفصیل بہت زیادہ ہے. تاہم گوانتانا موجیل میں تقریباً دس بارہ بہت مشہور خواب تھے جو ساتھی بار بار ایک دوسرے کے سامنے دہراتے. یقیناً یہ خواب ہمارے لئے ایک بہت بڑی تسلی اور سکون کا باعث تھے. یہاں مثال کے طور پر چند کا ذکر کرتا ہوں.

پہلا مشہور خواب ایک عرب مجاہد کا تھا. اس نے پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا وہی شکل وصورت اور چہرہ مبارک تھا جس کا ذکر صحیح احادیث میں آیا ہے. عرب مجاہد نے پیغمبر ﷺ سے کفار کے مظالم کی شکایت کی. پیغمبر ﷺ نے کہا کہ آپ اس کی فکر نہ کریں آپ حق پر ہیں اور یہ کفار بہت جلد تباہ ہونے والے ہیں. عرب مجاہد کہتا ہے کہ خواب میں پیغمبر ﷺ کے ہاتھ میں دو سفید پتھر تھے جن میں سے ایک کفار کی جانب پھینک رہے تھے اور دوسرا ابھی ہاتھ میں تھا.. اور مجھے کہا کہ کفار پر میں نے ایک وار کر دیا ہے اگر وہ راہ پر نہیں آئے تو بہت جلد ان پر دوسرا وار کرونگا اور وہ مکمل تباہ ہو جائیں گے. گوانتانامو جیل میں خوابوں کی تعبیر نکالنے کے لئے مشہور ایک قیدی نے اس خواب کی تعبیر یوں نکالی کہ ۱۱ستمبر کے حملے کے نتیجے میں آدھی امریکی اقتصادیات تباہی سے دوچار ہوئی اور باقی آدھی بھی بہت جلد تباہی سے دوچار ہو جائے گی. یہ کام ظہور امام مہدی علیہ السلام سے قبل ان لڑائی جھگڑوں کا نقطہ آغاز ہوگا جو ملاحم کے نام سے یاد کیا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زمین پر آمد سے قبل بڑی جنگ جو شام کی سرزمین پر کفار کی متحدہ قوتوں اور مسلمانوں کے درمیان ہوگی جو (ملحمۃ الکبریٰ یا ہرمجدون) کے نام سے یاد کی جاتی ہے.

۱۱ستمبر کے حملے کے نتیجے میں حالیہ تین چار سالوں کے دوران آدھی امریکی اقتصادیات کی تباہی کا اعتراف اقتصادی ماہرین کرتے رہے اور اب 2008ء کے آخر میں امریکی انتخابات سے پہلے پیش آنے والے اقتصادی بحران کے بعد امریکہ دیوالیہ ہونے کے نزدیک ہے دوسرا اہم خواب ایک اور عرب مجاہد کا تھا جس نے محمد ﷺ کو دیکھا کہ قندھار میں عرب مجاہدین شہداء کے مقبرے کے قریب ایک چٹان پر کھڑے ہیں اور ان شہداء کو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں. خواب دیکھنے والا مجاہد کہتا ہے کہ قندھار کے اس مقبرے میں جہاں عرب مجاہد شہداء کی قبریں ہیں. میرا ایک دوست بھی وہاں دفن ہے، اسے خواب میں دیکھا جو محمد ﷺ سے شکایت کر رہا ہے کہ امریکیوں اور ان کے ساتھ افغانی منافقین نے ان کے ساتھ بڑا ظلم کیا. گل آغا شیرزئی کے آدمیوں نے ۶۰ مجاہدین ذبح کر دیئے تھے جن میں کئی افراد کو گردن کی جانب سے ذبح کیا گیا تھا. خواب دیکھنے والا مجاہد کہتا ہے کہ محمد ﷺ نے شکایت کرنے والے عرب شہید سے فرمایا کہ کفار اور منافقین کو اللہ تعالیٰ بہت جلد تباہ کر دے گا اور آپ لوگ کامیاب ہیں. پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس ملک (افغانستان) میں منافقین کے ساتھ ساتھ نیک بندے بھی ہیں اللہ ان کے ذریعے اسلام کو فتح نصیب کرے گا اور منافقین ذلیل

ورسوا ہوں گے.

کیوبا میں ایک مصری ساتھی نے خواب دیکھا کہ وہ محمد ﷺ کے سامنے کھڑا ہے. رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ ساتھی نے کہا کہ یارسول اللہ ہم پنجروں میں پڑے ہیں اور ہمارے ساتھ بڑا ظلم ہورہا ہے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا. اداس مت ہوں. اللہ تعالی آپ کے ساتھ ہے اوراللہ تعالی کے حکم سے رہائی قریب ہے. خواب دیکھنے والا کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ کافی باتیں کیں اور قیدیوں کے لئے کافی نصیحتیں کیں جن میں زیادہ عبادات، دعا اور نگاہوں کی حفاظت شامل ہیں. اس نے بتایا کہ پیغمبر ﷺ نے مجھے تکراراً کہا کہ امریکی خواتین کومت دیکھو اوراپنی نگاہوں کی حفاظت کرو.

یہی ساتھی بتاتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے مجھے کہا کہ (انتم من اھل بدر) آپ اہل بدر میں سے ہیں. ساتھی بتاتا ہے کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ اہل بدر تو آپ کے ساتھ ۱۴سوسال قبل گزر گئے ہیں. پیغمبر ﷺ نے فرمایا(انتم من اھل البدر الثانی) یعنی آپ اہل بدر ثانی ہیں.

ایک اور ساتھی نے خواب دیکھا کہ پیغمبر ﷺ کے ہمراہ ایک شخص کھڑا ہے مگر ایک نقاب پہنا ہے اور چہرے سمیت پورا بدن پوشیدہ ہے. پیغمبر ﷺ خواب دیکھنے والے اور دیگر موجود مجاہدین کو فرماتے ہیں کہ یہ نقاب پوش شخص آپ کا امیر ہے. تعبیر کرنے والے نے اس خواب کی تعبیریوں کی کہ نقاب پوش شخص امام مہدی علیہ السلام ہے جو اب ہمارے دور میں زندگی گزار رہا ہے اور موجود ہے مگر ہم سے پوشیدہ ہے اور نقاب سے نکلنا ان کا ظہور ہے اور ظہور مہدی (انشاءاللہ) دور نہیں.

ایک عرب مجاہد نے باگرام میں خواب دیکھا. ایسی حالت میں کہ مجاہد موسم سرما کی سخت ترین سردی میں باگرام جیل میں پڑا تھا. دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کھڑا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قران پاک اور بائیں ہاتھ میں انجیل مقدس پکڑی ہے. خواب میں وہاں موجود لوگوں نے خواب دیکھنے والے کو اس شخص کا تعارف کیا اور بتایا کہ یہ حضرت عیسی علیہ السلام ہے. خواب دیکھنے والا کہتا ہے کہ میں دوڑنا چاہتا تھا کہ اس کے سینے سے لگ جاؤں اور اس کی پیشانی چوم لوں مگر حضرت عیسی علیہ السلام نے منہ پھیرلیا اور مجھ سے احتراز کیا. اس حرکت پر وہاں موجود لوگوں نے انہیں بتایا کہ یہ تو عرب مجاہد ہے اور ابھی باگرام میں امریکیوں کے پاس قیدی ہے اور عنقریب گوانتانا مو روانہ ہونے والا ہے. خواب دیکھنے والا کہتا ہے کہ بات سنتے ہی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام میری جانب دوڑا آئے. انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلا رکھے تھے جن میں سے دائیں میں قرآن مجید اور بائیں میں انجیل مقدس تھی. میرے گلے لگ گئے اور میری پیشانی چوم لی. اور مجھے کہا کہ آپ کامیاب ہیں. آپ فکرمند نہ ہوں. اللہ تعالی بہت جلد آپ کو رہائی دلا دے گا. میں آنے والا ہوں. یہ لوگ جو خود کو عیسائی کہتے ہیں ان میں سے بعض کو اللہ تعالی ہدایت دے دیگا اور باقی کو اللہ تعالی تباہ و برباد کر دے گا. میں زمین پر شریعت محمدی نافذ کرونگا.

اُس ساتھی نے بتایا کہ باتوں کے آخر میں حضرت عیسی علیہ السلام نے میرا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور مضبوطی سے پکڑا. اور اس پر اپنا لعاب لگا دیا. لعاب ہاتھ پر لگنے کے نتیجے میں میری آنکھ کھلی دیکھا کہ میں سخت سردی کے موسم میں باگرام کے سرد ترین جیل میں پڑا ہوں اور تپش سے میرا دایاں ہاتھ گیلا ہے. اور اس سے کافی خوشبو آ رہی ہے. بہت حیران ہوا کہ گرمی بھی نہیں کہ منہ سے رال ٹپکی ہو. ساتھی بتا رہے ہیں کہ میں کافی خوش تھا، میرے دل کو سکون حاصل ہوا اور گوانتانامو جانے کے لئے بے تاب تھا. کہ میرے قید خانے کے ساتھیوں نے مجھ سے اچانک خوشبو کے بارے میں پوچھا. باتوں کی اجازت نہیں تھی لیکن میں نے انہیں چپکے چپکے سارا خواب بتا دیا اور کہا کہ میں خود بھی بہت حیران ہوا ہوں کہ جب اٹھا تو ہاتھ گیلا تھا اور خوشبو دار تھا. یہ بات چند قیدیوں کے مابین پھیل گئی اور پھر ہر ایک کی کوشش تھی کہ خواب دیکھنے والے تک پہنچے اور اس کے ہاتھ سے خوشبو خود پر ملیں. امریکی فوجیوں نے جب دیکھا کہ قیدی حرکت کر رہے ہیں تو انہوں نے قیدیوں کو سزا دی اور ایک ایک گھنٹے تک کے لئے انہیں ہاتھوں سے باندھ کر لٹکایا مگر اس خواب کے باعث قیدی اس قدر مطمئن تھے کہ اس سزا میں بھی وہ لطف محسوس کر رہے تھے. اور جب امریکیوں کو اس خواب کے بارے میں پتہ چلا تو انہوں نے خواب دیکھنے والے کو منع کیا کہ کسی کو اپنا خواب مت بتانا. یہی بات تھی کی بعدازاں کیوبا میں امریکی تفتیش کے دوران قیدیوں سے خوابوں کے بارے میں بھی پوچھا کرتے تھے.

ایک قیدی نے خواب دیکھا کہ سمندری سپیاں پنجروں میں آتی ہیں اور پنجرے آدھے بھر جاتے ہیں جب لہر کے ساتھ یہ سپیاں واپس جاتی ہیں تو پنجروں کے ایک جانب کا جال گر جاتا ہے. پنجرے کھل جاتے ہیں اور پانی کی لہر اپنی ابتدائی سطح تک واپس گر جاتی ہے. پنجروں میں بند تمام قیدی نکل کر سمندر کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں. سمندر میں ایک بحری بیڑہ کھڑا ہے ایک دراز قد مضبوط جسم والا شخص سفید عربی لباس میں تلوار اور ڈھال ہاتھوں میں لئے بحری بیڑے کے دروازے پر کھڑا ہے اور قیدیوں کو بیڑے پر چڑھنے

کا اشارہ کر رہا ہے. قیدی بحری بیڑے پر چڑھ رہے ہیں اور خواب دیکھنے والے نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جواب میں اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور قیدیوں کی رہائی کیلئے آئے ہیں. خواب دیکھنے والا کہتا ہے کہ جب ہم بیڑے پر چڑھتے ہیں تو پیچھے گیلی زمین پر امریکی اور ان کے کتے ہمیں پکڑنے دوڑے آ رہے ہیں مگر زمین ان کے پاؤں کے نیچے سے بھاگ رہی ہے اور پیچھے جا رہی ہے.

ایک خواب بالکل حضرت یونس علیہ السلام کے نجات کے طرز کی ہے. خواب دیکھنے والا کہتا ہے کہ تمام قیدی پنجروں سے نکلتے ہیں اور سمندر کے کنارے جمع ہو جاتے ہیں. سمندر سے ایک بڑی مچھلی سر نکال کر تمام قیدیوں کو کھا لیتی ہے. کچھ دیر بعد سمندر میں آگ لگ جاتی ہے جس سے یہ بڑی مچھلی بہت تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہے. ساحل کی طرف آ جاتی ہے اور کھائے ہوئے قیدیوں میں سے نصف ساحل پر تھوک دیتی ہے مگر اس کی تکلیف پھر بھی برقرار رہتی ہے اور وہ مرجھائی ہوئی ہوتی ہے. خوابوں کی تعبیر کرنے والے نے اس کی تعبیر یوں کی کہ آدھے قیدی جلد رہا ہوں گے اور باقی آدھے قیدیوں کی رہائی میں تھوڑا وقت لگے گا. حقیقت بھی یہی ہے کہ اس تحریر تک تقریباً ہم نصف قیدی رہا ہو چکے ہیں اور گیارہ سو کے لگ بھگ قیدیوں میں سے اب وہاں پانچ سو سے کچھ زیادہ قیدی باقی ہیں جنہیں خصوصی قید میں رکھا گیا ہے. اگر عرب رہنماؤں کو بھی شمار کیا جائے تو یہ عدد بالکل نصف بنتا ہے. اس خواب کی تعبیر کرنے والے نے قیدیوں کو ذی النون کی دعا جو حضرت یونس علی علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اپنی نجات کے لئے مانگی تھی. ورد کرنے کی نصیحت بھی کی.

لاالہ الا انت سبحنک انی کنت من الظالمین. اللہ تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے.

و کذالک ننجی المومنین. اور اسی طرح ہم مومنوں کو بھی نجات دیتے ہیں.

کیوبا کے گوانتانامو کے پنجروں میں میری ایک نظم انہی خوابوں کی بنیاد پر تھی. جو یوں ہے.

جب ظلم کی انتہا ہو جاتی ہے   پھر تمام ناجائز، جائز ہو جاتے ہیں
کالے سفید کی تمیز ختم ہو جاتی ہے   مفسد ولی اللہ بن جاتے ہیں
نہ حق بولتے ہیں اور نہ سنتے ہیں   صرف نام کے سمیع اللہ ہو جاتے ہیں
منافق غائب ہو جاتے ہیں   جب معرکہ برپا ہو جاتا ہے
جب حق کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے   تو کمینے پیدا ہو جاتے ہیں
پھر اخلاص کی باتیں کرتے ہیں   بڑی بلائیں مولوی بن جاتے ہیں

ان میں بعض ایسا کہتے ہیں   کہ صرف روپیہ جیب میں آجائے
تمام ہدف مادیات ہو تے ہیں   خواہ آگے ہوں یا پیچھے ہوں
جو صاف صاف باتیں کرتے ہیں   ان کی زندگی کیوبا کی نذر ہوجاتی ہے
پھر وہ عیسی یا موسی بن جاتے ہیں   ابراہیم خلیل اللہ کے ہم قدم ہوجاتے ہیں
گرم آنسوؤں کی بارش میں   پھر لوگوں سے بے نیاز ہوجاتے ہیں
پھر رکوع اور سجدوں میں   ساری رات سحر ہو جاتی ہے
اے پیٹ کے مزدوروں   جب ہدف اللہ کی رضا ہو جاتا ہے
پھر خواب میں عاطفی آواز   زخمی دلوں کے لئے دوا بن جاتی ہے
پھر سمندری لہروں میں   اے "بدر " نئی خبر آجاتی ہے
صبر کریں، صبر کریں   سیاہ رات سحر ہو جائے گی

الحمدللہ سحر ہوگئی.

جرأت مند شیر

ہم وقت کے جرأت مند   ہم سربلند غازی
ہم پہاڑوں کے شیر
ہم کہانیوں میں رہتے ہیں   فکروں اور سوچ میں رہتے ہیں
لوگوں کے دلوں میں رہتے ہیں
ہم ظالموں کے آگے سینہ سپر   ہماری ہمت جیسے بُلند پہاڑ
وقت کے فرعون کو لگی فکر
وائٹ ہاوس میں سارے متکبر   تمام مجرم اکابر
نہیں دیکھتے یہاں صابر
ہمارے آنسوؤں کا سیلاب   بہتا رہے زور سے
کوئی اس کی تاب نہیں رکھتا

ان پنجروں میں ہمیشہ   شام کے وقت آسمان کے تارے
دیتے ہیں ہمیں پیغام
آپ ہیں کامیاب وکامران   کرتا ہے انتظار ہمارا یہ جہان
آپ ہیں بدر کا کاروان

مزید قلم میں مسلم دوست کے سپرد کرتا ہوں وہ باقی سرگذشت یوں بیان کرتے ہیں.

گوانتاناموکا جزیرہ

گوانتانامو کیوبا کا ایک جزیرہ ہے جو کیوبا کے جنوب میں سمندر میں واقع ہے. دراصل کیوبا کی ملکیت ہے مگر ایک زمانے میں امریکہ نے کرایہ پر لے لیا تھا. کرایہ بھی نہیں دے رہا اور بدمعاشی سے امریکی بحری فواج نے قبضہ کیا ہوا ہے. اس جزیرہ میں نہ تو کوئی شہر ہے. نہ گاوں اور نہ ہی بازار اور کسی کے مکانات. امریکی بحری افواج نے یہاں اپنے لئے ایک بڑا ہسپتال قائم کیا ہے اور فوجیوں کی رہائش کے لئے جگہیں. کلب اور سڑکیں بنوادی ہیں. خط استواء کے قریب ہے اس لئے بہت گرم ہے. بہار، گرمی، خزاں اور سرما کے موسم تقریباً ایک جیسے ہیں سردیوں میں بھی یہاں گرمی ہوتی ہے تاہم موسم گرما سے ذرا کم کچھ دنوں کے لئے سردی بھی ہوتی ہے. چھوٹی پہاڑیاں اور چٹان بھی ہیں. درخت نہیں ہیں البتہ چھوٹے چھوٹے پودے ذقوم اور گھاس یہاں زیادہ ہیں. پرندوں میں چڑیا، فاختہ، مُرغابیاں، اور کالے رنگ کے گدھ سمیت آٹھ دس قسم کے پرندے اور حشرات الارض میں سے سانپ، گوہ، گرگٹ، چھپکلی چھوٹے بڑے چوہے اور مینڈک ہم نے دیکھے ہیں. یہاں کے چوہے عجیب وغریب ہیں بلیوں سے بڑے ہیں. چوتھے کیمپ کی جالیوں کے نیچے سوراخ کر کے ہمارے قریب آخری جال تک آتے. ہم ان کے سامنے بعض خوردنی آشیاء پھینک دیتے وہ انسانوں کی طرح ہاتھوں میں پکڑ کر کھالیتے. کھانے کے وقت کا اندازہ ایسے لگاتے گویا ان کے پاس گھڑیاں ہوں. دیگر اوقات میں نظر نہیں آتے تھے صرف کھانے کے اوقات میں آتے تھے. ہمارے ساتھ ایسے عادی ہوچکے تھے کہ جالیوں کے سوراخوں میں سے ہمارے ہاتھوں سے کھاتے تھے. بعض فوجیوں نے ہمیں بتایا کہ ان میں ۲۵ پونڈ تک کے وزن کے چوہے ہیں. آپس میں لڑتے تھے انسانوں کی طرح کھڑے ہوکر ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھاتے. گوہ اور گرگٹ بھی کافی تھے اور وہ بھی ہمارے ساتھ ایسے عادی ہوچکے تھے کہ ہمارے ہاتھوں سے

کھاتے تھے۔ کالے کوے اور گدھ بڑے بڑے جھنڈ کی شکل میں آتے تھے۔ فاختائیں تین قسم کی تھیں۔ ایک لائٹ براؤن، دوم سرخ براؤن اور تیسری چھوٹی چھوٹی اور براؤن جن کے سینے میں تھوڑے کالے کالے دھبے تھے۔

سانپ بھی ہر طرح کے تھے جن میں اتنی بڑے بھی تھے کے وہ بلیوں سے بھی بڑے بڑے چوہے زندہ ہضم کرتے تھے فوجی انہیں پکڑ کر بعد میں ایک جگہ چھوڑتے تھے۔ یہ سانپ ڈستے نہیں تھے مینڈک بھی آتے تھے جو زرد اور سرخ رنگ کے تھے۔ ان مینڈکوں کا ایک ہاتھ بڑا ہوتا تھا۔ عموماً دایاں ہاتھ بڑا ہوتا تھا۔ گوانتانامو میں ان کی نسل ختم ہونے کے ڈر سے ان حیوانات کو مارنے کی پابندی تھی مگر انسانوں پر ظلم نہ صرف جائز تھا بلکہ لازمی خیال کیا جاتا تھا!!!۔

کیمپس اور بلاکس

گوانتاناموبے کی جیل جزیرہ کے جنوبی حصہ میں بنائی گئی ہے اور امریکی افواج کی رہائش کی جگہیں جزیرہ کے شمالی حصہ میں ہیں۔ جیل اور ان کے درمیان چند پہاڑیاں اور فاصلہ ہے۔ یہ جیل امریکہ پر ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ کے حملے کے بعد بنائی گئی۔ اس کے شمال میں پہاڑیں اور جنوب، مشرق اور مغربی جانب سمندر ہے۔ یہاں جنگل تھا مگر اسے کاٹ کر ہموار کر دیا گیا ہے اور یہاں آہنی بلاک اور جالیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ اور اس کے اردگرد کئی قطاروں میں آہنی جالیاں اور کانٹا تار بچھائی گئی ہے جو امریکی خاردار سیاست اور خاردار لائحہ عمل و پالیسوں کی ترجمانی کرتا ہے۔

ان میں بعض کیمپ ظاہر اور بعض خفیہ ہیں جو اس طرح سے ہیں۔

① ایکسرے کیمپ
② ایگوانا کیمپ
③ ایکو کیمپ
④ پوشیدہ کیمپ (زیرزمین تاریک کیمپ)
⑤ ڈیلٹا کمپلیکس۔

ان سب کے اردگرد کئی قطار آہنی جال لگائے اور کانٹا تار بچھائے گئیے ہیں۔ جن کے اردگرد دلکڑی نما

بلند بلند مورچے ہیں جن میں مسلح فوجی پہرہ دیتے ہیں اور ایک بڑے ٹارچ اور دوربینوں کے ذریعے قیدیوں کے بلاکس اور اردگرد کی نگرانی کرتے اور جائزہ لیتے ہیں. بڑی ٹارچ خود بخود گھومتی تھی اور جسے ہر وقت گھمایا جاتا ہے جس سے قیدیوں کی آنکھیں چندھیا جاتی تھی .تھوڑے فاصلے پر ریزرو دستے ہیں بھاری ہتھیاروں سے لیس جیپ اور ٹینک وبکتر بند گاڑیاں ہر وقت گشت کرتے ہیں اور چوٹیوں وچٹانوں سے دن رات نگرانی کرتے ہیں .قریبی چٹانوں اور جوٹیوں پر بھی مورچے بنے ہیں جن کے سوراخ دور سے دکھائی دیتے ہیں .کبھی کبھی کیمپ کے اوپر گدھ بھی اڑتے تھے .ابتدائی دونوں میں زیادہ تھے . بالخصوص اس روز زیادہ آتے تھے جب نئی قیدی کیمپ میں لائے جاتے تھے کیمپ کے اردگرد آہنی ستونوں پر بڑے بڑے ٹارچ کیمپ کے سامنے نصب کیئے گئے ہیں جن سے ساری رات کیمپ میں روشنی ہوتی ہے .

ایکسرے کیمپ

گوانتانامو کے جزیرہ پر سب سے پہلے ایکسرے کیمپ بنایا گیا تھا اور ہم سے پہلے ابتدائی قیدیوں کو وہاں ڈالا گیا تھا .بعدازاں وہ قیدی ہمارے ساتھ ڈیلٹا اور دوسرے کیمپوں میں اکٹھے رکھے گئے .ان قیدیوں کا کہنا ہے کہ ایکسرے کیمپ میں ڈیلٹا کیمپ کی طرح بلاک نہیں تھے بلکہ صرف آہنی جالوں کے پنجرے تھے .اور کھلے آسمان تلے رہ رہے تھے .پھر جال نما چھت بنا کر اسے ڈھانپ دیا گیا ہے مگر اطراف میں جال تھے .قیدی زمین پر پڑے ہوتے تھے اور انسانی ضرورت بالٹیوں میں رفع کرتے تھے . باتیں کرنے ، آذان اور نماز باجماعت کی اجازت نہیں تھی .ضروری تھا کہ قیدی سامنے کی طرف دیکھے سر نہ ڈھانپے اور بیٹھا رہے .صرف پینے کا پانی تھا .وضو یا منہ ہاتھ دھونے کے لئے نہیں تھا .کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت بھی نہیں تھی .

ایکسرے کیمپ میں پہلا مظاہرہ

ایکسرے کیمپ کے قیدیوں نے ہمیں بتایا کہ جب ہم بہت تنگ آ گئے تو فوجیوں کی بداخلاقی کے وقت ایک عرب قیدی نے رات کے وقت خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا وہ فرما رہے تھے (قم فاذن اللہ) اٹھو اور اعلان کروں. وہ جاگا تو اذان کا وقت نہیں تھا پھر سو گیا. دوبارہ محمد ﷺ کو خواب میں دیکھا انہوں نے یہی فرمایا .تیسری بار جب خواب میں دیکھا تو قیدی نے محمد ﷺ سے عرض کی اے اللہ کے رسول ! کس بات کا اعلان کروں؟

محمد ﷺ نے فرمایا (بـالـفـرج) آزادی اور سہولت کا اعلان کرو. وہ اٹھا اذان کا وقت نہیں تھا مگر رات کے اس پہر اس نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے اور پورے کیمپ کو جگایا. سب قیدیوں نے تکبیر اور نعرے شروع کئے. اور فوجیوں پر پانی اور رفع حاجت کی بالٹیوں سے گندگی پھینکا گیا. تکبیر کے نعرے سن کر امریکی بہت ڈر گئے. سائرن بجائے گئے. ریز رو دستوں کو بلایا گیا. ٹینک اور فوجی گاڑیاں لائی گئیں. کیمرے اور کتے لائے گئے مورچہ بندیاں کی گئی اور دور سے منت وزاری کرنے لگے کہ یہ نعرے مت لگاو. آپ کا جو بھی معاملہ ہوگا ہم مان لیں گے قیدیوں نے بھوک ہڑتال بھی شروع کی. چند دن کے مذاکرات کے بعد باتیں کرنے، اذان دینے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی.

ڈیلٹا کمپلکس

ایکسرے کیمپ کے بعد ڈیلٹا کمپلیکس قائم کیا گیا جہاں ایکسرے کیمپ کے قیدی بھی منتقل کئے گئے.

اس کمپلیکس میں پہلے تین کیمپ بنائے گئے پھر چوتھا اور کچھ عرصے بعد پانچواں کیمپ بنایا گیا. ہمیں بھی پہلی بار ڈیلٹا کمپلیکس کے پہلے کیمپ کے گولف بلاک میں ڈالا گیا. ڈیلٹا کیمپ کے گرد تھوڑے فاصلے پر آہنی جالوں کی دو دیواریں بنائی گئی ہیں. جن کے اوپر دائرہ شکل میں کانٹا تار بچھائی گئی ہیں جیسا کہ پہلے بتا چکے ہیں کہ ہر دیوار کا ایک دروازہ ہے. پہلی دو آہنی جالدار دیواروں کے دروازوں سے گزرنے کے بعد کچھ فاصلے پر دوبارہ دو آہنی جالدار دیواریں ہیں جن کے الگ الگ دروازے ہیں دونوں جگہ دونوں دیواروں کے دروازوں کے مابین مسلح فوجی چوکیدار بیٹھے ہوتے ہیں. جب کسی کو لانا یا لے جانا ہو تو پہلے ایک دروازے سے گزار کر اسے پوری طرح بند کر دیتے ہیں پھر دوسرے دروازے کو کھول کر لے جایا جاتا ہے. اس کے آگے پھر گلی ہے جس کے دونوں جانب قیدیوں کے بلاک ہیں. جبکہ گلی اور بلاک کے درمیان کانٹا تار لگی سوراخ دار آہنی دیواریں ہیں جن کے درمیان اس طرح کے دو دروازے ہیں. یہ پہلا کیمپ ہے اور مشرق کی جانب اس کا دوسرا اور تیسرا کیمپ ہے جو اس ترتیب سے بنائے گئے ہیں جبکہ کمپلیکس کے پہلے دو دروازوں کے درمیان دائیں جانب راستہ دوسرے اور تیسرے کیمپ کو اور بائیں جانب راستہ چوتھے کیمپ کو جاتا ہے.

کمپلیکس کے چاروں کیمپس کے بلاک اس ترتیب سے ہیں.

پہلے کیمپ کے بلاک

۱. A (الفا) ۲. B (بریوو) ۳. C (چارلی) ۴. D (ڈیلٹا) ۵. E (ایکو)

۶. F (فاکسفرو) ۷. G (گولف) ۸. H (ہوٹل) ۹. I (انڈیا) (انفرادی).

دوسرے کیمپ کے بلاک

۱۰. K (کیلو) ۱۱. L (لیما) ۱۲. M (مائیک) ۱۳. N (نومبر) ۱۴. O (آسکر) (انفرادی)

تیسرے کیمپ کے بلاک

۱۵. P (پاپا) ۱۶. Q (کیوبک) ۱۷. R (رومیو) ۱۸. S (سیارا) ۱۹. T (ٹینگو)

چوتھے کیمپ کے بلاک

۲۰. U (یونیفارم) ۲۱. V (وکٹر) ۲۲. W (ویسکی) ۲۳. Y (ینکی) ۲۴. Z (زولو)

ان بلاکس میں سے کیلو، مائیک، لیما اور پاپا میں وہ قیدی ڈالے جاتے ہیں جن کی زیادہ تفتیش کی جانی ہوتی ہے اور باقی بلاکوں میں وہ قیدی ہوتے ہیں جو کم پوچھ گچھ والے ہوتے ہیں۔ قیدیوں کو ایک جگہ نہیں چھوڑتے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ بعض قیدی جلدی جلدی اور بعض چند ماہ بعد ایک پنجرے سے دوسرے اور ایک بلاک سے دوسرے بلاک منتقل کرتے ہیں اس منتقلی کے دوران کبھی کبھی تو قیدیوں کو چن چن کر نکالا اور کبھی کبھی قیدیوں میں اپنے جاسوس چھوڑنے کے لئے ان کے درمیان لوگوں کو لا کر ڈالا جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کئی بار جاسوس ڈالے گئے جو خطرناک سوالات کرتے تھے۔ ان میں سے کئی کو میں سمجھ گیا اور بعض کے بارے میں دوسرے قیدیوں نے اشاروں سے سمجھایا۔

گولف بلاک میں میرے قریبی ساتھی

ہر بلاک میں پنجروں کے نمبر بائیں جانب سے شروع ہوتے ہیں بائیں جانب دروازے سے لے کر آخر تک ایک سے لے کر ۲۴ تک پنجرے ہیں اور دائیں جانب کے ۲۴ پنجروں کے نمبر آخری پنجرے سے ۲۵ شروع ہو کر دروازے کے پاس دائیں جانب پہلے پنجرے تک ۴۸ نمبر ترتیب سے بنتا ہے۔ میں گولف بلاک کے پہلے پنجرے اور استاد بدر ۲۵ ویں پنجرے میں تھے۔ نہ تو ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کی آواز سن سکتے تھے۔ گھومنے کی جگہ تک جانے کے لئے میں اس پنجرے کے سامنے سے گزرتا تھا

اور پوچھ گچھ کے لئے لے جاتے وقت وہ میرے پنجرے کے سامنے سے گزارے جاتے. ایک دوسرے کے سامنے سے گزرتے وقت ہم ایک دوسرے سے اسی انداز میں باتیں کرتے کہ کوئی سمجھ نہ سکے کہ ہم ایک دوسرے سے مخاطب ہیں. کبھی ہم ایک دوسرے کے پنجروں سے گذرتے وقت پاؤں سے چپل اتار دیتے جب لے جانے والا فوجی ہماری چپل ہمیں پہناتے اسی دوران ہم ایک دوسرے سے بات کر لیتے. دوسرے قیدی ہنستے تھے اور فوجی احمق اس حرکت کو سمجھ نہیں رہے تھے. میرے ساتھ دوسرے کمرے میں ایک یمنی عرب مجاہد تھا جس کا نام سالم الحضرمی تھا. ابتداء میں کسی کو معلوم نہیں تھا مگر بعد میں پتہ چلا کہ یہ اسامہ کا ڈرائیور تھا اور اسی کا پتہ اس طرح چلا کہ اس کی بیوی امریکی حملے اور بمباری کے دوران افغانستان سے نکل کر یمن پہنچ گئی تھی. وہ جب اپنے شوہر (سالم) سے الگ ہوئی تو اس کا گمان تھا کہ سالم بمباری میں شہید ہو چکا ہے. وہاں لوگوں کو بتایا تھا کہ میرا شوہر اسامہ کا ڈرائیور تھا اور شہید ہو گیا. لیکن یمن حکومت کو جب پتہ چلا کہ وہ زندہ ہے اور گوانتانامو میں ہے تو جب امریکیوں نے قیدیوں کے بارے میں تفصیلی معلومات طلب کی تو سالم کے حوالے سے چند ماہ بعد حکومت یمن نے اطلاع دی کہ سالم اسامہ کا ڈرائیور تھا. سالم نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ میں اسامہ کے ساتھ ذاتی نہیں بلکہ اجتماعی کاموں کے لئے استعمال ہونے والی گاڑیوں کا ڈرائیور تھا. اور قیدی کہہ رہے تھے کہ امریکی اسے قندھار لے گئے تھے. جہاں اس نے امریکیوں کو ابوحفص اور القاعدہ کے بعض دیگر اہم ارکان کے قبروں کی نشاندھی کی تھی اور بعض اہم معلومات بھی دی تھیں اور امریکیوں نے ان کی قبروں کو کھول کر ان کی انگلیوں کے نشانات اور بالوں وخون کے نمونے لئے تھے اور ان کی تصویریں اتاری تھیں. سالم کو معلومات کے بعد میرے قریب سے کسی اور جگہ منتقل کیا گیا. کافی عرصہ تک اسی کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا کوئی کہتا تھا کہ اسے ایکو کیمپ منتقل کیا گیا ہے کوئی کہتا تھا کہ قید تنہائی میں لے جایا گیا ہے. کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ مگر بالآخر اسے واپس پنجروں میں لایا گیا. اسے بعض امتیازی سہولتیں دی گئی تھیں. کئی بار اس نے اپنے گھر ٹیلیفون بھی کیا تھا اور گھر سے بھی اسے کھجور، قہوہ اور بعض دوسرے چیزیں بھجوائیں گئی تھیں. اس کے آس پاس دو پنجرے خالی کئے گئے تھے جن میں اس کی گھر سے بھجوائی گئی اشیاء رکھی گئی تھیں. جو اس کے تقاضے پہ فوجی اسے لا کر دیتے تھے. اس کے پاس ایک بار انٹرنیٹ کا ایک صفحہ بھی لا کر دیا گیا. اسے وکیلوں کی سہولت بھی دی گئی تھی.

میری رہائی کے وقت وہ پاپا بلاک میں تھا اور پوری جیل میں یہ واحد شخص تھا جسے یہ سہولتیں دی گئی

تھیں میرے سامنے دوسری قطار کے ۴۸ ویں پنجرے میں چمن بلوچستان کے مولوی امین اللہ تھے انتہائی با اخلاق تھے میرے اوراس کے نزدیک باقی سب عرب قیدی تھے. میری قطار میں مجھ سے چند پنجرے آگے ملاعبدالسلام ضعیف اوران سے آگے ملا خیراللہ خیر خواہ تھے. دونوں جالیوں سے نظر آتے تھے. اورایک دوسرے کو آواز بھی دیتے تھے تاہم زیادہ باتیں میں مولوی امین اللہ کے ساتھ کرتا تھا جو میرے بالکل سامنے تھے. ان کے تقاضے پر میں نے قران کریم کا ترجمہ شروع کرادیا ٦ پاروں کا ترجمہ ہونے کے بعد اسے ہمارے بلاک سے کسی دوسری جگہ منتقل کیا گیا. تفتیشی افسران نے مجھے پوچھ گچھ کے دوران کہا کہ تم بلاک کے رہنما ہو. میں نے پوچھا کہ کیا ان قیدیوں کو میں نے جمع کیا ہے یا آپ لوگوں نے ہمیں یہاں اکٹھا کیا ؟ اس نے کہا کہ یہ کام ہم لوگوں نے کیا ہے. میں نے ان سے پھر پوچھا کہ کس دلیل کی بنیاد پر وہ کہہ رہے ہیں کہ میں بلاک کا لیڈر رہوں؟ انہوں نے کہا کہ تم درس دیتے ہو اور باقی لوگ آپ سے سوالات کرتے ہیں. میں نے کہا کہ یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ میں بلاک کا لیڈر رہوں. درس دینا اوراس سے متعلق سوالات پوچھنا ہمارے دین کا حصہ ہے اور یہ ہمارا حق ہے میری یہ بات اسے اچھی نہیں لگی اوراس نے کوشش کی کہ مجھے درس سے منع کرے مگر میں نے ان کی بات نہیں مانی.

مولوی امین اللہ کی منتقلی کے بعد اس پنجرے میں یمن کا ایک نوجوان لڑکا لایا گیا جو عدینی کے نام سے پکارا جاتا تھا. اس کی آواز بہت میٹھی تھی. قران پاک کا حافظ تھا. اسے اللہ نے اچھی شکل وصورت دی تھی اور تلاوت بھی بہت اچھی کرتا تھا. وہ عربی زبان کے ترانے بھی ترنم کے ساتھ پڑھتا تھا. پورے بلاک بلکہ ساتھ والے بلاک کے قیدی بھی اس کے ترانے شوق سے سنتے تھے. ہر کوئی اسے شاباش دیتا اور جزاک اللہ خیراً کہتا تھا. اور قیدی اس سے بعض اشعار کی تکرار کی خواہش کرتے تھے نہ صرف قیدیوں کا وقت اچھا گزرتا بلکہ ان کے حوصلے جرأت اور ہمت کو مہمیز ملتی تھی. ہمارے قریب دیگر قیدیوں کے نام یہ ہیں. سمیر الجزائری، ابوعبدالرحمٰن الیمنی، عبدالرحمٰن الجداوی، محمد الحمادی الیمنی عثمان الحجازی......

پانچ ماہ بعد مجھے چھٹے پنجرے میں منتقل کیا گیا وہاں میرے قریب عبدالعزیز العوشن تھا جو ریاض کا تھا اور بڑے اچھے اخلاق کا مالک تھا. میرے سامنے ایک روسی مسلمان قتیبہ تھا. نوجوان تھا اور نیک واچھے اخلاق کا مالک تھا. اس نے عربی سیکھ لی تھی سب قیدیوں کو آواز دیتا تھا اور ہر کسی سے سلام دعا کرتا تھا جب میرے ساتھ متعارف ہوا تو اس نے صرف ونحو کے درس لینے شروع کئے. روزانہ پنجروں کے فرش پہ آمنے سامنے بیٹھ جاتے

تھے. میں جو کچھ بتاتا وہ سمجھ لیتا تھا. قلم کاغذ نہیں تھا کہ لکھ لیتا. ذہین اور محنتی تھا. اس کی نئ داڑھی نکلی تھی اور انتہائی نفیس انسان تھا. اس کے قریب ایک آسٹریلوی تھا اور پھر قندھار کا خیر اللہ تھا. وہ بڑے ترانے اور گانے سناتا اور کبھی کبھی پنجرے میں ناچتا بھی تھا. بعد ازاں ابوعمر النجدی بھی ہمارے قریبی پنجرے میں ڈالا گیا. وہ اچھا انسان تھا اور بدوی لہجہ میں بعض اوقات اشعار گنگناتا تھا. اور بھی کئی قیدی تھے... گولف بلاک میں ۴۸ قیدی وہی تھے جو ہمارے ساتھ ایک ہی طیارے میں قندھار سے کیوبا تک لے جائے گئے تھے.

سات ماہ بعد مجھے اور میرے بھائی استاد بدر کو ایک دن بلاک سے منتقل کیا گیا. تب تک ایک بلاک سے دوسرے بلاک تک قیدیوں کی منتقلی شروع نہیں ہوئی تھی چنانچہ ہم نہیں سمجھتے کہ ہمیں کہاں لے جایا رہا ہے؟ فوجی آئے ہمیں کہا کہ اپنا سامان لے لیں. سامان اکٹھا کیا. مجھے ہاتھوں سے باندھا اور پھر بندھے ہاتھوں مجھے سامان پکڑایا کہ یہ اٹھاؤ. میں نے کہا کیسے پکڑوں؟ چنانچہ مجبور ہوئے کے میرا سامان میرے ساتھ اٹھادیں. دوسرے قیدی سمجھے کہ ہمیں رہا کیا جارہا ہے چناچہ سب نے سلام کیا اور خدا حافظ کہا. مگر ہم نہیں سمجھ رہے تھے کہ ہمیں سخت تفتیش والے بلاک کی طرف لے جایا جارہا ہے اور سالوں یہاں رہیں گئے. ہمارے ان بلاکوں کی مغربی جانب دیگر بلاک تھے جن کا راستہ کافی دور سے بنایا گیا تھا ہمیں وہاں لے جایا گیا. مجھے (لیما) بلاک کے ۳۶ ویں پنجرے میں ڈالا گیا اور استاد بدر کا پتہ نہیں چلا کہ اسے کہاں لے جایا گیا. چند دن بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ (مائیک) بلاک میں ہے.

(لیما) بلاک پہنچا اور پنجرے میں ڈالا گیا. زنجیریں اور بیڑیاں کھول دی گئ قریب قیدیوں کے ساتھ دعا سلام کی. دیکھا کہ وہ سب بہت خاموش ہیں اور ہمارے گولف بلاک کی طرح خوش اور متحرک نہیں. نہ تو اس طرح کا شور ہے اور نہ ہی اس طرح کی باتیں. پوچھ گچھ کے بعد پتہ چلا کہ یہ وہ نئے قیدی ہیں جو ایک ماہ قبل لائے گئے ہیں. اور وہ ابھی کیمپ کے حالات سے واقف نہیں. سخت ڈرے ہوئے ہیں اور زور سے آواز نہیں دیتے نہ زیادہ باتیں کرتے ہیں. میں نے قریبی بلاک کو آواز دی اور ایک دوسرے کو بلند آواز سے سلام وکلام کیا. جس سے نئے قیدیوں کا خوف کم ہوا اور انہیں حوصلہ ہوا. دیگر پرانے قیدی بھی لائے گئے یوں پرانے اور نئے قیدی پنجروں میں اکھٹے ہوئے اور باتیں شروع ہوئیں. میرے قریب ایک جانب چند عرب تھے اور دوسری جانب افغان. میں نے ان کے ساتھ باتیں شروع کیں. انہوں نے بتایا کہ ہم نئے آئے ہیں. میرے ساتھ والے پنجرے میں خوست کے عبیداللہ اور ان کے ساتھ والے پنجرے میں لوگر کے عبدالظاہر تھے. ہم نئے

متعارف ہوئے پہلے سے ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے. ایک دوسرے کو پہچانا تو بھائی بندی ہوئی. ایک دوسرے کے ساتھ انس پیدا ہوا. باتیں اور ہنسی مذاق کرتے تھے. عبدالظاہر کے ساتھ والے پنجرے میں معلم اول گل اور ان سے آگے صبر لعل تھے ان سے بھی نئے متعارف ہوئے عبدالظاہر لوگری نے مجھ سے پوچھا میں نے اپنے تعارف کیا اور جب میں نے بتایا کہ میں عبدالرحیم مسلم دوست ہوں. ننگرہار کے علاقے کوٹ کے صاحبانو کلی سے....وہ اٹھا زیادہ متوجہ ہوا اور جلدی کہا کہ مسلم دوست؟ میں نے کہا ہاں! کافی افسوس کے بعد کہا کہ آپ یہاں ہیں میں نے کہا ہاں! اس نے میرا نام سنا تھا اور کہا کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں... کچھ دیر بعد میرے دائیں جانب پنجرے میں چپرہار کے نسیم لائے گئے جو بہت اچھا جوان تھا. میرے سامنے پنجروں میں سعد الطائفی اور ابو حارث المغربی تھے. پھر دیگر عرب اور عجم تھے. مختلف بلاکس میں وقتاً فوقتاً مختلف لوگوں سے آمنا سامنا ہوتا رہا مگر سب کے ناموں کا ذکر طوالت کا باعث بنے گا اس لئے مناسب نہیں سمجھتا. یہ سلسلہ جاری رہا. چند ماہ بعد (لیما) بلاک سے ڈیلٹا بلاک میں تبدیل کیا گیا. جہاں احسان اللہ شینواری اور احسان اللہ مزاری کے درمیان تھا جہاں شبرغان کا محمد شریف بھی تھا جو انتہائی نیک اخلاق کا مالک تھا.

ڈیلٹا سے پھر لیما اور لیما سے مائیک بلاک میں منتقل ہوا. جہاں استاد بدرالزمان کے ساتھ والے پنجرے میں مجھے ڈالا گیا ۱۴ مہینوں کے بعد پہلی بار ہم یکجا ہوئے. اسی سے قبل تفتیش کی جگہ پر ایک دوسرے کو دیکھا تھا. پھر نہیں دیکھا تھا ہم دونوں بہت خوش ہوئے. اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کی اور شکر ادا کیا کہ اتنے عرصے بعد ہم اکٹھے ہوئے. اگرچہ وہ الگ اور میں الگ پنجرے میں تھا مگر صرف ایک آہنی جال درمیان میں تھا اور یوں لگ رہا تھا کہ ہم گویا ایک کمرے میں ہیں. خوب باتیں کیں. یہاں ایک دن اور ایک رات ہم اکٹھے رہے. پھر ہمیں واپس (لیما) بلاک منتقل کیا گیا جہاں مجھے ۴۶ ویں اور استاد بدر کو ۴۴ ویں پنجرے میں ڈالا گیا. وہاں ۴۷ ویں پنجرے میں میرے قریب غزنی کے عبدالحق وثیق اور میرے واستاد بدر کے مابین ۴۵ ویں پنجرے میں محبت خان تھے. جبکہ ۴۳ ویں پنجرے میں خوست کے ڈاکٹر خاندان اور ۴۸ ویں پنجرہ میں ہلمند کے باغران کے نصراللہ تھے جو ان ہی دنوں نئے گوانتانامو لائے گئے تھے. عبدالحق صاحب بالکل ابتدائی قیدیوں میں سے تھے جو پہلے بحری بیڑے لے جائے گئے تھے اور پھر گوانتانامو منتقل کئے گئے تھے. وہ ایکسرے کے پہلے کیمپ میں بھی وقت گزار چکے تھے ابتدائی دنوں کی تمام تر سختیاں اور اذیتیں ان پہ گزری تھیں اچھے اخلاق کے مالک اور نیک انسان تھے. مجھے بہت اچھے لگتے تھے اور جیل کے میرے قریبی دل خواساتھیوں میں سے خاص مقام رکھنے والے ساتھی

تھے. نصر اللہ بھی اچھے آدمی تھے. ہنسی مذاق کرتے تھے. ان کے ساتھ وقت اچھا گزرتا تھا. ڈاکٹر خاندان بھی باوقار طبیعت کے مالک اور ایک غیرت مند انسان تھے. سامنے محمد ولی اور پہلوان نامی افغان تھے. چند دن بعد عبدالحکیم بخاری نامی عرب کو ہمارے سامنے لا کر ڈال دیا گیا. جو حقیقتاً ترکستانی تھا اور سعودی عرب میں رہ رہا تھا. طالبان دور میں سعودی انٹیلی جنس نے جاسوسی کے لئے افغانستان بھیجا تھا اور عربوں نے اسے پکڑا تھا. طالبان کی قید میں تھا. جہاں سے نکالا گیا. پھر امریکیوں کے لئے جاسوسی کرتا تھا انتہائی بد اخلاق اور پیچیدہ انسان تھا. عرب اسے ہمیشہ برا بھلا کہتے. ہم (لیما) کے اسی بلاک میں تھے کہ قرآن کریم کی بے حرمتی کا مسئلہ پیدا ہوا.

قید تنہائی کے بلاک

ڈیلٹا کیمپ کے تین بلاک قید تنہائی کے لئے تھے جو آسکر، انڈیا اور نومبر کے ناموں سے یاد کئے جاتے تھے. یہ بلاک سزا یافتہ قیدیوں کے لئے تھے. ہمارے بعد جو نئے قیدی لائے جاتے تھے وہ ایک یا دو ماہ کے لئے انہی بلاکوں میں رکھے جاتے تھے پھر عمومی کھلے پنجروں میں لائے جاتے اور مختلف بلاکوں میں تقسیم کئے جاتے تھے اان بلاکس کو انفرادی بلاک کہے جاتے تھے جہاں ایک ایک قیدی کو اکیلا رکھنے کے لئے الگ الگ چھوٹے چھوٹے کمرے تھے جو کنٹینرز سے بنائے گئے تھے. اور سب بند تھے. ایک دوسرے اس سے دکھائی نہیں دیتے تھے مگر قیدی بلند آواز سے نعرے دے کر قریب بلاک کے قیدیوں سے باتیں کرتے. جبکہ نئے قیدی انجان ہونے کے باعث خاموش رہتے. تاہم پرانے قیدی نعروں سے انہیں حوصلہ دے کر تعارف کراتے رہتے تھے. عمومی پنجروں کے قیدیوں کی جب فوجیوں سے کسی بات پہ ان بن ہوتی تو وہ اس کو بلاک کی کتاب میں لکھ لیتا تھا اور مرکز کو خبر دیتا. کبھی فوری کبھی ہفتوں اور کبھی مہینے بعد اس قیدی کو قید تنہائی میں منتقل کر دیا جاتا تھا. کوئی قانون اور طریقہ نہیں. بعض اوقات فوجی دلبستگی کے لئے ویسے بھی قیدی کو سزاوار کر کے قیدی تنہائی میں بھجوا دیتے. وہاں تین دن سے لے کر ہفتوں، مہینوں اور سالوں تک کے لئے کسی کو سزاوار کیا جاتا ہے. میں نے خود قید تنہائی نہیں گزاری مگر استاد بدر نے ابتدائی دنوں میں چند روز کے لئے قید تنہائی گزاری ہے. بعض اوقات پنجروں میں کمبل کے تقاضے پر بھی قیدی کو سزاوار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات تفتیشی افسر جب محسوس کرتا ہے کہ قیدی جھوٹ بول رہا ہے یا درست جوابات نہیں دے رہا تو بھی اسے سزاوار کر کے سیدھا قید تنہائی میں لے جایا جاتا ہے. میں تفتیش کے دوران تفصیل سے باتیں کرتا تھا اور امریکہ کے خلاف اور

آئی ایس آئی اوران کی کٹھ پتلیوں کے خلاف اپنی تحریروں کا اعتراف کرتا تھا چنانچہ انہیں یقین ہو جاتا تھا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں بولتا اس لئے مجھے قید تنہائی میں نہیں بھجوایا گیا. قید تنہائی کے بلاکوں میں بھی ۲۴ کمرے ہیں. اور انفرادی کے درمیان پنجروں کی طرح گلی ہے. بارہ کمرے ایک جانب اور بارہ دوسری جانب ہیں. ہر انفرادی بلاک کے آخر میں ایک بڑا ائر کنڈیشنڈ لگا ہے جس کی ٹھنڈی ہوائیں تمام کمروں میں پھینکی جاتی ہے. قیدیوں کو تنگ کرنے اور تشدد کرنے کے لئے کبھی ائر کنڈیشنڈ کو کولنگ کے آخری درجے تک لگایا جاتا ہے جس سے کمروں کے اندر قیدیوں کے دانت سردی سے بجنے شروع ہو جاتے ہیں اور سردی کے باعث بعض لوگ بیمار ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی ائر کنڈیشنڈ بند کر دیا جاتا ہے اور قیدی سخت گرمی سے پریشان ہو جاتے ہیں. تاہم پنجروں میں نہ تو پنکھے ہیں اور نہ ہی ائر کنڈیشنڈ.

رومیو بلاک

سزاوار قیدیوں کو سزا دینے کے لئے سب سے مشکل اور اندوہ ناک بلاک رومیو بلاک ہے. یہ بلاک بھی پنجروں پر مشتمل ہے قیدی صرف ایک چھوٹی سی نیکر میں ملبوس تقریباً برہنہ ان پنجروں میں رہتا ہے. اور اسے دیگر پنجروں کی طرح کمبل، تولیہ، چادر، پتلون شرٹ اور پانی کی بوتل نہیں دی جاتی. یہاں تک کہ رفع حاجت کے وقت کموڈ اور نلکے کا پانی بھی کئی بار بند کر دیا جاتا ہے اور پینے اور وضو کرنے کے لئے بھی پانی نہیں دیا جاتا. اس بلاک میں ان قیدیوں کو ڈالا جاتا ہے جو فوجیوں کے ساتھ بعض مشکلات سے دوچار ہوں یا تفتیش کے دوران کوئی مسئلہ آیا ہو. اور بعض اوقات کسی مسئلے کے بغیر بھی فوجی اور تفتیشی افسر قیدیوں کو یہاں بھجوا دیتے ہیں بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ رومیو بلاک میں قیدی سے نیکر بھی لے لی جاتی ہے اور اسے مادر زاد برہنہ پنجرے میں ڈال دیا جاتا ہے. وہ بیچارہ بیٹھا رہتا اور زمین پر اس خوف سے کہ اسکا ستر چھپا رہے بیٹھا رہتا اور انتہائی ضرورت کے وقت اٹھتا ہے اور اپنی ستر پوشی ہاتھ رکھ کر کرتا ہے اور دوسرے قیدی اس کے احترام میں اپنی نظریں دوسری جانب پھیر لیتے ہیں. قیدی اس حالت میں بھی فاقد الطہورین والحجاب کی حیثیت سے پنجرے کے آہنی تاروں پر تیمّم کر کے نماز ادا کرتے ہیں. نظریات اور فولادی ارادے اتنے بلند ہوتے ہیں کہ اپنے مؤقف سے بال برابر بھی ہٹائے نہیں جاسکتے بلکہ مزید پرعزم ہو جاتے ہیں. فوجیوں اور فوجی افسران پر پانی اور گند پھینکتے اور تھوکتے ہیں. انہیں سخت القاب سے یاد کرتے ہیں یا تو تفتیش کے لئے

جاتے نہیں اور اگر جاتے ہیں تو بات نہیں کرتے.

ڈیلٹا بلاک میں پاگل قیدی

ڈیلٹا کیمپ کا ایک بلاک بھی ڈیلٹا کے نام پر تھا. ابتداء میں یہاں عام قیدی تھے. جسے بعد ازاں پاگل قیدیوں کے لیئے مخصوص کیا گیا. بعض قیدی گوانتانا مو میں نفسیاتی دباؤ، تشدد اور انتہائی غم واندوہ کے باعث پاگل ہوگئے ابتداء میں عام قیدیوں کے ساتھ دیگر بلاکس میں تھے. ساتھ والے پنجرے میں ڈاکٹرز بیٹھ کر ۴۰ گھنٹوں تک اس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتے تھے. پھر یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا کیونکہ ذہنی معذوروں کی تعداد بڑھ گئی چنانچہ تمام ذہنی معذور قیدیوں کو ڈیلٹا بلاک میں ڈال دیا گیا. ان کا مزید علاج ترک کر دیا گیا رات کے وقت انھیں نشے کی گولیاں دی جاتی تھیں اور ہر وقت نشے میں پڑے ہوتے تھے. بعض بے وقت آذانیں دیتے تھے اور بعض ایک رکعت نماز پڑھتے اور سجدہ سے اٹھتے ہی لیٹ جاتے تھے. دیگر عجیب عجیب حرکتیں کرتے. بعد ازاں مہینے میں ایک بار نفسیاتی ڈاکٹر آجاتا. ان سے کچھ سوالات کرتا اور بس.

دیگر بلاکس میں عام قیدیوں کے پاس بھی کبھی کبھی نفسیاتی ڈاکٹر آتے اور پوچھ گچھ کرتے. استاد بدر کے پاس بھی کبھی کبھی یہ ڈاکٹر آتا. اس سے سوالات پوچھتا اور پھر چلا جاتا. اکثر قیدیوں سے یہ سوالات کیئے جاتے تھے کہ سوتے ہو یا نہیں؟ کھانا کھاتے ہو یا نہیں؟ اپنے آپ کو جان سے تو نہیں مارتے؟ ایک سعودی قیدی ذہنی معذور ہوا تھا. نوجوان لڑکا تھا. کبھی کہتا تھا کہ ((انا اصنع قنبلة نووية مائة فی المائة)) پھر کہتا (واللہ اعلم). اسے شمالی اتحاد نے افغانستان میں دیگر قیدیوں کے ساتھ پکڑا تھا اور اس پر انتہائی تشدد بھی کیا تھا اور اس کے ساتھ لواطت بھی کی تھی اور بہت زیادہ تشدد کے بعد پاگل ہوا تھا تاہم گوانتانا مو میں امریکی ڈاکٹروں نے اس کی گردن کا آپریشن کیا جس کے بعد وہ ٹھیک ہوا.

ایکو کیمپ

ایکو کیمپ ڈیلٹا سے دور ہے. دونوں کے مابین پہاڑی چٹان ہیں. ایکو بھی ایک طرح سے قید تنہائی کا کیمپ تھا وہاں بھی بعض قیدی تفتیشی افسران کی جانب سے بھجوائے جاتے ہیں. ایک قیدی کے لئے ایک چکی ہے اور ہر چکی کے سامنے فوجی چوکیدار ہوتا ہے. چکی کے باھر کچھ نظر نہیں آتا اور کسی کے ساتھ باتیں نہیں کی جاسکتیں. سزاوار قیدی مہینوں یہاں پر سے نہ تو سورج دیکھ سکتے ہیں نہ روشنی اور نہ ہی دیگر قیدیوں کے حالات کی

خبر رکھتے ہیں اس کیمپ کے کئی کمرے مکمل تاریک ہیں.

چوتھا کیمپ

ڈیلٹا کیمپ کے پنجروں میں ایک سال گزارنے کے بعد چوتھا کیمپ ابھی بنا نہیں تھا مگر تفتیشی افسران اور فوجیوں نے اس کو بہت اھمیت دی ہوئی تھی اور ہر وقت اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی بہت زیادہ تعریف کرتے کہ ایک کیمپ بنے گا جس میں قیدیوں کو تمام تر سہولتیں ملیں گی. وہ آزاد گھومیں گے اس میں کھیل کے میدان ہوں گے اور پنجروں جیسی سختی نہیں ہوگی مزید بہت کچھ ہوگا. یہ پروپیگنڈا ایک سال کیا گیا تقریباً دو سال بعد چوتھا کیمپ بنا. تفتیشی افسران نے قیدیوں کی چھان بین شروع کی اور کہتے تھے کہ چوتھا کیمپ گوانتانامو کا آخری اور گھر جانے کے لئے پہلا پڑاؤ ہے کیمپ بننے کے بعد بعض قیدیوں کو زنجیروں اور بیڑیوں میں وہاں لے جایا جاتا انہیں بلاک دکھائے جاتے. اس ڈرامے کے ذریعے تفتیشی افسران نے پوچھ گچھ کا فائدہ حاصل کرنا شروع کیا. وہ قیدیوں سے کہتے کہ وہ کوشش کر رہے ہیں کہ انہیں چوتھے کیمپ بھیج دیا جائے مگر بعض سوالات ابھی باقی ہیں وہ تعاون کریں اور سوالوں کے درست جوابات دیں تا کہ کام ختم ہو اور انھیں چوتھے کیمپ بھیجا جائے.

چوتھے کیمپ میں ارد گرد پانچ بلاک ہیں جو یونیفارم، وکٹر، ویسکی، ینکی اور ذولو کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں. درمیان میں ایک بڑا بلند مینار ہے جس کا اوپری حصہ چاروں جانب مکمل شیشہ ہے. وہاں پر بڑے بڑے کمپیوٹر لگے ہیں. جہاں تعینات فوجی انہی کمپیوٹرز کے ذریعے مختلف بلاکس کے کمروں کا معائنہ وہاں نصب کیمروں کے ذریعے کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت ہر کمرے کے دروازے کمپیوٹر کے ذریعے کھولے جاتے ہیں. ہر بلاک کے چار کمرے ہیں جن کے درمیان میں عمومی باتھ رومز واش رومز اور ٹوائیلٹ ہیں. جہاں سے نکلتے وقت قیدی استعمال کرتے ہیں. ہر کمرے میں دس آہنی چار پائیاں ہیں جن میں پانچ ایک جانب اور پانچ دوسری جانب رکھے ہیں اور کنکریٹ فرش میں نصب موٹے کیلوں کے ذریعے سختی سے پھنسائے گئے ہیں دروازے کے ساتھ ایک ٹوائیلٹ ہے یہ بیت الخلاء اور باہر موجود دیگر بیت الخلاء کے دروازے نہیں ہیں. قیدیوں کے مسلسل تقاضے کے بعد اس کے ایک تہائی حصے کے نیچے پلاسٹک شیٹ کے پردے لگائے گئے. قیدیوں نے لفافوں سے پردے آویزاں کئے مگر انھیں ایسا کرنے سے منع کیا گیا. اس

طرح یہ لازمی تھا کہ بیت الخلاء کا ایک تہائی حصہ بیت الخلا کی چھت میں نصب کیمرے کو دکھائی دے. تاکہ بیت الخلاء کے اندر بھی قیدی کی حرکات وسکنات پر نظر رکھی جا سکے.

پورے بلاک کی دیواریں آہنی چادروں سے بنی ہیں جن کے مابین ایک طرح کا فوم ہے جبکہ چھت مکمل آہنی چادر کی ہیں بجلی کی تاریں بھی آہنی پائپوں میں بچھائی گئی ہیں اور ہر چیز اس قدر سخت ہے کہ ان کا توڑنا آسان نہیں. دو کمروں کے درمیان دیواروں کے آخر میں مثلث شکل کا جال ہے. جس کی پچھلی جانب سے دروازہ ہے اس پچھلے جانب کے دروازوں سے چوکیدار فوجی آکر کرسی پر بیٹھتے ہیں اور دونوں کمروں پر ان جالیوں سے نظر رکھتے ہیں. ان کے سامنے دو سکرینیں بھی لگی ہیں جن میں انھیں پورا کمرہ دکھائی دیتا ہے. ایک سکرین ایک کمرے کے لئے اور دوسری دوسرے کے لئے لگائی گئی ہے. اسی مثلث نما جال کی کوٹھریوں سے اسی جال میں سے دونوں کمروں کی جانب چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہیں. جنہیں پچھلی جانب سے آہنی تختوں کے ذریعے بند کیا جاتا ہے. ان کھڑکیوں کے ذریعے بیمار قیدیوں کو ادویات دی جاتی ہیں. ٹمپریچر، شوگر کی مقدار، بلڈ پریشر اور بعض دیگر چھوٹے چھوٹے معائنے اسی کھڑکی کے ذریعے کئے جاتے ہیں. اسی طرح لانے اور لے جانے اور ریڈ کراس کے اہل کاروں سے بات چیت انہی کھڑکیوں اور جال کے ذریعے ہوتی رہتی ہے. ہر کمرے کی چھت میں بڑے کالے شیشوں کے چراغوں کی طرح دو، دو کیمرے نصب ہیں. ایک کیمرہ مثلث نما جال میں لگے سکرین کے ساتھ اور دوسرا درمیانی مینار میں لگے کمپیوٹروں سے منسلک ہیں. اس طرح قیدی کی ایک بھی حرکت فوجیوں سے پوشیدہ نہیں. وہ قیدیوں کی ہر حرکت کا جائزہ لیتے اور رجسٹر میں درج کرتے ہیں.

ہر کمرے کا دروازہ الیکٹرانک طریقے سے برج میں لگے کمپیوٹر کے ذیعے کھولا جاتا ہے. کمرے کی چھت میں روشنی کے چار ہائی پاور گلوب لگے ہیں جو ٹوٹتے نہیں. دن رات روشن رہتے ہیں اور قیدیوں کی تکلیف کا سبب بنتے ہیں. ہر کمرے کے دس قیدی کمرے کے ایک کونے میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں. ہر بلاک کے گرد آہنی جال اور ان کے اوپر کانٹا تار لگے ہیں قیدی پچھلی جانب نہیں جا سکتے مگر جال کے اگلے جانب پانچ قدم کے فاصلے پر جال ہے. بلاک کے ایک جانب کھانا کھانے کے لئے آہنی چادروں سے ڈائننگ روم بنے ہیں. چاروں جانب دیوار کے ساتھ لمبے لمبے تختے نصب ہیں جن پر قیدی بیٹھتے ہیں. جبکہ درمیان میں لوہے کی میز ہے اور ان کے ساتھ جڑے ہوئی لوہے کی کرسیاں ہیں جنہیں فرش میں نصب کیا گیا ہے. پلاسٹک کی ایک میز اور اسی سے جڑی ہوئی پلاسٹک کی کرسی بھی ہے جو فرش کے ساتھ نصب نہیں. اور انھیں ایک جگہ سے

دوسری جگہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ یہاں پلاسٹک کی ایک ٹرالی بھی ہے جو کھانے کی تقسیم اور برتن رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

چوتھے کیمپ کی سہولتیں اور آسائش

چوتھے کیمپ کی بعض آسانیوں اور سہولتوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو اگر چہ اتنی خاص اور اہم نہیں ہیں تاھم پنجروں کے کیمپ کے مقابلے میں یہاں دی گئی بعض سہولتیں یہ ہیں:

① پنجروں میں قید افراد کے کپڑے نارنجی اور چوتھے کیمپ میں سفید ہیں۔

② پنجروں میں فوجی قیدیوں کو کھڑکی کے ذریعے کھانا پھینکتے تھے جبکہ چوتھے کیمپ میں فوجی کھانے کے برتن لاکر اندرونی ڈائننگ ہال میں رکھ دیتے تھے اور چلے جاتے تھے پھر دو کمروں کے قیدیوں کو لاوڈ سپیکر کے ذریعے بتایا جاتا کہ جاؤ کھانا کھالو۔ اس کے لئے درمیانی برج میں قائم کمپیوٹر روم سے الیکٹرانک طریقے سے کمروں کے دروازے کھولے جاتے تھے۔ دو کمروں کے قیدی اس میں آدھا کھانا کھاتے تھے۔ اور ان کے بعد دو کمروں کے قیدی آکر کھانا کھاتے تھے اور خوراک کے لئے ایک گھنٹے کا دورانیہ مقرر تھا۔ کھانے کے ساتھ ڈسپوزبل برتن گلاس، پلیٹ، چمچے وغیرہ رکھے ہوتے تھے پھل بھی کارٹن میں رکھے ہوتے۔ دونوں کمروں کے قیدیوں میں سے ایک ایک مقررہ فرد یہ ساری خوراک باہم برابر تقسیم کر لیتے۔ ہر کوئی اپنا کھانا پلیٹ میں لے کر یا تو میز کے گرد کرسی پر بیٹھ کر کھاتا تھا یا پھر ایک کمرے کے قیدی اپنا سارا حصہ اور پھل اپنے کمرے میں لے جاکر وہاں بیڈ سیٹ فرش پر بچھا کر اکھٹے کھا لیا کرتے تھے۔ ایک گھنٹہ پورا ہونے کے بعد فوجی پھر اعلان کرتے ہیں کہ وقت پورا ہو گیا چنانچہ قیدی برتن ھال میں چھوڑ کر اپنے کمروں میں چلے جاتے ہیں اور ان کے کمروں کے دروازے بند کر کے جاتے ہیں۔ پھر دوسرے کمروں کے قیدی اسی ترتیب سے آکر اپنے حصے کا کھانا اور پھل کھاتے ہیں اور ایک گھنٹے کا وقت گزارتے ہیں۔

③ پنجروں میں پنکھے نہیں جبکہ چوتھے کیمپ کے ہر کمرے میں دو پیڈسٹل فین لگے ہیں جن کا بجلی کنکشن مثلث جال کے باھر سے لگا ہے اور مثلث جال میں ڈیوٹی پر موجود فوجی اسے آن اور آف کرتا ہے۔

(۴) اسی طرح چوتھے کیمپ کے ہر کمرے میں ایک ایک واٹر کولر فراہم کر دیا گیا ہے اور کمروں کے باھر پلاسٹیک بالٹی میں برف رکھی ہوتی ہے. قیدی اس سے کولر بھرتے ہیں اور ٹھنڈا پانی پیتے ہیں. جبکہ پنجروں میں یہ سہولت نہیں اور وہاں قیدی نلکوں کا گرم پانی پیتے ہیں.

(۵) چوتھے کیمپ کے مثلث جالیوں میں لکھنے کے لئے کاغذ ہر وقت پڑا ہوتا ہے اور قیدی وہاں موجود فوجی سے کاغذ قلم لے سکتا ہے.

(۶) چوتھے کیمپ کے اسی مثلث جالی میں پوسٹل کارڈ اور کاغذ ہوتے ہیں. قیدی جب بھی چاہے اپنے گھر والوں کو خط لکھ سکتا ہے. ڈاک والا فوجی ہفتے میں ایک بار یہ خطوط جمع کرتا ہے. یہ الگ بات ہے کہ یہ تمام بھیجے نہیں جاتے اور نہ ہی کوئی تحریر مکمل بھجوائی جاتی ہے پنجروں میں بھی خطوط ہفتہ وار بنیاد پر اکھٹے کئے جاتے ہیں مگر وہاں کاغذ قلم ہر وقت دستیاب نہیں ہوتا.

(۷) چوتھے بلاک کے کمروں کے قیدی دن میں دو بار ایک ایک گھنٹے کے لئے گھومنے کے لئے نکالے جاتے ہیں اور وہ جال کے اندر گھومتے ہیں. ۲۴ گھنٹوں کے دوران ایک بار قیدی بلاکس کے درمیان میں قائم گراؤنڈ تک نکالے جاتے ہیں جہاں ایک حصہ والی بال اور دوسرا فٹ بال کے لئے مخصوص ہے. وہاں قیدی آدھے گھنٹے تک کھیلتے ہیں. میدان کے باھر درمیانی برج مینار کے پاس ٹیبل ٹینس کے لئے ایک ٹیبل بھی رکھا گیا ہے جہاں دو آدمی کھیل سکتے ہیں. ہمارے آخری دنوں میں جال کے اندر ڈائننگ ہال میں ہر بلاک کی سطح پر بھی ٹیبل ٹینس کا ایک ایک ٹیبل فراہم کیا گیا ان میزوں کو پہیے بھی لگے ہیں اور انھیں بچھایا اور سمیٹا جا سکتا ہے. یہ سہولت پنجروں میں نہیں ہے.

(۸) چوتھے کیمپ میں ہر ایک قیدی کو ایک ایک جائے نماز بھی دی گئی ہے جبکہ پنجروں میں ایسا نہیں ہے.

(۹) چوتھے کیمپ کے ہر کمرے میں قیدی دس افراد اپنے کمرے میں با جماعت نماز ادا کر سکتے ہیں جبکہ پنجروں میں نماز کے لئے صف نہیں باندھی جا سکتی.

(۱۰) چوتھے کیمپ اور پنجروں کی خوراک ایک جیسی ہے؟ اسی طرح کا بے کار کھانا ہے مگر پورا ہے اور قیدی سیر ہو کر کھا سکتے ہیں اور بعض چیزیں اضافی بھی رہ جاتی ہیں جنہیں قیدی جال کے باھر پرندوں اور حشرات الارض و جانوروں کو ڈال دیتے ہیں.

(۱۱) چوتھے کیمپ میں اتوار کی شام کھانے کے ساتھ ایک یا آدھا میٹھا کیک اور ایک یا کبھی آدھی پیالی

آدھا کپ صاف شدہ مونگ پھلی، بادام، اخروٹ وغیرہ بھی دیا جاتا ہے امریکیوں کے نزدیک یہ سب سے بڑا اور اچھا امتیازی سلوک تھا.

⑫ چوتھے کیمپ میں قیدی پوچھ گچھ اور تفتیش کے لئے ایک سٹریچر میں لے جائے جاتے ہیں ان کے ہاتھ اور جسم ایک بیلٹ کے ذریعے سٹریچر سے بندھے ہوتے ہیں. پنجروں میں قیدیوں کو ہاتھوں پاؤں اور کمر سے زنجیروں سے باندھ کر پیدل تفتیش کے لئے لے جایا جاتا ہے. یہ اگرچہ اتنی بڑی سہولت نہیں تھی مگر یہ سہولت بعد میں واپس لے لی گئی.

ان کے علاوہ چوتھے کیمپ میں کوئی اور سہولت قیدیوں کو حاصل نہیں تاھم یہاں بعض ایسی مشکلات ہیں جن کی وجہ سے قیدی یہاں اداس اور خود کو مشکل میں محسوس کر رہے ہیں. یہاں تک کہ بعض قیدی مسلسل اور پر زور تقاضے پر واپس پنجروں میں چلے گئے. جب قیدی پوچھ گچھ اور تفتیش کے وقت پنجروں میں واپس جانے کا مطالبہ کرتا اور اس کا مطالبہ نہیں مانا جاتا تھا تو وہ اپنا سامان کمرے کے دروازے سے باھر نکالتا. اور جب دوسرے قیدی کمرے کے اندر جا رہے ہوتے تو وہ اپنے سامان کے ساتھ کمرے سے باھر بیٹھ جاتا اور کمرے کے اندر جانے سے انکار کرتا. فوجی اپنے ہیڈکوارٹر اطلاع کر دیتے. وہاں سے مقررہ فوجی اور ترجمان آجاتا اس کے ساتھ بات جیت کرتا اور کوشش کرتا کہ اسے کمرے کے اندر جانے پر آمادہ کریں. پھر بھی اگر قیدی اسرار کرتا تو صبح سے شام تک اس طرح بیٹھا رہتا. بلاک کے دیگر قیدی کمروں کے اندر ہوتے اسی صورت میں انھیں کھانا مثلث جالی کی جانب سے کھڑکیوں کے ذریعے دیا جاتا بالآخر دن کے اختتام پر قیدی کا مطالبہ مان لیا جاتا. نارنجی کپڑے لاکر اسے پہنائے جاتے اور زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر چھوٹی گاڑی میں پنجروں تک لے جایا جاتا.

چوتھے کیمپ کی مشکلات

چوتھے کیمپ میں بعض ایسی باتیں تھیں جن کی بنیاد پر قیدی پنجروں کو ترجیح دیتے تھے.

① پنجروں کے اردگرد آہنی جالی لگی ہے جس میں دھوپ اور تازہ ہوا لگتی ہے اور قیدی آسمان بھی دیکھ سکتے ہیں جبکہ چوتھے کیمپ کے کمروں میں نہ تو دھوپ لگتی ہے نہ اس کے باھر کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی تازہ ہوا لگتی ہے اور جب پنکھے بند ہو تو پھر سخت گرمی ہوتی ہے.

(۲) چوتھے کیمپ کے قیدی دیگر قیدیوں کے حال احوال سے بے خبر رہتے ہیں جبکہ پنجروں میں جہاں سب سے زیادہ قیدی ہیں۔ اکثر قیدی ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو جاتے۔ بلند آواز سے ایک دوسرے کا حال احوال بھی پوچھ سکتے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کے باعث مختلف لوگوں سے متعارف بھی ہوتے۔

(۳) چوتھے کیمپ میں ہر بلاک کے اجتماعی بیت الخلا اور کمروں کی صفائی اور کھانے کی تقسیم قیدی کرتے ہیں جبکہ پنجروں میں ساری خدمت قیدی کرتے تھے اور قیدی صرف اپنے پنجرے کو صاف کرنے کا پابند تھا۔

(۴) چوتھے کیمپ میں ایک کمرے کے اندر دس قیدیوں کی اجتماعی رہائش کے باعث بعض مشکلات پیدا ہوتیں مثلاً پنکھوں سے دوری یا قربت کی وجہ سے مثلاً بعض گرم مزاج قرب اور بعض نرم مزاج دوری چاہتے بعض نیند لینا چاہتے ہیں اور بعض باتیں کر رہے ہیں... اگرچہ قیدی باہمی نظم وضبط اور بھائی بندی کے ساتھ رہتے پھر بھی بعض مجبوریاں ہوتی ہیں۔ جبکہ پنجروں میں یہ مشکلات نہیں تھیں۔

(۵) چوتھے کیمپ کے ہر کمرے میں ایک بیت الخلا ہے اور دروازہ بند ہونے کی صورت میں قیدی کمروں سے باھر اجتماعی بیت الخلا استعمال نہیں کر سکتے۔ چنانچہ تہجد اور نماز فجر کے وقت جب سب لوگ نیند سے جاگ جاتے ہیں اور ہر کوئی فوری وضو اور پیشاب کے لئے جانا چاہتا ہے مگر ٹوائیلٹ ایک ہونے کے باعث سب ایک دوسرے کے منتظر رہتے۔ اسی طرح بعض افراد مریض ہوتے ہیں اور بار بار ٹوائیلٹ جاتے ہیں بعض لولے، لنگڑے یا معذور ہوتے ہیں اور ٹوائیلٹ میں بیٹھنے اٹھنے میں زیادہ وقت لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے افراد اگر اندر ہوں اور باھر دوسروں کو فطری تقاضا تنگ کرے اور مجبوراً وہ روکے رہے تو اسی سے بھی انھیں مزید بیماریوں مثلاً گردوں، مثانے وغیرہ کی تکلیف شروع ہو جاتی۔ بعض مریضوں کے لئے زیادہ پانی پینا اچھا ہوتا ہے مگر اسی خیال سے کہ پیشاب تنگ کرے گا نہیں پیتے تھے یوں وہ مزید مشکلات سے دوچار رہوتے۔ جبکہ پنجروں میں یہ مشکلات نہیں ہیں۔ وہاں ہر پنجرے میں کموڈ اور نلکہ لگا ہوتا ہے جن کو قیدی کسی بھی وقت استعمال کر سکتا ہے۔ ان مشکلات کے حوالے سے بار بار شکایت کی گئی ہے مگر کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا ہے۔

(۶) چوتھے کیمپ کے قیدی باھم وعظ ونصیحت اور ترانے سننے، ایک دوسرے کو سلام کرنے، ایک

دوسرے کو زیادہ سے زیادہ حوصلہ اور تسلی دینے اور ایک دوسرے کے حوصلے بلند کرنے جیسے معنوی و اجتماعی امتیاز سے محروم ہیں.

(۷) چوتھے کیمپ کے قیدی پنجروں کے قیدیوں کی طرح اجتماعی مظاہرے اور احتجاج نہیں کر سکتے. پنجروں میں بند قیدیوں کے تمام بلاکوں کی بات ایک ہوتی ہے وہ زیادہ بھی ہیں. ان میں اتفاق بھی ہے اور ایک دوسرے سے باخبر رہتے ہیں.

(۸) چوتھے کیمپ میں ہر کمرے اور ہر جگہ کیمروں کی تنصیب کے باعث کوئی بھی قیدی پوشیدہ نہیں اور اس کی تمام حرکات و سکنات دیکھی جاتی ہیں. اگرچہ تمام کیمپوں میں جاسوسی اور آلات سماعت لگے ہیں تاہم پنجروں میں چوتھے کیمپ کی طرح کھل کر کیمرے نصب نہیں ہیں جن سے قیدی ہمیشہ پریشان ہوں.

(۹) چوتھے کیمپ کے ساتھ کچی سڑک ہے اور گاڑیوں کی آمد و رفت کی وجہ سے اٹھنے والی گرد، مٹی اور دھواں قیدیوں کے کمرے کی اوپری دیوار اور جال کے راستے کمروں میں اور ڈائننگ ہال میں آتا ہے اور کھانے پر بھی گرد پڑتی ہے.

(۱۰) چوتھے کیمپ میں قیدی اپنا مطالبہ آزادانہ نہیں کر سکتے اور اگر احتجاج کرے تو اس سے دی گئی سہولتیں واپس لی جاتی ہیں اور واپس پنجروں میں بھجوائے جاتے ہیں.

پانچواں کیمپ

پانچواں کیمپ سب کے آخر میں قائم کیا گیا یہ دوسرے کیمپوں کے مشرق میں بنایا گیا ہے اور چوتھے کیمپ کے قریب ہے. چوتھے اور پانچویں کیمپ کے درمیان ایک پہاڑی ہے مگر اس کی بڑی بڑی لائٹس کی روشنی ایک سائیڈ سے دکھائی دیتی ہے. پانچویں کیمپ کے حالات پوشیدہ ہیں اور امریکی کوشش کر رہے ہیں کہ کسی کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہو. تاھم تاجکستان کا ایک قیدی یوسف پانچویں کیمپ لے جایا گیا تھا اور پھر واپس پنجروں میں لایا گیا تھا. اس کے بعد بھی کچھ عرصہ بعد مزید قیدی وہاں سے نکلے اگرچہ فوجیوں اور تفتیشی افسران نے انھیں سمجھایا تھا کہ پانچویں کیمپ کے حالات کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتانا مگر پھر بھی انھوں نے بعض حالات قیدیوں کو بتائے. جب پانچواں کیمپ قائم ہوا تو پنجروں سے بعض قیدی وہاں منتقل کئے گئے ھسپتال

کے لئے ریڈ کراس کی ایمبولینس گاڑیوں میں قیدیوں کو منتقل کیا گیا. ان دنوں ہم چوتھے کیمپ میں تھے اس لئے ہم دیکھ رہے تھے کہ ہمارے ساتھ والی سڑک پر سہ پہر سے رات گئے تک گاڑیوں کی آمد و رفت جاری ہے. کھانے کی چیزیں لانے والی گاڑیوں میں ہم نے دیکھا کہ بکس اور کارٹن پر پانچواں کیمپ لکھا تھا اور یہ بھی کہ اس بکس یا کارٹن کی خوراک کتنے افراد کے لئے ہے؟ چنانچہ اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ ابتدائی دنوں میں پانچویں کیمپ میں ۶۵ قیدیوں کو منتقل کیا گیا.

پانچویں کیمپ کے کسی قیدی سے ہمارا سامنا نہیں ہوا مگر دوسرے قیدیوں اور فوجیوں کی زبانی ہم نے سنا کہ پانچواں کیمپ اچھی جگہ نہیں ہے. وہاں ہر قیدی چھوٹے سے کنکریٹ کمرے میں ہے جو نہ کسی کو دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی سے باتیں کر سکتا ہے. فوجیوں کو بھی نہیں دیکھتا صرف کھانا دیتے وقت جب فوجی دروازے کی چھوٹی سی کھڑکی سے قیدی کو کھانا دیتا ہے تو قیدی فوجی کے صرف ہاتھ دیکھتا ہے، گھومتا نہیں ہے. صرف دس دنوں میں ایک بار چند لمحوں کے لئے بیرونی جالی تک نکالے جاتے ہیں اور وہاں گھومتے ہیں. تفتیش برائے نام اور انتہائی کم وقت کے لئے ہے. پانچواں کیمپ قیدیوں پر ذہنی دباو ڈالنے کے لئے ہے تاکہ وہ مجبور ہو جائے اور تفتیشی افسروں کو ان کے خیال کے مطابق سچ اور درست بات بتائیں اور معلومات فراہم کریں. وہاں کپڑوں کا رنگ بھی مختلف ہے. البتہ خوراک باقی کیمپوں کی طرح ہے. صرف چوتھے کیمپ میں خوراک نسبتاً اچھی ہے اور پانچویں کیمپ میں اس سے بھی زیادہ اچھی ہے.

ایگوانا کیمپ

ایگوانا کیمپ کا علم ہمیں ڈھائی سال بعد ہوا. یہ کیمپ باقی کیمپوں کے مغربی جانب اتنا دور ہے کہ گاڑی میں دس منٹ کے فاصلے پر واقع ہے. یہ سمندر کے ساتھ لگے ہوئے ساحل پر ہے. وہاں ایک بڑا ہال ہے جس میں ٹیلی ویژن لگا ہے مزید وی سی آر اور دو ویڈیو کیسٹ ہیں. حیوانات اور نباتات کی تصویروں پر مبنی دو کتابیں بھی پڑی ہیں. یہاں پانچ چھ کرسیاں بھی رکھی گئی ہیں. ہال میں ائر کنڈیشنڈ بھی نصب ہے. اس کے ارد گرد آہنی جال اور کانٹا تار کی دو دیواریں بھی بنادی گئی ہیں. ایک کمرہ اور بھی ہے جو فوجیوں کے لئے ہے. اور میرے خیال میں خوردنی اشیاء سمیت دیگر سامان بھی وہاں رکھا جاتا ہے. ہال کے باہر ایک چھوٹا سا گراؤنڈ ہے سمندر کی جانب ۳۰ فٹ تک آہنی جال پر کوئی پردہ نہیں ہے اور اس سے سمندر دکھائی دے رہا ہے. اس گراؤنڈ

میں فٹ بال کی طرز کا بال بھی پڑا ہے اور ایک جانب دو تین لیٹرین بھی ہیں یہ ایکو کیمپ کی ایک چھوٹی سی جگہ ہے. یہ کیمپ ابتداء میں بچوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اور اس میں آٹھ، نو سال سے لے کر تیرہ سال تک کے قیدی بچے رکھے گئے تھے جو اپنے بڑوں کے ساتھ پکڑے گئے تھے جب یہ کیمپ بچوں سے خالی ہوا تو ڈھائی سال بعد چوتھے کیمپ کے قیدی ہفتے میں ایک بار باری باری چار چار کے گروپوں کی شکل میں دو گاڑیوں میں پابند سلاسل کر کے یہاں لے جائے جاتے تھے. یوں یہ چوتھے کیمپ کے قیدیوں کی تفریح کے لئے مخصوص ہو گیا. ہر قیدی کو کافی ہفتوں بعد یہاں جانے کا موقعہ ملتا. خود مجھے دو بار یہاں منتقلی کا موقع ملا اور ایک بار استاد بدر بھی میرے ساتھ تھا اور دوسری بار دیگر قیدی ساتھ تھے. اس کیمپ تک جانے کے لئے گاڑیوں کے اندر سخت گرمی ہوتی تھی جس کے باعث قیدی تفریح سے زیادہ تکلیف سے دوچار ہو جاتا.

جب ہم اپنی باری پر ایگوانا کیمپ گئے تو وہاں بڑے ہال میں ہم نے وی سی آر کے ذریعے ایک کیسٹ پر ایرانی فلم دیکھی جو نابینا بچوں کی فلم تھی. ہمیں وہاں چار گھنٹوں کے لئے لے جایا گیا تھا. وہاں ھمیں کھانا دیا گیا جو چوتھے کیمپ سے اچھا تھا ہم نے سمندر کی جانب آہنی جال کے ساتھ میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا ھم سمندر کا نظارہ کرتے اور باتیں کرتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے. یہ گوانتانامو جیل میں گزرے ہوئے وقت کے بہترین لمحات تھے. وہاں آہنی جال کے باہر گوہیں بھی کافی تعداد میں تھے اور ایگوانا بھی انگریزی میں گوہ کو کہتے ہیں اور اس کیمپ کا نام بھی گوہ کے نام پر ایگوانا رکھا گیا تھا. ہم کھانے میں سے بعض چیزیں پھینکتے تھے گوہ اسے اٹھا کر کھاتی تھی. آہنی جال کے ایک بڑے سوراخ میں ایک گوہ اندر آئی اور ھمارے ہاتھوں سے کھانے لگی. سامنے سمندر میں نگرانی کرنے والی کشتی بھی چل رہی تھی اور دو بار ھم نے فاصلے پر بحری بیڑہ بھی دیکھا جو جزیرے کے قریب سے گزر گیا. یہ تفریحی سہولت بہت کم عرصے کے لئے تھا جس میں کسی کو ایک بار اور کسی کو دو بار موقع ملا اور پھر ختم کر دیا گیا. ھماری رہائی کے بعد اب پتہ نہیں کہ یہ سہولت قیدیوں کو حاصل ہے یا بدستور ختم کر دی گئی ہے؟.

خفیہ کیمپ

کہا جاتا ہے کہ ایک خفیہ کیمپ بھی ہے جس میں القاعدہ کے اھم ترین آفراد وشخصیات کو قید کر دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ کافی تشدد کیا جا رہا ہے. انھیں نماز کی ادائیگی کی اجازت نہیں کالے کپڑے انھیں

پہنائے گئے ہیں اوران پرطرح طرح کا تشدد روا رکھا جاتا ہے. ابوز بیدہ، خالد شیخ اور دیگر کئی اھم افراد جن کی گرفتاری کی خبریں آئی ہیں اورامریکیوں نے بھی کہا ہے کہ ہم نے انھیں گرفتار کیا ہے مگران میں سے کسی کو بھی گوانتانا مو کے عام کیمپوں میں نہیں رکھا گیا ہے. کہا جاتا ہے کہ گوانتانا موسمیت دنیا کے دیگر کئی علاقوں میں امریکیوں نے خفیہ جیلیں بنائیں ہیں جہاں قیدیوں کو سخت ترین تشدد سے گزارا جاتا ہے. یہ باتیں ریڈ کراس کے اہل کاروں اورفوجیوں وتفتیشی افسران کی زبانی بھی سنی گئی ہیں.

برزخ کا عالم

گوانتانا موجیل کی زندگی عالم برزخ (قبر) کی زندگی سے بدتر ہے. یہ اس لئے کہ یہ قیدی نہ زندہ ہیں اور نہ ہی مردہ. مردہ اس لئے نہیں کہ ان میں روح ہے اور یہ ابھی آخرت کی جانب نہیں گئے اور زندہ اس لئے نہیں کہ انسانی زندگی کے تمام حقوق سے محروم ہیں زندہ انسانوں کی دنیا سے نہ توان کا کوئی رابطہ ہے اور نہ ہی انکی کوئی خبر رکھتے ہیں. وہاں نہ تو کوئی روز نامہ ہے. نہ ریڈیو.. نہ تو کوئی ٹیلی ویژن ہے اور نہ کوئی رسالہ، نہ ہی جدید میڈیا نہ انسانی تحریریں اور نہ ہی کوئی صحافی یا خبر رساں ادارے کی کوئی رسائی ہے. نہ ہی اپنے عزیز و اقارب، دوستوں اورھم وطنوں سے یا پھر امریکی فوجی اہل کاروں اور انٹیلی جنس اداروں کے تفتیش کاروں کے علاوہ دنیا کے کسی حصے کے کسی انسان سے ملاقات کی کوئی راہ. نہ تو قیدی کی فریاد کوئی سنتا ہے اور نہ ہی باقی دنیا قیدیوں کے حالات کا علم رکھتی ہے. وہاں امریکی انٹیلی جینس ادارے اپنے فوجیوں پر بھی اعتماد نہیں رکھتے فوجی ہمیں بتاتے تھے کہ جب وہ قیدیوں کے کیمپ آتے ہیں تو کئی جگہ ان کی اتنی سخت تلاشی لی جاتی ہے کہ ان کی وردی اتاری جاتی ہے، ان کا منہ کھلوایا جاتا ہے اور شرمگاہوں تک کا جائزہ لیا جاتا ہے اور جب قیدیوں کے کیمپ سے واپس جاتے ہیں تو پھر بھی اس سخت تلاشی سے گزرنا پڑتا ہے. اور ایسا صرف اس خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ کہیں قیدی کو کوئی خبر یا پیغام نہ آئے اور نہ ہی قیدیوں کے پیغامات اور حالات باھر کی دنیا کو پہنچے.

مگران تمام تر پابندیوں اور سختیوں کے باوجود ھم کبھی کبھی بعض حالات سے باخبر ہو جاتے اور تفتیشی افسران اس بات پر حیران ہو جاتے. اور وہ اس طرح کے جب نئے قیدی لائے جاتے ان کی انفرادی قید کے دن پورے ہو جاتے اور انھیں پنجروں میں لایا جاتا تو وہ بعض حالات وواقعات سے ہمیں باخبر کر دیتے تھے. اور پھر یہ صورت حال ہم با آواز بلند بتا دیتے اور ایک بلاک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے بلاک تک پہنچ

جاتی اور پورا کیمپ باخبر ہو جاتا. ایک کیمپ سے قیدیوں کے دوسرے کیمپ منتقلی کی وجہ سے بھی اور مریض قیدیوں کے دوسرے کیمپ منتقلی کی وجہ سے بھی اور مریض قیدیوں کے ہسپتال میں ایک دوسرے سے ملاقات کے دوران بھی وہ آپس میں اطلاعات اور معلومات کا تبادلہ کرتے. اور یوں حالات سے واقفیت ہو جاتی. اور وہ بات جو امریکیوں کے مفاد میں ہوتی تو اس کا ذکر فوجی اور تفتیش افسران بھی کرتے مثلاً صدام حسین کی گرفتاری اور ایسے دیگر واقعات... کبھی کبھی ریڈ کراس کے اہل کار کے توسط سے بھی بعض باتوں کا علم ہو جاتا. تاھم ریڈ کراس کے اہل کار بھی ہمیں کسی واقع یا حالات کے بارے میں نہیں بتاتے تھے اور اگر ہم ان سے پوچھتے تو ان کا اکثر ایک ہی جواب ہوتا کہ ھمیں علم نہیں یا ھمیں اجازت نہیں. اکثر جھوٹ بولتے اور تفتیشی افسران بھی بعض اوقات خاص مقاصد کے لئے بعض جھوٹی باتیں مشہور کرا دیتے.

گوانتانامو میں سورج کا عجیب دورانیہ

گوانتانامو جیل مکمل پنجرے ہیں چنانچہ اس لئے بیرونی زمین آسمان، سورج، چاند اور ستارے دکھائی دیتے ہیں میں دھوپ، چھاؤں کا جائزہ لیتا تھا. گرمیوں کے موسم میں بعض دن ایسے آتے تھے جس میں سورج کا سایہ دن میں تین بار تبدیل ہوتا. مشرقی ممالک میں دھوپ کی چھاؤں دن میں دو بار تبدیل ہوتی ہے پہلی بار جب صبح سورج طلوع ہوتا ہے تو سایہ مغربی جانب ہوتا ہے اور جب استواء کا وقت ہوتا ہے سایہ ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے تو سورج کا زوال شروع ہونے کے ساتھ سایہ مغرب کی بجائے مشرقی جانب ہوتا ہے اور سورج کے غروب ہونے تک مشرقی جانب ہوتا ہے. یعنی دوپہر سے پہلے مغرب کی جانب اور دوپہر کی بعد مشرق کی جانب جبکہ جنوبی دیوار کا سایہ ہمیشہ شمال کی جانب ہوتا ہے مگر گوانتانامو کے جزیرہ میں گرمیوں کے موسم میں چھاؤں دن میں تین بار تبدیل ہوتی ہے. صبح طلوع آفتاب کے بعد جنوبی دیوار کا سایہ جنوب کی جانب پڑتا ہے. زوال کے بعد شمال کی جانب پڑتا ہے اور سہ پہر میں پھر جنوب کی جانب پڑتا ہے. البتہ سال کے باقی موسموں میں ایسا نہیں ہوتا اور پھر سایہ مشرقی ممالک کی طرح پڑتا ہے.

مچھر اور گرمی

جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں گوانتانامو کا جزیرہ خط استواء کے بہت قریب ہے اس لئے یہاں گرمی زیادہ ہے. قیدی آہنی پنجروں میں رہتے ہیں لوہے کی گرمی، تپش اور دھوپ کے انعکاس کے باعث گرمی

مزید بڑھتی ہے اور پھر پنجروں میں پنکھوں کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے. ہر بلاک کے سرے پر فوجی پہرہ دار ہوتے ہیں جن کے لئے پنکھے لگے ہوتے ہیں مگر قیدیوں کے پنجروں میں پنکھے نہیں ہیں لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ قیدیوں کو اتنی گرمی نہیں لگتی تھی جتنی فوجیوں کو لگتی تھی. فوجی گرمی سے بہت تنگ تھے. اور خود پر وردی سمیت پانی ڈالتے تھے. اس کا سبب شاید یہ تھا کہ فوجی زیادہ کھانا کھاتے تھے اور ہر وقت سیر ہوتے تھے جبکہ قیدیوں کو کھانا کم دیا جاتا ہے اور وہ اکثر بھوکے رہتے تھے اس لئے انھیں گرمی کم لگتی تھی. اگرچہ امریکی ایسا قیدیوں کو نفسیاتی تشدد دینے کے لئے کرتے تھے مگر ان کا یہ عمل قیدیوں کے لئے اللہ تعالی کی جانب سے بہتری میں تبدیل ہوا. اگر امریکی فوجی یہ نکتہ سمجھ لیتے تو وہ لازماً قیدیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتے تاکہ انھیں گرمی لگے تاھم اس کے باوجود بعض قیدی گرمی کی شدت کے باعث اپنی قمیض اتار لیتے تھے. مچھر وہاں تین قسم کے تھے ایک قسم بہت چھوٹے اور انتہائی کالے رنگ کے تھے جو انسانی چہرے کے قریب بڑی تعداد میں متحرک رہتے. اور کسی صورت دور رہنے کا نام نہیں لیتے تھے. یہاں تک کہ کھانے میں گرتے. منہ میں داخل ہوتے اور کئی بار قیدیوں کے حلق سے اترے. دوسری قسم ملیریا کے مچھر تھے اور وہ بھی زیادہ تھے جن کے کاٹنے سے کئی قیدی ملریا بخار میں مبتلا تھے جبکہ بعض مریض یرقان اور ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا تھے. تیسری قسم سبز آنکھوں والے مچھر تھے وہ بدن پر جہاں بیٹھ جاتے تھے وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیتے اور ھم انھیں مار دیتے. قیدی ان مچھروں سے بہت سخت تنگ ہوتے امریکی فوجی اپنے جسموں پر دوا ملتے اس لئے ان کے لئے کوئی مشکل نہیں تھی پھر بھی بعض اوقات فوجی بھی ان مچھروں کی شکایت کرتے. جس کے بعد کیمپ کے ارد گرد مچھر مار دوا کا دھواں چھوڑا جاتا. جس سے مچھر ذرا کم ہو جاتے. قیدیوں کی شکایت پر کوئی کان نہیں دھرتا تھا امریکی فوجیوں کی رہائش اور قیدیوں کے کیمپوں کے مابین کافی فاصلہ تھا جن کے درمیان کئی چٹانیں حائل تھیں. ان کے رہائشی علاقوں میں مچھر مار دوا مسلسل چھوڑنے کے باعث وہاں مچھر نہیں تھے اور فوجی بھی یہی کہتے کہ جب ھم کیمپ آجاتے ہیں تو یہاں مچھروں سے تنگ آتے ہیں. ھمارے رہائشی علاقے میں مچھر نہیں.

گوانتاناموکا لباس

گوانتانامو کے پنجروں میں قیدیوں کا لباس نارنجی رنگ کا تھا ایک پتلون اور ایک ٹی شرٹ. ایک جالی دار ٹوپی اور پلاسٹک کی چپل قیدیوں کا لباس تھا. کپڑے قیدیوں کے جسم کے مطابق نہیں تھے بعض اوقات

اونچے موٹے شخص کا لباس مختصر اور تنگ ہوتا تھا اور پست قد دبلے شخص کا لباس کھلا اور لمبا ہوتا تھا. ایک کپڑوں کی تنگی سے پریشان ہوتا اور دوسرا کپڑوں کی فراخی سے ہفتے میں ایک بار کپڑے تبدیل کروائے جاتے تھے پھر بھی بعض قیدی فوجیوں کی دھلائی پر اکتفا نہیں کرتے تھے اور پنجرے میں خود باری باری شرٹ اور پتلون دھوتے تھے. چوتھے کیمپ میں بھی اسی طرح تھا تاھم وہاں کپڑوں کا رنگ سفید تھا اور ایک اضافی جوڑا بھی وہاں دیا جاتا تھا. پانچویں کیمپ کے لباس کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ اس کا رنگ کونسا ہے؟ مگر کہا جاتا تھا کہ وہ بھی پنجروں کی طرح نارنجی رنگ ہے.

قیدیوں کا کھانا پینا

گوانتانامو میں چند ماہ تک ہمیں پلاسٹک بیگز میں پیک شدہ تیار خوراک (M.R.E) Meal Ready to Eat دیا جاتا تھا جو امریکی فوجیوں کا سفری کھانا ہے. البتہ گوشت اس میں نکالتے تھے کیونکہ وہ حرام گوشت ہوتا تھا اور ھم اسے نہیں کھاتے تھے ان پلاسٹک بیگز سے کھانا گرم کرنے کا مادہ بھی اس خوف سے نکال کر ہٹاتے تھے کہ کہیں قیدی انھیں اسلحہ کے طور پر استعمال نہ کریں. بعض دیگر چیزیں اس لئے نکالتے تھے کہ وہ اچھی چیزیں قیدیوں کو کھلانا نہیں چاہتے تھے. ایک خشک نان اور ایک لفافہ جس میں کبھی مکرونی کبھی سموسہ کی طرح آٹے سے پکی ہوئی چیزیں جسے اکثر قیدی نہیں کھاتے تھے. مونگ پھلی سے تیار کردہ ایک طرح کا حلوہ اور ایک چھوٹا سا کیک ہوتا تھا وہ چیزیں جنہیں گرم کیا جانا ہوتا وہ بھی ھمیں ٹھنڈی دی جاتیں. بعد میں پھر گرم خوراک دینا شروع ہوئی تاہم وہ کم مقدار میں ملتی تھی. بس اتنا ہوتا تھا کہ قیدی بھوکا بھی رہے اور بھوک سے مرے بھی نہیں. ڈسپوزبل پلیٹ میں اتنے چاول جتنے ایک مرغی کے سامنے رکھے جاتے ہیں. وہ بھی صحیح طرح سے پکائے ہوئے نہیں ہوتے تھے پلیٹ میں ڈالتے وقت یوں لگتا تھا جیسے ریت ڈالی جارہی ہو. میں گولف بلاک کے پہلے پنجرے میں تھا. میرے پنجرے کے قریب فوجی پلیٹوں میں کھانا ڈالتے تھے اور میں سب کچھ دیکھتا تھا کبھی چاول کے ساتھ اُبلے ہوئے آلو (چھلکے سمیت) کبھی اُبلا ہوا مچھلی کا چھوٹا سا پیس ہوتا تھا کہ جس سے بدبو آتی تھی اس پر نہ تو نمک ہوتا تھا، نہ مصالحہ اور نہ ہی گھی. کچھ عرصہ بعد ہفتے میں ایک بار چکن پیس میں سینہ دیا جاتا تھا. چکن کا لیگ پیس اس لئے نہیں دیا جاتا تھا کہ کہیں قیدی اسے اسلحہ کے طور پر استعمال نہ کریں. آخری سال ہفتے میں کوفتے کا ایک چھوٹا پیس بھی دیا جاتا تھا. مکئی کے اُبلے ہوئے دانے، کبھی اُبلے ہوئے مٹر اور گاجر،

کبھی کچی گوبھی، کبھی مکرونی اور کبھی اُبلی ہوئی ساگ اور کبھی کوئی اور چیز. پنجروں میں بہت کم خوراک دی جاتی تھی البتہ چوتھے کیمپ میں نوعیت یہی اور مقدار زیادتھی وہاں قیدی بھوکے نہیں رہتے تھے اور وہاں کھانے کے ساتھ کبھی ایک کیلا، یا سیب یا مالٹا یا ناشپاتی وغیرہ بھی ملتی تھی. ابتدائی دنوں میں ایک ایک آلو بخارا اور ڈبل روٹی کے دو ٹکڑے بھی دیئے جاتے تھے جن سے ایک نوالہ بنتا تھا. صبح ناشتے میں ایک چھوٹے سے ڈسپوزبل کپ میں دودھ دیا جاتا تھا جس سے بدبو آتی تھی قیدی اسے نہیں پیتے تھے. کہا جاتا تھا کہ فوجی اس میں شیمپو ملاتے ہیں. آخری سال پھر دودھ کی کوالٹی بہتر ہوئی. ایک کپ کالی چائے اور ابلا ہوا انڈہ بھی دیا جاتا تھا. کبھی کبھی پاؤڈر کا انڈہ پانی میں پکا ہوا. کبھی کبھی ایک پکوڑہ کباب کی طرح کا اور چاول وغیرہ. ابتدائی سالوں میں نمک نہیں تھا پھر آخری سال نمک کے پیکٹ بھی دیئے گئے. پنجروں میں نمک کا ایک ایک پیکٹ اور چوتھے کیمپ میں ضرورت کے مطابق دیا جاتا تھا. پاکستانیوں اور بعض دیگر قیدیوں کے تقاضے پر بعد میں چوتھے کیمپ میں قیدیوں کو کبھی کبھی سرخ مرچ کی چٹنی بھی پیکٹ بند ملنے لگی جو مجھے بہت پسند تھی. آخری سال صبح ناشتے میں کرونچ کے پیکٹ بھی ملتے تھے. کبھی کبھی صبح مکھن کی ٹکیہ بھی دی جاتی تھی جو بعد میں بند ہوگئی. کھانے کی جو چیز قیدیوں کو پسند آتی اسے جلدی تبدیل یا بند کردیتے تھے اور جو پسند نہ آتا تھا اس کی فراہمی جاری رکھتے.

مچھلی میں کیڑے بھی نکل آئے تھے ہمارے بلاک میں مدینہ منورہ کا باشندہ یوسف المدنی تھا اس کی پلیٹ میں کیڑا نکلا اس نے فوجیوں کو بھی دکھایا اور دیگر قیدیوں نے بھی دیکھا. اس طرح چوتھے کیمپ میں کرونچ کے پیکٹ میں بھی کیڑے نکلے تھے. وہ کرونچ پرانا تھا اور اس کی ایکسپائری ڈیٹ گزر گئی تھی. پنجروں میں بہت کم خوراک دی جاتی تھی. لیما بلاک میں میرے سامنے والے پنجرے میں ایک افغان نوجوان قیدی تھا. میں نے دیکھا کہ ہلمند باغران سے تعلق رکھنے والا یہ قیدی بھوک مٹانے کے لئے مالٹوں کے چھلکے کھاتا تھا. ایک اور قیدی نے پنجرے کا آہنی فرش صاف کیا تھا جب فوجی اسے کھانا دیتے تو کبھی کبھی وہ قصداً صاف فرش پر کھانا گرادیتا اور فوجیوں کو خالی پلیٹ فوری واپس دے کر کہتا کہ کھانا گر گیا. فوجی جب مزید کھانا لینے جاتا تو وہ فرش پر گرایا ہوا کھانا کھالیتا تھا.

قیدیوں کا علاج اور ادویات

قیدیوں کی ادویات نہ ہونے کے برابر تھیں. ابتدائی دنوں میں تقریباً سب قیدیوں کو ٹی بی کے علاج

کا مکمل کورس دیا گیا تھا جو ایک سال تک جاری رہا. بعض قیدیوں کو ان ادویات کے کھانے سے مزید امراض لاحق ہوئیں. بعض فوجی ہمیں کہتے تھے کہ یہ ادویات قیدیوں کو اس خوف سے کھلائی جاتی ہیں کہ کہیں ان میں یہ مرض نہ ہو اور قیدیوں سے فوجیوں کو نہ لگ جائے. قیدی اگر بیمار ہو جاتا تو سک کال کے نام پر فوجی کو بتایا جاتا. بیمار کے بارے میں فوری نہیں پوچھا جاتا اور بعض اوقات ہفتوں اور مہینوں بعد اس کی حالت ابتر ہو جاتی تب اسے ڈسپنسری لے جایا جاتا اور اتنی دوائی دی جاتی کہ قیدی نہ مرے اور نہ صحت یاب ہو. جب کوئی بیمار ہو جاتا تو کوشش یہ کی جاتی کہ اسے نظر انداز کیا جائے اور اسے ادویات نہ دی جائے. ویکسین قیدیوں کو زبردستی لگوائی جاتی تھی اور فوجی جنھیں ابتدائی سالوں میں یہ گمان نہیں تھا کہ یہ قیدی رہا بھی ہوں گے تو وہ ہمیں بتاتے تھے کہ پہلے وہ ویکسین کے تجربے چوہوں اور حیوانات پر کرتے تھے مگر اب ویکسین کے تجربے تم لوگوں پر کئے جاتے ہیں کیونکہ تم جانوروں سے بھی بدتر ہو. نوآموز ڈاکٹر اور نرس آ کر عملی تجربہ قیدیوں پر کرتے. قیدی جب ڈسپنسری لے جایا جاتا تو اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں ہوتیں اور وہ چارپائی کے ساتھ بندھا ہوتا اس کے گرد پردہ لگا ہوتا اور دوسرے مریضوں کے ساتھ گفتگو کی اجازت نہ ہوتی. تاہم بعض قیدی بالخصوص عرب قیدی اس پابندی کا لحاظ نہ رکھتے اور بڑی جرأت اور دلیری کے ساتھ باآواز بلند دوسرے مریضوں سے باتیں کرتے اور یوں دیگر کیمپوں اور بلاکس کے احوال سے باخبر رہتے تاہم کبھی کبھی انھیں اسی جرم کی پاداش میں بغیر علاج معالجہ کے واپس بلاک میں بھجوا دیا جاتا.

ڈاکٹر ڈسپینسری میں قیدی مریض کا معائنہ کرتا تو یا تو مریض کو ہسپتال یا پھر واپس بلاک بھجوا دیتا میڈیسن تجویز کر کے لکھ دیتا. چند دن بعد خواتین نرسیں ادویات لے آتیں. اکثر اوقات نصف شب ادویات لائی جاتیں اور قیدیوں کو ادویہ کے نام پر نیند سے جگا دیتے. جب میڈیسن لائی جاتی تو قیدی مریض پر لازم تھا کہ وہ پہلے پانی اٹھا کر لائے اور نرس کے سامنے دوا لے. دوا کھانے کے بعد نرس کے سامنے منہ کھولتا کہ وہ دیکھے دوا کھائی ہے یا نہیں؟. درد کی ٹیبلٹ ڈسپرین بعض قیدیوں کو مہینوں سالوں تک دی جاتی اور یہ نہ دیکھا جاتا کہ مریض بھوکا ہے یا کھانا کھا چکا ہے؟ درد کی زیادہ گولیاں کھانے سے بعض قیدیوں کو پیٹ میں زخم کا عارضہ لاحق ہوا مگر وہ مریض قیدی مجبور تھے کہ درد کی گولیاں کھائیں. ایک افغان قیدی جو امریکی بمباری میں سخت زخمی ہوا تھا. باگرام میں بھی بغیر علاج کے پڑا رہا. اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی اور اسی حالت میں گوانتانامو لایا گیا تھا. قیدی تنہائی میں دو ماہ تک بغیر کسی علاج پڑا رہا. یہاں تک کہ اس کے پاؤں کی سوجھن بہت بڑھ گئی.

اس سے پیپ نکلنا شروع ہوئی تو تب کہیں جا کر ڈسپنسری لے جایا گیا. اس کا کئی بار آپریشن کیا گیا مگر ناکام رہا. بعض سخت بیمار دعا، دم اور درود کے ذریعے اللہ تعالی نے صحت یاب کیئے. ایکسرے اور خون کے نمونے لیبارٹری ٹیسٹ کے لئے اکثر لئے جاتے مگر ان کے مطابق مناسب ادویات نہیں دی جاتی تھیں. میں خود بھی سخت بیمار تھا عرق النساء کا درد تھا خون کے سرخ خلیے اور وزن کم ہوتا رہا. میرا ۲۵ کلوگرام وزن کم ہوا تھا. پچیس تیس مرتبہ میرا ایکسرے نکالا گیا. ۵ بار الٹرا ساؤنڈ بھی کیا گیا مگر علاج معالجہ نہیں تھا. صرف خشک تجربے تھے جو مجھ پر کئے جا رہے تھے. بالآخر مجھے کہا گیا کہ تمہارے غدود اندر ہی اندر تمہارے خون کے سرخ خلیات جلاتے رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ تکلیف ہو رہی ہے. ہوسکتا ہے کہ آپریشن سے ٹھیک ہو اس کے لئے دو آپریشن کریں گے دونوں آپریشن سات دن کے وقفے سے ہوں گے. میں نے بادل ناخواستہ رضامندی ظاہر کی ایک بار مجھے آپریشن کے لئے کیمپ ہسپتال میں لے گئے. تاھم کل اطلاع دی کہ آپریشن ملتوی ہو گیا. میرے دانت صاف کر کے ان کا خلا بھر دیا گیا اور واپس مجھے بلاک لایا گیا. چند دن بعد پھر مجھے ہسپتال بلایا گیا جہاں چارپائی کے ساتھ بندھی ہوئی حالت میں رات گزاری. اگلے دن مجھے زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھے اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی حالت میں ایمبولینس میں بٹھایا گیا اور امریکی بحری فوج کے اس بڑے ہسپتال لے جایا گیا جہاں اس سے قبل کئی بار مجھے کھلی آنکھوں سے لے جایا گیا تھا. وہاں دن کے ایک بجے ڈاکٹرز آئے میرے کپڑے تبدیل کروائے گئے اور آپریشن تھیٹر لے گئے. کچھ دیر بعد جب ہوش میں آیا تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ ہم نے ایک غدود نکال دیا دوسرا ایک ہفتے بعد نکالیں گے. اس روز اس ہسپتال میں میرے ساتھ طالبان کا گورنر مولانا ولی محمد بھی لایا گیا تھا. اس کو پھیپھڑوں کا سرطان تھا. اسی خاتون ڈاکٹر نے اس کا ناکام آپریشن کیا. وہ پردے کے دوسری جانب تھا اور اسے پتہ چلا تھا کہ میں بھی ادھر ہوں. اس نے بلند آواز سے مجھے آوازیں دیں مگر افسوس کہ میں اس کی آواز کا جواب نہیں دے سکتا تھا میرا منہ بند تھا. اگلے روز مجھے واپس کیمپ ھسپتال میں بھجوایا گیا. جہاں اٹھ دن پڑا رہا پھر واپس بلاک بھجوایا گیا آپریشن کے بعد کوئی دوائی نہیں تھی. پانی زیادہ پیتا تھا اور خود پر دم پھونکتا تھا. زخم سے پٹی بھی خود ہٹائی. اس آپریشن کے بعد میری آواز بیٹھ گئی تھی اور میں اشاروں سے باتیں کرتا تھا. استاد بدر کے ساتھ کان میں بات کرتا تھا. ایک ہفتہ بعد پھر مجھے ہسپتال لے جایا گیا مجھے بتایا گیا کہ دوسرا آپریشن کر رہے ہیں. میں نے انکار کیا تو ڈاکٹر بڑی خفا ہوئی. کبھی کہتی کہ تمہارا کینسر ہے اور اگر یہ آپریشن نہیں کیا تو مر جاؤ گے یہ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے اسے کہا کہ اس آپریشن سے میں سخت تکلیف میں مبتلا ہوا اور میری

آواز بھی بیٹھ گئی اس لئے دوسرا آپریشن نہیں کرتا.

پوچھ گچھ اور تفتیش کے دوران بھی تفتیشی افسران نے مجھ سے اور استاد بدر سے یہ بھی پوچھا کہ اپریشن کیوں نہیں کرتے؟ میں نے انکار کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے بارے میں بدگمان ہے میں نے کہا کہ مجھے شک نہیں بلکہ پورا یقین ہے کہ آپ اچھے لوگ نہیں ہیں اور آپ لوگوں کی وجہ سے مجھے سخت نقصان پہنچا. مجھے وہاں ایک افغانی ڈاکٹر علی شاہ نے بتایا تھا کہ تمہاری آواز کی نالی ایک جانب سے کاٹ دی گئی ہے. کیمپ کے سارے قیدی بھی اس پر سخت رنجیدہ تھے اور مجھے دعائیں دیتے تھے. کہتے تھے کہ تم کبھی کبھار درس دیتے تھے اس لئے انھوں نے تمہاری آواز بند کر دی. اب جب میں واپس پشاور آیا اور سپیشلسٹ ڈاکٹروں سے معائنہ کروایا تو انھوں نے بتایا کہ ایک جانب سے تمہاری آواز کی نالی جان بوجھ کر کاٹی گئی ہے اور اگر دوسری جانب سے بھی کاٹی جاتی تو تم ہمیشہ کے لئے گونگے بن جاتے. اور دوسری بات یہ کہ کیلشم بنانے والے غدود بھی نکال دیے ہیں. اس لئے اب ساری عمر ادویات کھاؤ گے اور اب میں مسلسل ادویات استعمال کرتا ہوں. میں پٹھوں کی کمزوری اور بعض دیگر تکالیف میں بھی مبتلا ہوا ہوں. وہاں گوانتانامو میں پانچ مہینے بعد رفتہ رفتہ میری آواز درست ہوئی مگر اب بھی اونچی آواز سے نہیں بول سکتا.

گوانتانامو کی عیدیں

قید میں ھماری پہلی عید ۱۴۲۱ھ، ق کی عید الفطر تھی یہ عید ھمارے گھر پہ غم واندوہ اور اندیشوں کی عید تھی یہ عید ھم پر آئی ایس آئی کے پشاور شامی روڈ کے دفاتر کے خفیہ جیلوں میں گزرا. میں اور استاد بدر الگ الگ کوٹھڑیوں میں پڑے تھے. اور عید کا کوئی نشان نہیں تھا. بس اتنا تھا کہ ھم نے روزہ کھول دیا تھا باقی نہ تو ھمیں گھر کا پتہ تھا کہ کیا گزر رہی ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کے بارے میں جانتے تھے. بلکہ اسی روز بھی آئی ایس آئی کے مجرم اپنی عیاشیوں میں مست تھے. ھم نے زندان کی تاریکیوں میں دکھ، درد، برداشت اور اندیشوں کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور سوچوں فکروں کے جھولے میں جھول رہے تھے. ایک ایسا گونگی، بہری اور اندھی عید تھی کہ نہ کسی نے ھمیں مبارک باد دی اور نہ ھم نے کسی کو مبارک باد کہا. تاھم خوش قسمتی یہ تھی کہ اللہ تعالی سے ہمارا رابطہ قائم تھا. قرآن کریم کی تلاوت، ذکر اور عبادت میں مشغول تھے اس لئے سب کچھ آسانی سے برداشت کر رہے تھے. اسی سال بقرعید باگرام کے امریکی جیل میں گزری وہاں کانٹا تار کے مابین کانٹوں کی عید تھی جو ھمارے سینوں

میں پوشیدہ خاموشی سے گزر گئی.

باقی چھ عیدیں ھم نے گوانتانامو کی جیل میں گزاری مگر وہ عید آئی ایس آئی کے عقوبت خانوں اور باگرام جیل سے بہت اچھی تھیں. اور وہ اس لئے اچھی تھیں کہ ھم دیگر قیدیوں کو دیکھ سکتے تھے اور ایک دوسرے کو مبارک باد دے سکتے تھے. باقی وہاں بھی نہ تو عیدگاہ تھی اور نہ ہی نئے کپڑے. نہ ہی اپنے عزیزوں دوستوں کے ہاں آنا جانا نہ ہی وہاں عید کے کھانے تھے نہ حجرہ اور نہ ہی مسجد. نہ تو پیارے خوبصورت بچوں کی باتیں اور شور تھا اور نہ ہی کسی قسم کی خوشی. پہلی عیدالفطر میں بزدل امریکیوں نے قصداً عمداً دوپہر کا کھانا بھی نہیں دیا اور یہ اس لئے کہ وہ ھمیں ذہنی ونفسیاتی سزا دینا چاہتے تھے. مگر الحمدللہ عید اچھی گزری. ایک دوسرے کو مبارکباد دی. گھروں میں گزری عیدوں کے واقعات سنتے سناتے رہے اور ترانے، وعظ ونصیحت اور ذھنی مقابلے کرتے. عیدالفطر کے بعد عیدالاضحیٰ پر عام دنوں جیسا کھانا ھمیں دیا گیا اس کے علاوہ کوئی خصوصی خوراک نہیں دی تاھم بعد کے سالوں میں عید کے روز خصوصی طور پر تیار کردہ میٹھا کھانا ھمیں دیا جاتا. میں نہیں کھاتا تھا اور اپنا حصہ آہنی جال سے ساتھ والے قیدی کو دے دیتا.

عید کے موقع پر کہے گئے اشعار کے بعض نمونے یہ ہیں.

گوانتانامو جیل کی عید

کسی کے لئے عید طعنوں اور شرمساری کی عید ہے
عید ھمارے لئے بڑائی اور افتخار کی عید ہے

جن لوگوں نے عید کی آمد کی راہ بیچ دی ہے
آج ان کی عید شرم اور عار کی عید ہے

ہم مرد ہیں ڈالی نہیں ہاتھوں میں چوڑیاں
ہماری عید زنجیروں کی جھنکار کی عید ہے

یہ بیڑیاں فولادی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے
ھمارے ارادے فولادی ہیں اور ھماری عید بے غبار ہے

جو ھماری جرأت وشجاعت کی ترجمانی کرتی ہے

یہ عیدؑ عیدوں کے باپ کی مانند ہے
ہماری سوچ کو تو کوئی قید کر سکتا نہیں
ھم تو آزاد ہیں آزادی کی عید بار بار کی عید ہے
گوانتانامو کے پنجروں میں اے نارنجی شیروں؟
آپ کی عید حقیقت اور اعتبار کی عید ہے
پورا رمضان نماز و عبادت میں گزار دی
آپ کی عید ثواب کے اقرار کی عید ہے
دوست کہتے ہیں مبارک ہو بار بار مبارک ہو
آثار بتارہے ہیں یہ عید انتظار کی عید ہے

الا یا عید

مضی شهر الصیام اتی شوال   بلاعید اتی وکذا یقال
قلوب مزقت بنصال ظلم   ونار اضرمت واتت نبال
الایاعید ما احوال بیت   ینادی سائلا این الرجال
اب حی وایتام وثکلی   علی اکتافهم حملت جبال
الایاعید فارجع حیث شئت   هناهم وغم وابتذال
هنالا یعرفونک یاحبیبی   فمهلاها ضیافتک المحال
وعفوا من هنالک ینکرونک   هناسجن هنالک فاحتلال
هناشوک ودمع بالعیون   هنالک فانفعال یاحلال

۲۸/۹/۱۴۲۵ھجری، قمری.

☆☆☆

قیدیوں کا دوران قید اطمینان

قیدی سخت پابندیوں، تشدد اور دباؤ کے ساتھ ساتھ الحمدللہ بہت مطمئن ہیں ایک دوسرے کو حوصلے اور اطمینان کی تلقین کرتے ہیں. آپس میں ہنسی مزاق بھی کرتے ہیں قریبی افراد سے باتیں کرتے ہیں. ایک دوسرے کے رسم ورواج اور اقدار اور ملکوں کے حالات سے خود کو آگاہ کرتے ہیں، شعر وشاعری کرتے ہیں اور طنز ومزاح کرتے ہیں. ترانے پڑھتے ہیں اور مختلف علوم کی تعلیم ہوتی ہے. علماء سے دینی معاملات میں استفسارات کرتے ہیں قرآن کریم حفظ کرتے ہیں. اکثر قیدیوں نے قرآن پاک حفظ کرلیا کئی قیدیوں نے ناظرہ قرآن پڑھا. اگرچہ امریکی وعظ ونصیحت اور درس پسند نہیں کرتے مگر قیدی اس کی پرواہ نہیں کرتے. میں نے خود کئی بار مختلف بلاکس میں قرآن کریم کی تفسیر، فقہ وعقیدہ کے مسائل، اصول حدیث، صرف ونحو کے درس دیئے. جب یہ درس ایک حد تک پہنچ جاتے تو درس سے روکنے کے لئے مجھے دوسرے بلاک میں منتقل کردیتے. کئی بار تفتیش کے دوران مجھے کہا گیا کہ تم درس کیوں دیتے ہو؟ استاد بدر کو بھی کئی بار کہا گیا کہ تمہارا بھائی درس کیوں دیتا ہے؟

کئی ایسے قیدی تھے جو قید سے پہلے دینی امور کی انجام دہی میں سست روی کا شکار تھے مگر جیل میں وہ دین پر ایسے قائم ہوئے کہ ہر رات تہجد کے لئے بھی اٹھتے تھے. نفلی روزے بھی رکھتے تھے اور دینی فہم وعلم سیکھتے تھے. کئی ایسے تھے جو جیل سے قبل کئی عقیدوی مسائل سے واقف نہیں تھے مگر وہاں ان میں مکمل تبدیلی آئی. یہاں تک کے بعض قیدیوں نے علماء سے عقیدے کے حوالے سے تمام متن یاد کئے. بعض نے تجوید، صرف، نحو، اصول حدیث اور اصول فقہ کے مختصر متن یاد کئے. اکثر نے عربی زبان سیکھ لی. مختصر یہ کہ امریکیوں کی جانب سے تمام تر پابندیوں، اور جیل وپنجروں کی سختیوں کے باوجود اللہ تعالی نے جیل کو قیدیوں کے لئے مدرسے میں تبدیل کردیا. اللہ تعالی کے ساتھ رابطہ مضبوط ہوا صبح وشام سمیت دیگر مسنون دعائیں اور اذکار قیدیوں نے یاد کئے اور ان کی عملی زندگی کا حصہ بن گئے. دلوں میں صبر، حلم، تحمل، برداشت اور حوصلہ پیدا ہوا جرأت، متانت، ثبات، مردانگی حوصلہ مندی اور استقامت ملی، تجربوں کے پر پیچ پڑاؤ کا خاتمہ ہوا اور زندگانی کی زندہ دلی کی اس سیڑھی پر اوپر چڑھے جس کی ہر سیڑھی تاریخ کا ایک ایک الگ باب ہے.

قیدیوں کی جرأت اور حوصلے

گوانتانا موجیل کے پنجروں میں اللہ تعالی نے قیدیوں کو بلند حوصلہ اور جرات دیا ہوا تھا. بعض فوجی ھمیں کہتے تھے کہ آپ عجیب لوگ ہیں اگر ھمیں کسی نے پنجروں میں بند کیا تو ھم ایک ہفتے میں پاگل ہو جائیں گے مگر آپ لوگ اتنی تلاوت بھی کرتے ہیں عبادت بھی کرتے ہیں باتیں اور ہنسی مذاق بھی کرتے ہیں اور کوئی پریشانی محسوس نہیں کرتے. ھم انھیں کہتے کہ یہ ھمارا کمال نہیں یہ تو اللہ تعالی کے دین کی برکت ہے. اللہ تعالی نے اس دین کی وجہ سے ھمارے حوصلے بلند کئے ہیں جس کی وجہ سے آپ ھمیں مجرم سمجھتے ہیں. اور ھمیں یہاں قید کیا ہوا ہوا ہے. اگر آپ لوگ بھی اسلام قبول کرلیں تو آپ لوگوں کے حوصلے اور عزائم بھی اس طرح بلند ہو جائیں گے. وہاں اللہ تعالی نے ھمارے دلوں میں ایسا اطمینان ڈال دیا تھا جو گھروں میں نہیں ہے.

قیدیوں کی جرأت اور بلند ھمتی کی بعض باتیں مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں. جن کا کچھ ذکر پہلے بھی ہوا ہے. تشدد کے باوجود بعض قیدی ایسے تھے یا بالخصوص عرب قیدی جو تفتیش کے دوران سرے سے جواب نہیں دیتے تھے ایک عرب قیدی نے بندھی ہوئی ہاتھوں کی کہنیوں سے اپنے اور تفتیشی افسر کے درمیان پڑی میز اس کے منہ پر دے ماری جس کے نتیجے میں تفتیشی افسر اور ترجمان کرسیوں سمیت پیچھے کی جانب گر گئے اور نتیجے میں قیدی کو اضافی سزا دی گئی. پنجروں کو بجانا اور فوجیوں و تفتیشی افسروں پر پانی اور پیشاب پھینکنا اور تھوکنا ، احتجاج، مظاہرے کے جواب میں امریکیوں کی طرف سے تشدد، آنسو گیس، مار پیٹ اور سختیوں کو جھیلنا اور بعض ایسے دیگر کام قیدیوں کی جرأت و حوصلے کی مثالیں ہیں. مجھے اور میرے بھائی ہم دونوں کو اللہ تعالی نے یہ توفیق دی کی قرآن کے دفاعی نتیجے میں مظاہرے میں ہم بکتر بند دستوں کے ۱۲ بیل نما موٹے تازے فوجیوں پر چڑھے اور ان کو زمین پر پٹخ کر ان کا مقابلہ کیا. ایک عرب قیدی نے بندھے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں سے چار فوجیوں کو پنجرے میں گھیرے رکھا جن کی تفصیل لکھ دی گئی ہے. الحمد للہ تمام تر تشدد و دباؤ کے باوجود ھم تمام قیدیوں نے اپنے دینی شعار کا سختی سے دفاع کیا اور ظالم فوج کے سامنے کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی بلکہ ان کی جانب سے جس قدر ظلم و تشدد میں اظافہ ہوتا ہم اپنے دین و عقیدے پر اور بھی استقامت اختیار کرتے، جرأت اور حوصلے مزید بلند ہوتے اور عقیدہ مضبوط ہوتا.

گوانتانا موکی نمازیں اور روزے

گوانتانا مو کے پنجروں میں ایک بات اچھی تھی اور وہ یہ کہ ان پنجروں میں پانی کا نلکا لگا تھا اس لئے

وضو بنانے کا کام آسان تھا.نماز پنجروں کے اندر ادا کرتے کیونکہ نماز کی صف بندی کے لئے ھمیں پنجروں سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا.انہی پنجروں میں جو قیدی قبلے کی جانب قریب ہوتا وہ ہمارا امام ہوتا تاھم کبھی کبھی اچھی قرأت اور علم کی بنیاد پر درمیانی پنجرے کا قیدی بھی امام بن جاتا اور باقی قیدی اپنے پنجرے میں کھڑے ہو کر اسی کی اقتداء میں نماز پڑھتے. ہر بلاک میں لاؤڈ سپیکر نصب تھے جن سے کمپیوٹر کے توسط سے آذان دی جاتی. جب تک ابراھیم امریکی اور یوسف چینی دینی امور کے انچارج تھے آذان بروقت دی جاتی تھی مگر جب وہ تبدیل ہوگئے تو پھر فوجی صحیح وقت نہیں پہچانتے تھے کبھی کبھی سورج طلوع ہونے کے بعد بھی آذان دیتے تھے. اور آخری دنوں میں تو پانچوں وقت کی آذان فجر کی آذان کی طرح دی جانے لگی تھی.اور الصلوٰۃ خیر من النوم، کہا جاتا تھا.لیکن ھم ان کی آذان پر تکیہ نہیں کرتے تھے اور ہر بلاک میں قیدی خود بھی آذان دیتے تھے. ہر پنجرے میں لیٹنے کے آہنی تختے پر قبلہ کی نشاندھی کے لئے تیر کا نشان بنا دیا گیا.اور تیر کے آگے انگریزی میں یہ تحریر تھا ساتھ ہی یہ بھی کہ km ۱۲۷۹۳.یعنی بارہ ہزار سات سو تیرانوے کلومیٹر جو مکہ اور گوانتاناموکے درمیان فاصلہ تھا قبلہ شمال مشرق کی جانب تھا.ابتدائی دنوں میں بعض قیدی مغرب کی جانب نماز ادا کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ ھم کسی خلیجی ملک میں ہیں.بعض ناسمجھی کی وجہ سے کہتے تھے کہ ھم کرہ ارض کے کسی ایسے حصے میں ہیں جہاں سے مکہ مشرق اور مغرب کی جانب یکساں فاصلے پر ہے.ایک افغان قیدی کو جب لایا گیا تو وہ شام کے بعد وہاں پہنچا اس نے پنجرے میں عشاء کی نماز پڑھی اور مشرق کی جانب رخ کر دیا.اس کا خیال تھا کہ افغانستان کی طرح اس نے مغرب کی جانب نماز ادا کی ہے جب اس نے فجر کی نماز بھی اس طرح ادا کی تو وہ قبلے کی جانب منہ کئے بیٹھا تھا مگر جب سورج طلوع ہوا تو اس نے سوچا کہ گویا سورج مغرب کی جانب سے طلوع ہوا.اور سمجھا کہ یہ قیامت کی قربت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے.اور مغرب کی جانب سے سورج طلوع ہوا ہے.تو اس نے زور زور سے چیخیں ماری اور کہا کہ قیامت قائم ہوئی ہے وہ توبہ واستغفار کے کلمے پڑھنے لگا تاھم دیگر قیدیوں نے بڑی مشکل سے اسے قائل کیا کہ ایسا نہیں بلکہ یہاں قبلہ مشرقی جانب ہے بعد میں ہم نے ان قیدیوں کے ساتھ بحث مباحثہ کیا جو مغرب کی جانب رخ کر کے نماز ادا کیا کرتے تھے اور کافی بحث کے بعد انھیں اطمینان ہوا کہ قبلہ کس جانب ہے اس طرح ہر بلاک میں نماز باجماعت ادا کی جاتی تھی. جہاں تک امام کی قرآت وتکبیر سنائی دیتی اس کے بعد مکبر ہوتے جو امام کے بعد تکبیر بلند آواز سے ادا کرتے اور ان کے بعد والے قیدی اس آواز کی اقتداء کرتے.فوجیوں کی قصداً کوشش ہوتی کہ نماز کو مشکوک اور خراب

کیا جائے.

یکم رمضان میں ابتدائی ۱۷ دنوں تک مسئلہ یہ تھا کہ نہ تو سحری کا کھانا تھا اور نہ ہی افطاری. شام کا کھانا وہ ھمیں آدھی رات کو دیتے تھے یوں آدھی رات کو کھانا کھا کر پھر ہم اگلی نصف شب کو کھانا کھاتے تھے. اور وہ ایسا ہمیں سزا کے طور پر کر رہے تھے. مگر اللہ تعالی نے ھمیں صبر اور برداشت کی توفیق دی ہوئی تھی. سترہ روزوں کے بعد پھر سحری کا کھانا بھی شروع ہوا اور شام کی افطاری بھی. مگر اسی طرح کا کم اور بے کار کھانا ہوتا تھا.

جماعۃ الدعوۃ کے حافظ سعید اور دیگر کے لئے گوانتانامو میں بددُعائیں

قیدی ہمیشہ پورے خلوص کے ساتھ دعائیں مانگتے اور نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے. تمام کفار، مشرکین اور عرب وعجم کے منافقین، جاسوسی اداروں، جاسوسوں اور ان لوگوں کو بددعائیں دیتے جو مسلمانوں سے خیانت کے مرتکب ہوئے اور بے گناہ لوگوں کو امریکہ کے ہاتھوں فروخت کیا. بالخصوص پرویز مشرف، آئی ایس آئی اور ان کی اسلام نما تنظیموں اور مجاہد نما کٹھ پتلی تنظیموں اور اشخاص کو بددعائیں دیتے جن میں اکثر بددعائیں جلد قبول ہوئیں. اور باقی کی قبولیت کا بھی ھمیں مکمل یقین ہے. قیدی امریکیوں اور ان کی کٹھ پتلیوں اور اتحادیوں کو بددعائیں دیتے. بش، مشرف، کرزئی، پاکستانی فوج، سیاف، ربانی اور ان کے اتحادی، افغانی و پاکستانی جماعۃ الدعوۃ اور ان کے بعض اشخاص مثلاً، پاکستانی جماعت الدعوۃ کے حافظ سعید، ذکی الرحمٰن لکھوی، جبران، ابوسعید اور بعض دوسروں کو اور اسی طرح افغانستان میں شمالی اتحاد کی جماعت الدعوۃ، سمیع اللہ، روح اللہ، حیات اللہ، ولی اللہ، حاجی عبدالقدیر، حضرت علی اور دیگر بہت سے منافقین اور مرتدین کو بددعائیں دی جاتیں جن میں سے کئی تو فوری قبول ہوئیں. وہ کہتے: ”**اللھم علیک بجیش باکستان**“ ھم کہتے امین ”**اللھم اخسف بھم الارض**“ ہم کہتے امین.

اللہ تعالی نے وہ بددعائیں قبول کیں اور پاکستانی فوج پر ایسا زلزلہ آیا کہ کشمیر میں ان کے بڑے بڑے کیمپ زمین میں دھنس گئے اور ان پر خسف آیا اور وہ زمین میں جذب ہوئے. تاھم پاکستان کی اطلاعاتی ذرائع حکومت کے کنٹرول میں ہے اور شرم کے مارے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں اور دوسرے خسارے کے حقائق چھپاتے ہیں. تاہم مرتد حکام کی قباحتوں کی سزا عام لوگوں کو بھی بھگتنا پڑی جن کو ہم شہید سمجھتے ہیں. شاید بے گناہ عوام ان مرتد حکام کے خلاف نہ اُٹھانے پر سزاوار ٹھہرے. لشکرِ خبیثہ کے منافقین تو ایک طرف امریکیوں سے

دشمنی کی باتیں کر رہے ہیں مگر دوسری طرف کشمیر میں زلزلہ زدگان کی امداد کے لئے امریکیوں کے پہلو بہ پہلو امدادی کیمپ لگا کر ان کے خیر خواہ بننے کا ثبوت دیا اور جب ممبئی بم حملوں کے بعد سلامتی کونسل کی طرف سے جماعۃ الدعوۃ پر پابندی لگا کر اس کے تمام دفاتر کو سیل کرنے اور ان کے لیڈران کو گرفتار کرنے پر ان کے کارکنوں نے نہ کوئی مزاحمت کی بلکہ الٹا امریکا کی منت وسماجت سے جماعۃ الدعوۃ کو بحال کرانے کی کوشش میں مصروف رہیں۔ لیکن اپنی منافقت کی وجہ سے نہ امریکا ان پر راضی ہوا اور نہ مسلمانوں میں مقبولیت بحال ہوئی۔ لشکرِ خبیثہ جس طاغوت کی کٹھ پتلی تھے اور جس بت کی وہ پرستش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہی مرتدین کے ہاتھوں ذلیل وخوار کیا یہاں پر یہ وضاحت کرتا چلوں کہ لشکر طیبہ کا مطلب اور معنی ہی پاک فوج ہے وہ ایسے کہ طیبہ کے معنی ہیں (پاک) اور لشکر کے معنی ہیں (فوج) جس کا مجموعہ پاک فوج بنتا ہے دراصل فوج دو قسم کی ہیں ایک ہے باوردی اور ایک بے وردی اور داڑھی والی انشاء اللہ دونوں کی ذلت قریب ہے اور یہی اسلام نما تنظیمیں لال مسجد' سوات اور قبائلی علاقوں پر بمباری نہ صرف تماشائی بن گئے بلکہ اُلٹا اُن کو تنقید کا نشانہ بنانے لگے۔ جناب ایڈیٹر صاحب 'ہفت روزہ غزوہ'' امیر حمزہ نے لال مسجد کے شہداء کو خراج تحسین پیش کرنے کی بجائے ان کو ۵۵ دلائل سے ناحق ثابت کرنے کی کوشش کی۔

افغانی جماعت الدعوۃ نے سینکڑوں عرب اودیگر بے گناہ افراد امریکیوں پر فروخت کئے اور پاکستانی جماعۃ الدعوۃ نے ابوزبیدہ، یاسر الجزائری اور دیگر عرب اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے اور پھر انھیں امریکیوں پر فروخت کر دیا۔ لشکر طیبہ جسے اب جماعۃ الدعوۃ پاکستان کہا جاتا ہے کے بعض افراد جو ان کی خیانتوں کی وجہ سے ان سے الگ ہوئے، نے ہمیں بتایا کہ ابوزبیدہ کے پاس ایک ارب اٹھارہ کروڑ روپے تھے جو اس نے لشکر طیبہ (جماعۃ الدعوۃ) کے پاس امانت رکھے تھے، لشکر طیبہ نے یہ رقم بھی ھضم کر لی اور امریکہ و پاکستانی انٹیلی جنس ادارے آئی ایس آئی سے بھی ان کے عوض بڑی مقدار میں روپے وصول کئے اور یوں بڑی خیانت کے مرتکب ہوئے.... لشکر طیبہ ھمیشہ آئی ایس آئی کے مفادات کے لئے کام کر رہی ہے اور اپنے مکارانہ اعمال چھپانے کے لئے اسلام کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے. پاکستان اور افغانستان کی جماعت الدعوۃ ھمیشہ آئی ایس آئی کے اشاروں پر ان کے لئے کام کر رہی ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالی کو بھی دھوکہ دے سکیں گے اور اسلامی امت اور امریکہ کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں. بعض عربوں کو بڑے رقم کے بدلے میں غائب کرادیا اور بعض کو ڈالروں کے عوض امریکیوں کے حوالے کر دیا.

مثال کے طور پر کچھ رپورٹیں جو کہ اخبارات میں چھپ چکی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے اور خود اندازہ لگائیں کہ سچ اور جھوٹ کیا ہے؟ 29 مارچ 2002ء کے نوائے وقت سمیت تمام قومی اخبارات میں یہ خبر نمایاں کر کے لگائی گئی کہ ''لاہور اور فیصل آباد میں القاعدہ کے خلاف پاک امریکا آپریشن'' یہ آپریشن فیصل آباد میں 28 مارچ کو ہوا تھا جبکہ 31 مارچ 2002ء کے نوائے وقت میں ہی دو نمایاں خبریں موجود ہیں جن میں بڑی خبر ''لشکر طیبہ کے امیر پروفیسر حافظ سعید کو رہا کر دیا گیا'' مزید اس خبر سے تھوڑا سا نیچے آئیں تو ایک انکشاف انگیز خبر جو کہ ''نیویارک ٹائمز'' اور ''واشنگٹن پوسٹ'' کے حوالے سے لگی ہے ''فیصل آباد آپریشن میں 20 امریکی فوج شامل تھے القاعدہ کے کئی افراد کو لشکر طیبہ کے سینئر کارکن 'حمید نیازی' کے گھر سے گرفتار کیا گیا۔ حمید نیازی کو پاکستانی حکام نے پہلے گرفتار نہیں کیا تھا۔''

قارئین ان شواہد کو آپ درج بالا تاریخوں کے پرانے اخبارات میں دیکھ سکتے ہیں لیکن اس واقعے میں حیرت کی بات یہ ہے کہ کالعدم لشکر طیبہ اور موجودہ جماعۃ الدعوۃ کے امیر حافظ سعید کو القاعدہ کے ابوزبیدہ' یاسر الجزائری اور دیگر عرب مجاہدین کی امریکیوں کو حوالہ کرنے کے دو دن بعد رہا کر دیا گیا جو کہ جماعۃ الدعوۃ اور آئی ایس آئی کے تعلقات کی ایک واضح دلیل ہے۔ یوں بھی پورے پاکستان میں سوائے جماعۃ الدعوۃ کے کسی جہادی تنظیم کے مرکز اور دفاتر کھلے عام نہیں۔ لیکن جماعۃ الدعوۃ کے دفاتر نہ سیل کئے جاتے ہیں اور نہ ہی ان کی کھالوں کے کیمپ اور فنڈ کے کیمپ پر پابندی ہے۔

گوانتانامو جیل میں دلچسپ واقعات

ایک عرب قیدی نے چیونٹیوں پر عجیب تجربہ کیا اس نے ایک تار کے ایک سرے پر تھوڑی سی خوراک باندھی اور اس خوراک والا سرا اس کونے میں رکھا جہاں سوراخ سے چیونٹیاں نکلتی تھیں اور دوسرا سرا دوسرے کونے میں اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا. دیکھتے ہی ایک چیونٹی نکلی تار کے ساتھ بندھی خوراک کا جائزہ لیا اور پھر سوراخ میں واپس چلی گئی. کچھ دیر بعد اس کے ھمراہ مزید چیونٹیاں سوراخ سے نکلیں جب وہ خوراک کے قریب پہنچی قیدی نے تار کھینچ لیا اور خوراک ہٹا دی. چیونٹیاں آئیں گھومی پھریں خوراک نہ پا کر واپس سوراخ میں چلی گئیں مگر وہ ایک چیونٹی وہیں ٹھہری رہی. قیدی نے پھر تار سے بندھی خوراک وہاں رکھ دی. چیونٹی نے آ کر اسے دیکھا، جائزہ لیا اور پھر سوراخ میں گھس گئی. اور پھر اپنے ساتھ مزید چیونٹیاں لے آئی. قیدی نے پھر خوراک ہٹا دی اور چیونٹیاں

مایوس واپس چلی گئیں. تیسری بار پھر اس نے ایسا کیا جب چیونٹیاں خوراک کے لئے آئیں اور انھیں تیسری بار بھی خوراک نہ ملی تو سب چونٹیوں نے مل کر اس چیونٹی کو مار ڈالا جس نے ان کے خیال کے مطابق انھیں جھوٹی اطلاع دی تھی. قیدی نے کہا کہ میں سمجھ گیا کہ چیونٹیوں کو جھوٹ پسند نہیں. اور اس لئے انھوں نے اس چونٹی کو بار بار جھوٹ بولنے کے الزام میں مار ڈالا.

ایک دوسری عجیب بات یہ تھی کہ جب قیدی کو کسی بات پر سزا دی جاتی تو فوجی اس کا کمبل لے کر پنجرے کے اوپر رکھ لیتے. بعض قیدی نظر بچا کر بڑی احتیاط کے ساتھ کسی نہ کسی طریقے سے دروازے میں لگی کھڑکی کی زنجیر جو باھر کی جانب لگی ہوتی، ہٹا دیتے حالانکہ اس تک ہاتھ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا. اور دکھائی بھی نہیں دیتا تھا. پھر کھڑکی سے ہاتھ نکال کر کمبل اندر کھینچ لیتا تھا اور اس طرح واپس کھڑکی اور زنجیر بند کر دیتا تھا. فوجیوں کو پتہ بھی نہیں چلتا تھا. اور جب فوجیوں کو پتہ چل جاتا تو وہ بڑے حیران ہوتے کہ قیدیوں نے یہ ناممکن کام کیسے کر لیا اس پر قیدیوں کو سزا بھی دی جاتی.

ایک عجوبہ یہ تھا کہ جب کبھی کبھی دو پنجروں کے درمیان ایک پنجرہ خالی ہوتا تو قیدی باریک تار کو دوھرا کر کے اس کے ایک سرے پر عطر کی بوتل یا کوئی قلم وغیرہ باندھ لیتے اور جالی میں ہاتھ گزار کر دوسرے پنجرے کی جالی کے قریب پھینک دیتے دوسرا قیدی ہاتھ جالی سے اندر کر کے اسے اپنی طرف کھینچ لیتا اور یوں اسی تار کے ذریعے دونوں کے درمیان رابطہ ہوتا. تار پر نیکر، کپڑے، ٹوپی یا اسی طرح کی کوئی چیز ڈال کر ایک دوسرے کی جانب پہنچا دیتے. تار اس طرح دھرا کیا ہوتا کہ جب ایک قیدی ایک تار کو اپنی طرف کھینچتا تو دوسرا قیدی دوسرے تار کو اپنی طرح کھینچتا اور یوں ایک سرا ایک طرف جاتا تو دوسرا دوسرے کی جانب. اور یوں چھوٹی چھوٹی چیزیں ایک دوسرے کی طرف بھجوا دی جاتیں.

اہم واقعات میں یہ بھی ہے کہ پنجروں میں قیدیوں کو خوراک بہت کم ملتی تھی چنانچہ بعض قیدی ان چھوٹے پنجروں میں، جہاں فوجیوں سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں تھی انتہائی کمال مہارت کے ساتھ کھانے کی پلیٹ چھپا دیتے اور فوجیوں سے کہتے کہ انھیں نہیں ملا ہے. یوں دوسری پلیٹ لے لیتے. کھانا کھا کر ایک پلیٹ واپس کرتے اور دوسرا توڑ کر کموڈ میں بہا دیتے.

اُس کے علاوہ ایک اور اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ گھومنے پھرنے کے روز جب قیدیوں کو بلاک کے آخر میں بڑے پنجرے کے جال میں لے جایا جاتا تو دو دو قیدیوں کے گروپوں کی شکل میں لے جایا جاتا جہاں وہ پندرہ

سے تیس منٹ کے لئے گھومتے پھر انھیں بیرونی چھوٹے غسلخانوں میں لے جایا جاتا جہاں قیدی نہاتے اسی وقت دو اور قیدی نکالے جاتے جب کوئی قیدی کسی اور قیدی کے قریب ہونا چاہتا یا دوسرے قیدیوں سے ملنے کے لئے دوسرے پنجروں میں جانا چاہتا تو وہ واپسی کے وقت فوجیوں کو دوسرے پنجرے کا نمبر دکھاتا تھا کہ میں اسی پنجرے میں ہو تو فوجی اسے اسی پنجرے میں لے جا کر بند کر دیتے. پھر اگلے ہفتہ گھومنے کے روز واپس اپنے پنجرے میں اسی طرح چلے جاتے. ان قیدیوں کا پتہ تب چلتا جب تفتیش کے لئے جاتے وقت فوجی اس کے کارڈ پر اس کی تصویر دیکھتے. کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ فوجی کارڈ دیکھے بغیر اسے تفتیش کے کمرے تک لے جاتے. اگر تفتیشی افسر اسی کی فائل میں لگی تصویر پر توجہ دیتا تو وہ قیدی کی تبدیلی کو فوجیوں کی غلطی قرار دیتا. کبھی وہ بھی تصویر پر توجہ نہ دیتا مگر سوال جواب کے دوران اس کا اندازہ ہو جاتا. اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ قیدی سوالوں کے جواب اس ترتیب سے دیتا کہ تفتیشی افسر کو بھی اندازہ نہ ہوتا. اور جب تفتیش کے بعد قیدی کو واپس پنجرے میں لایا جاتا تو باقی قیدی ہنستے اور وہ دوسرے قیدی کو سوال و جواب کی تفصیلات سے آگاہ کرتا تاکہ اگلی تفتیش میں اس سے غلطی نہ ہو.

ایک اور عجیب واقعہ یہ ہے کہ ایک عرب قیدی کو جب تفتیش سے واپس پنجرے میں لایا گیا تو اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں اور پاؤں میں پہنی بیڑیوں کے ساتھ چار فوجیوں کو اپنے پنجرے میں گھیر لیا. وہ اس طرح کہ جب اسے تفتیش سے واپس لایا گیا تو اس وقت بلاک کے دو فوجی تلاشی کے لئے اس کے پنجرے میں گئے ہوئے تھے. اور دو فوجیوں نے اسے دونوں بازوں سے پکڑا ہوا تھا جب پنجرے کے کھلے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے کہ قیدی کو اندر کر دے. قیدی نے بندھے ہاتھوں سے دونوں کو دھکا دے کر انھیں پنجرے میں اندر پھینک دیا اور فوراً دروازہ بند کر دیا. اور یہ اس لئے ممکن ہوا کہ اللہ تعالی قیدیوں کی مدد کر رہا ہے. امریکی فوجی مسلمان قیدیوں سے اس قدر مرعوب ہیں اور ان کے دلوں میں اتنا نفسیاتی خوف ہے اور اسی خوف کے باعث وہ پہلے سے یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ ھم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور یہ لوگ بڑے بہادر، جری اور جنگجو ہیں. وہ قیدی بلاک کے درمیان میں زنجیروں اور بیڑیوں کے ساتھ پھرتا رہا. بلاک کے دروازے کے ساتھ تعینات دوسرے فوجی بھاگ گئے اور دروازہ بند کر دیا. قیدی ہنستا ہوا باقی پنجروں کے سامنے گھوم رہا تھا. فوجی چیخ و پکار کرتے رہے کیمپ کے باھر بڑی تعداد میں مسلح فوجی آئے. خطرے کے سائرن بجائے گئے اور بلاک کا محاصرہ کیا گیا مگر پھر بھی جرأت نہ کر سکے کہ دروازہ کھول کر اندر آئیں اور ایک قیدی جو ہاتھوں پاؤں سے بندھا ہوا ہے کو پکڑے اور اپنے فوجیوں کو پنجروں سے نکال سکیں. یہاں تک کہ پورے بلاک میں بے ہوش

کرنے والی گیس پھینکنے کے لئے لائی گئی. جس پر بلاک کے باقی قیدیوں نے اس قیدی کو کہا کہ وہ اپنے پنجرے میں جائے اور فوجیوں کو چھوڑ دے. چنانچہ اس نے پنجرے میں جا کر فوجیوں کو چھوڑ دیا فوجیوں نے باھر نکل کر دروازہ بند کیا اور کچھ دیر بعد کھڑکی کے راستے قیدی کے ہاتھ اور پاؤں کی زنجیریں کھول دیں. اگلے روز اسی قیدی کو سخت عقوبت والے رومیو بلاک میں منتقل کر دیا گیا.

بلاک میں قیدی کا استقبال

قیدی جب تفتیش کے لئے لے جایا جاتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں باندھ دی جاتی ہیں اور وہ زنجیروں کی شرنگار میں بلاک کے درمیان سے گزرتا ہوا جاتا ہے. دونوں جانب کے پنجروں میں قیدیوں کو سلام کرتا ہوا جاتا ہے. وہ اسے دعائیں دیتے ہیں. عرب قیدی اسے کہتے ہیں کہ 'واللہ یحفظک یا اسد، اے شیر اللہ تمہاری حفاظت کرے. فکر مت کرو پنجروں اور زنجیروں میں شیروں کو بند کیا جاتا ہے گیدڑوں کو کوئی زنجیریں نہیں ڈالتا. جب قیدی تفتیش سے واپس آتا ہے اور بلاک کے درمیان میں گذرتا ہے دونوں کندھوں کی طرف سے فوجیوں نے پکڑا ہوتا ہے. زنجیروں کی جھنکار میں قیدی جب بلاک کے دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو ایک عرب کہتا ہے ''مرحبا مرحبا'' باقی بلاک کے سارے قیدی یک آواز ہو کر ترنم سے کہتے ہیں ''بلی جاء بلی جاء'' افغان اور دیگر قیدی بھی یہ سیکھ چکے ہیں اور سب اسی طرح ان کی آواز میں آواز ملا کر کہتے ہیں. مطلب یہ ہے کہ ایک لہجہ ہے اصل میں یوں ہے (یا مرحبا) (خوش آمدید). باقی کہتے ہیں (بالذی جاء) اس کو خوش آمدید جو آیا ہے بہت ترنم کے ساتھ یہ الفاظ بولے جاتے جس سے قیدی بہت لطف اندوز ہوتے. ابتداء میں فوجی ان نعروں سے ڈرتے تھے مگر پھر ان کے ساتھ عادی ہوئے اور کئی فوجیوں نے سیکھا اور قیدیوں کے ساتھ وہ بھی دھراتے تھے. اس طرح کے استقبال سے قیدیوں کی بڑی ہمت بندھتی اور ان کے حوصلے بلند ہوتے البتہ جن قیدیوں پر شک ہوتا یا جن کی منافقت ظاہر ہو چکی تھی ان کا اس طرح استقبال نہیں کیا جاتا تھا.

امریکیوں کی بداخلاقیاں

امریکی اخلاق نام کی کسی چیز سے واقف نہیں جو ان کا دل چاہتا ہے کرتے ہیں. اور شرم و حیا نام کے الفاظ سے بھی واقف نہیں بداخلاقی کے واقعات کی کئی کہانیاں ہیں مگر چند کا ذکر کرتے ہیں.

① باگرام میں مرد وزن جنسی تسکین کے لئے سب کچھ کھلے عام کرتے ڈیوٹی پر تعینات مرد وزن فوجی ھمارے سامنے والے کمرے میں داخل ہوجاتے اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں تھا اور وہ ہمیں دکھائی دیتے. وہاں وہ زنا کر کے باہر نکل آتے. ھم جنس پرستی بھی اس طرح کھلے عام تھی.

② قندھار میں ھمارے سامنے ایک خاتون ڈاکٹر ایک فوجی کی پشت پر سوار ہوئی کندھے پر اپنا چہرہ اس کے چہرے سے ملایا اور اس حال میں تصویریں اتروائیں.

③ بعض قیدیوں نے رات کے وقت سڑک پر مرد اور خاتون فوجی کو زنا کرتے ہوئے اور فوجیوں کو باھم لواطت کرتے ہوئے دیکھا ہے.

④ ایک لڑکی ڈاکٹروں اور فوجیوں کے ایک گروپ کے ساتھ چل رہی تھی اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا چھوٹا پائپ تھا اس کا ایک سرا اپنے فرج کے اوپر رکھ دیا اور دوسرا سرا کئی بار اوپر نیچے کیا گویا کھڑے اور منتشر عضو کی تمثیل کر رہی ہو. باقی لوگ خوش ہو کر ہنسے.

⑤ خواتین فوجی قیدیوں کو آنکھیں مارتیں اور نازیبا حرکتیں کرتیں.

⑥ قندھار میں ایک فوجی نے دوسرے فوجی کو پیچھے سے پکڑا دونوں ہاتھوں کا حلقہ اس سے مضبوطی کے ساتھ باندھا اور پھر اسے اٹھا کر اوپر نیچے کرتا رہا. پھر آخر میں اسی انداز سے تھوکا گویا اس کا انزال ہو چکا ہو.

⑦ ایک قیدی کو خارش کی شکایت تھی. اسے خاتون ڈاکٹر نے کہا کہ سارے کپڑے اتار دو صرف پائنچے اوپر کرنے اور قمیض اتارنے سے کچھ نہیں ہوتا. اس کے مخصوص اعضاء میں خارش نہیں تھی مگر باقی قیدیوں کے سامنے اس کے کپڑے اتار دیئے گئے.

⑧ ایک سفید ریش قیدی نے ڈاکٹر سے کسی بیماری کا ذکر کیا. ڈاکٹر نے اپنی پشت قیدی کی جانب کی اور اپنی مخصوص جگہ پر انگلی رکھ کر قیدی کو کہا کہ اس کا استعمال کرو ٹھیک ہو جاؤ گے ہم امریکی روزانہ یہ کسی نہ کسی کے استعمال میں رکھتے ہیں.

⑨ باگرام قندھار اور گوانتانامو میں خواتین ڈاکٹر بلاوجہ قیدیوں کے اعضاء مخصوص پر ہاتھ پھیرتی تھیں.

⑩ میں گوانتانامو میں بلاک کے دروازے کے ساتھ پہلے پنجرے میں تھا. مرد و خواتین فوجی ایک دوسرے کا بوسہ لیتے نازیبا حرکات کرتے، یہاں تک کہ آدھی رات کو سب کے سامنے زنا، لواطت

کرتے... اور یہ ایک عام بات تھی۔

⑪ ایک خاتون فوجی اور ایک مرد فوجی ایک نوجوان قیدی کے پنجرے کے سامنے کھڑے تھے اور قیدی سے پوچھ رہے تھے کہ شادی کروگے؟

اس نے کہا ہاں۔ خاتون فوجی نے مرد فوجی کو اشارہ کرتے ہوئے قیدی سے کہا کہ یہ لوگ تو آپس میں مصروف رہتے ہیں ہمیں توجہ نہیں دیتے۔

⑫ ایک کالی خاتون فوجی نے میرے بھائی استاد بدر سے کہا کہ میں گھر جارہی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں ٹوائیلٹ پیپر کا خالی کاغذ کا ٹکڑا تھا۔ اسے پنجرے سے سوراخ میں آگے پیچھے کیا اور کہا کہ یہاں یہ کام بہت کم اس لئے میں یہاں بہت تنگ ہوں۔

⑬ گیس کا اخراج امریکی فوجیوں کے لئے عام بات ہے ھم نماز کے لئے کھڑے تھے ایک فوجی آیا اس نے اپنی پشت قیدی کے پنجرے کے جانب کرکے بڑے زور سے گیس خارج کیا۔

ایک چھوٹی سی خاتون عسکر نے ھمارے سامنے گیس چھوڑی میرے بھائی استاد بدر نے اس سے پوچھا کہ اس طرح سب کے سامنے ھوا کا اخراج آپ لوگوں کے لئے باعث شرم نہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ تو بدن کی ھوا ہے چاہے اوپر منہ سے نکلے یا نیچے سے اس میں شرم کی کیا بات ہے... امریکی فوجی چھوٹے پیشاب کو نمبرون کہتے تھے۔ بڑے پیشاب کو نمبرٹو (۲) کہتے تھے۔ ایک غیر ملتزم پنجابی اور ایک امریکی فوجی کے درمیان گپ شپ میں گیس خارج کرنے کا مقابلہ ہوا جس میں بغیر آواز کے گیس خارج کرنے کو وہ نمبر۳ اور آواز والے اخراج کو نمبر۴ کہتے تھے۔ امریکی نے نمبر۳ کا مقابلہ جیتا اور پنجابی نے نمبر۴ کا۔

⑭ ایک امریکی خاتون تفتیشی افسر نے ایک قیدی کے سامنے اپنے سارے کپڑے اتارے اور پھر اس کے قریب ہوا اور اسے کہا کہ جلدی کرو میرے ساتھ زنا کرو۔ اس نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ اگلے روز اس نے پھر ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز اس نے پھر وہی عمل دہرایا' اس روز اس کا حیض آیا ہوا تھا۔ خاتون تفتیشی افسر نے اپنے فرج میں انگلی ڈالی پھر حیض کے گندے خون سے رنگی ہوئی انگلیاں قیدی کے چہرے اور کپڑے پر صاف کیں اور اسے کہا کہ تم نے میرے ساتھ زنا نہیں کیا آخر میرا حیض آیا میں تمہارے ساتھ دیکھونگی۔ اور پھر اسی جرم کی پاداش میں اسے قید تنہائی میں بھجوادیا۔

(۱۵) تفتیش کے کمرے میں ایک قیدی کے سامنے خاتون تفتیشی افسر نے ترجمان کے ساتھ زنا کیا.

(۱۶) تفتیش کے دو کمروں کے مابین ایک شیشہ تھا جس کمرے میں اندھیرا ہوتا وہ نظر نہ آتا اور جس میں روشنی ہوتی وہ دکھائی دیتا. شیشے کے دوسری جانب ایک فوجی جس نے کپڑے اتارے ہوئے تھے شیشے کے قریب آیا اور اپنی پشت شیشے کی جانب کرتے ہوئے اپنی پشت شیشے کے ساتھ لگا دی تا کہ قیدی اسے دیکھے. وہ فوجی عجیب عجیب حرکتیں کرتا رہا.

(۱۷) دو امریکی فوجیوں نے تفتیش کے کمرے میں قیدی کے سامنے ھم جنس پرستی کی.

(۱۸) میرے بھائی استاد بدر نے بتایا کہ قندھار میں ایک فوجی ھمارے ہال کے ساتھ کھڑا تھا اور کیمپ کے دوسرے کونے سے لکڑی کے مورچے میں موجود دوسرا فوجی دوربین سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا. جب نیچے کھڑے فوجی کو احساس ہوا کہ اس کا ساتھی فوجی دوربین کے ذریعے اسے دیکھ رہا ہے تو اس نے پتلون اُتاری اور اپنی پُشت اس کی جانب کرتے ہوئے اس پر ہاتھ رکھا اور اسے اشارے سے کہا کہ یہ دیکھو. اور یوں کافی دیر تک اسی طرح برھنہ کھڑا رہا.

(۱۹) میں نے خود کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کے ساتھ جنسی زیادتی ہوئی ہو تاھم قیدیوں میں یہ بات مشہور تھی کہ بعض قیدیوں کے ساتھ امریکیوں نے جنسی زیادتی کی اور بعض کو تفتیش کے دوران جنسی زیادتی کے ذریعے تشدد کا نشانہ بنایا.

(۲۰) پہلے گزر چکا ہے کہ قندھار میں ایک امریکی فوجی نے خشک انسانی غلاظت ہاتھ میں اٹھا کر قیدیوں کو کہہ رہا تھا کہ یہ کھاؤ.

(۲۱) ایک عرب قیدی بالٹی پر رفع حاجت کے لئے بیٹھا ہوا تھا. اور فوجی جلدی پر زور دے رہے تھے. آخر میں جب قیدی ٹوائیلٹ پیپر سے صفائی کر رہا تھا تو فوجی نے کہا کہ منہ تو نہیں کہ کھانا اس سے کھاتے ہو یہ تو ویسے بھی گندی رہتی ہے.

(۲۲) ایک خاتون ڈاکٹر نے قیدی کو دوائی دی پھر اس طرح بیٹھی گویا رفع حاجت کر رہی ہو اور پھر اپنا ہاتھ اپنے جائے مخصوصہ کی طرف اٹھایا اور منہ سے ڈر کی آواز نکالی.

امریکی فوجیوں کی بداخلاقی کی کہانیاں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان پر الگ کتاب لکھی جاسکتی ہے تاھم یہ چند واقعات نمونے کے طور پر بیان کئے.

امریکیوں فوجیوں کے اختیارات

باگرام، قندھار اور گوانتانامو میں امریکی فوجی اس قدر آوارہ اور بااختیار ہیں کہ قانون ہر سپاہی اور فوجی کے اپنے ہاتھ میں ہے. جو اس کا دل چاہے کرتا ہے. کوئی ایسا نہیں جو ان سے پوچھنے والا ہو. جس قیدی کے ساتھ جو کرے اور جیسا اس کے بارے میں لکھے وہ حرف آخر سمجھا جاتا ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے. کئی بار قیدیوں کو ناکردہ کاموں پر مجرم سمجھا گیا اور انھیں سزا دی گئی. اگر کوئی سپاہی قیدی کے بارے میں جو بھی جھوٹا دعویٰ کرے اسے درست تسلیم کیا جاتا ہے اور اگر وہ مکمل جھوٹے بھی ہو اور پورے بلاک کے قیدی اس پر گواہی بھی دیں مگر قیدیوں کی سچی گواہی کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی اور فوجی یا سپاہی کے جھوٹ کو سچ اور درست قرار دیا جاتا ہے. میں گولف بلاک کے ابتدائی سرے میں پہلے پنجرے میں تھا جہاں چوکیدار سپاہی اور فوجی اٹھتے بیٹھتے. کھانے کی تقسیم اور کئی دیگر کام میرے پنجرے کے ساتھ کئے جاتے. میں ان کی تمام حرکات وسکنات اور سرگرمیوں کا غور سے جائزہ لیتا اور وہ کچھ دیکھ سکتا تھا جو دوسرے قیدی نہیں دیکھ رہے تھے. کئی بار سپاہی کھانا تقسیم کرتے وقت خوراک میں شامل بعض اشیاء بغیر کسی وجہ کے ٹرش بیگ (گندلے جانے والے بیگز) میں ڈال دیتے اور قیدیوں میں تقسیم نہ کرتے. جو آئٹم تقسیم کرتے وہ بھی بہت کم تقسیم کرتے. کبھی کبھی اور بلے ہوئے انڈے یا دیگر ایسی اشیاء آ جاتیں جو انھیں پسند ہوتی تو یا تو جلدی جلدی اس میں سے کھا لیتے تھے یا پھر جیبوں، بیگز اور برتنوں میں رکھ لیتے تا کہ دوسرے وقت ان کو استعمال کر سکیں.

قیدیوں کی سخت تلاشی

پشاور سے لے کر گوانتانامو اور وہاں سے واپسی میں ہر جگہ سخت تلاشی لی جاتی تھی پشاور ائرپورٹ اور باگرام میں امریکی عجیب تلاشی لیتے. انگلیاں بدن پر رکھ کر ہلاتے. پھر دوسری جگہ رکھتے. جسم پر ہاتھ نہ پھیرتے اور یہ اس خوف سے کہ کہیں جسم پر دھماکہ خیز مواد نہ بندھا ہو اور ہاتھ پھیرنے سے وہ پھٹ نہ پڑے. جس نئی جگہ جاتے وہاں ہمارے سارے کپڑے اتارے جاتے اور پورے بدن کی تلاشی لی جاتی. اس قدر سخت تلاشی کے باوجود بلاک اور پنجروں میں بھی آتے اور ہر چیز کی تلاشی لیتے. یہاں تک کہ پنجرہ میں لگے کموڈ میں بھی ہاتھ ڈال کر چیک کرتے اور اگر قیدی کے پاس خوراک کی معمولی سی چیزیں بھی برآمد کرتے تو اسے سزا دیتے. تفتیش کے لئے لے جاتے وقت قیدی اور پنجرے کی سخت تلاشی لیتے. قیدی کی پتلون کو دونوں جانب پکڑ

کر جھاڑتے. ابتدائی دنوں میں قیدی کے عضو خاص پر بھی ہاتھ پھیرتے تاھم قیدیوں کے سخت مظاہروں کے بعد کہ یہ کام ہمارے دین وثقافت کے خلاف ہے ایسا نہ کیا جائے، پھر انھوں نے ایسا کرنا ترک کر دیا. تاھم شلوار جھاڑنا اور باقی تلاشی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا. کبھی کبھی کتے بھی ساتھ لاتے جو سونگھ کر بارود اور دیگر خطرناک چیزوں کو نکالنے کے ماھر تھے. اللہ تعالی نے امریکیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا اتنا خوف اور ڈر بٹھا دیا ہے کہ ان کی عقل ماؤف ہوگئی ہے. یہ نہیں سوچتے کہ قیدیوں کے پاس بارود کہاں سے آئے گا؟ اور اس قدر تلاشیوں اور برھنگی کے بعد قیدی خطرناک اشیاء اور اسلحہ کہاں سے حاصل کریں گے؟.

قیدیوں کو سزائیں دینا

گوانتانامو جیل میں معمولی باتوں پر اور کبھی کبھی بلاوجہ بھی قیدیوں کو سزاوار کیا جاتا تھا. وہاں ہر ایک امریکی فوجی مکمل بااختیار ہے. قانون ان کے اپنے ہاتھ میں ہے. جس قیدی کے ساتھ وہ جو کچھ بھی کرے کوئی پوچھنے والا نہیں. اگر بلاک کے سارے قیدی مل کر کسی قیدی کے بارے میں کچھ کہے وہ نہیں سنی جاتی اور جھوٹے سپاہی کی ہر بات درست قرار دی جاتی ہے. وہاں کئی طرح کی سزا دی جاتی ہے. ایک یہ کہ چند روز کے لئے اس سے کمبل اور چادر لے لی جاتی ہے اور وہ خالی آہنی تختے پر رہ جاتا ہے. خود مجھے بھی چند دنوں کے لئے ایک خاتون فوجی نے یہ سزا دی تھی. وجہ یہ تھی کہ میں بیمار تھا جب نرس دوائی لے کر آئی تو بلاک کے سپاہیوں کی انچارج خاتون سارجنٹ نے مجھے کہا کہ پانی لے لو اور میرے سامنے دوائی کھالو. میں نے کہا کہ مجھے دوائی دے دو میں خود پانی لے کر کھالونگا تمہارے سامنے کھانے کی ضرورت نہیں. نرس مجھے دوا دے رہی تھی مگر خاتون سارجنٹ نے کہا کہ دوا مت دو میں غصہ ہو کر خاتون سارجنٹ کو Durty Bitch یعنی غلیظ کتیا کہا. وہ روانہ ہونے لگی تھی میری بات سن کر واپس ہوئی اور پوچھا کہ تم نے کیا کہا؟ میں نے پھر کہا کہ غلیظ کتیا وہ غصہ ہو کر چلی گئی مجھے دوائی بھی نہیں دی اور رجسٹرد میں میرے خلاف لکھا. اگلے روز مجھے چند دنوں کے لئے یہ سزا دی گئی. اللہ کے فضل سے یہ سزا ھمارے لئے کوئی سزا نہیں تھی.

دوسری سزا یہ تھی کہ چند دنوں کے لئے قید تنہائی کے لئے بھجوایا جاتا تھا اسی طرح ا یکو کیمپ کے اندھیرے کمروں میں بھجوایا جانا بھی ایک سزا تھی جہاں تفتیشی افسران کی جانب سے بھجوایا جاتا تھا. نیز رومیو کیمپ بھجوایا جانا بھی ایک سزا تھی جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے. داڑھی منڈوانا، ایک ایک گھنٹے بعد پنجرے تبدیل

کروانا، اور دن رات سونے نہ دینا بھی سزا کی قسمیں تھیں ایسا بھی ہوا ہے کہ پورے بلاک پر ایک دن کے لئے کھانا بند کر دیا گیا۔ ھسپتال سے بغیر ادویات کے واپس لانا یا پنجروں میں مریض قیدیوں کی دوائی بند کرنا اور کئی دیگر طرح سزا دی جاتی تھی۔

سزا دینے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ تفتیش کے بعد یا تفتیش کے بغیر قیدی کو چند گھنٹوں کے لئے تفتیش کے کمرے میں زمینی ہک کے ساتھ بندھا ہوا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہاں اسی کا پاخانہ بھی نکل جاتا۔ مجھے کئی بار چند گھنٹوں کے لئے تفتیش کے کمرے میں اسی طرح تنہا چھوڑ دیا گیا ایک بار میں چھوٹے پیشاب کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھا اور قریب تھا کہ مثانہ پھٹ جائے میرے پسلیوں میں بھی درد شروع ہوا۔ سپاہیوں کو ایم پی، ایم پی کے نعرے دیئے مگر وہ اور تفتیشی افسران شیشے کے دوسری جانب سے میرا جائزہ لے رہے تھے۔ میز پر پانی کی بوتل پڑی تھی جس سے تفتیشی افسر نے پانی پی لیا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے میز سے بوتل اٹھائی اور اس میں چھوٹا پیشاب کر کے بوتل کا ڈھکنا بند کیا اور اسے واپس میز پر رکھ دیا۔ جب سپاہی آئے تو میں نے انھیں بتایا کہ یہ جوس نمبر ون ہے۔ فوجی اور سپاہی چھوٹے پیشاب کو نمبر ون اور بڑے پیشاب کو نمبر ٹو کہتے تھے اس لئے میں نے ان سے کہا کہ یہ نمبر ون شربت ہے۔ میں نے جب تفتیش افسر ٹام کو یہ ساری تفصیل بتائی تو اس نے مجھے بتایا کہ ایک بار میں نے بھی ایسا کیا تھا میں گاڑی میں کس کا تعاقب کر رہا تھا کہ مجھے زور کا چھوٹا پیشاب لگا اگر میں رکتا تو وہ میری نظروں سے اوجھل ہو جاتا اس لئے میں نے بھی چلتی کار میں بوتل میں پیشاب کیا۔

قرآن کریم کی توہین اور بے توقیری

باگرام اور قندھار میں قرآن کریم کی بے توقیری امریکی فوجیوں کا معمول تھا اور روزانہ بار بار ایسا کرتے۔ تلاشی کے نام پر اندر آتے۔ قیدیوں کو ایک جانب گھٹنوں کے بل کھڑا کرتے۔ قیدیوں کے ہاتھ سروں پر ہوتے۔ سپاہی کمبل ادھر ادھر مٹی میں پھینکتے۔ قرآن پاک کو ادھر ادھر اٹھا کر پھینک دیتے۔ قندھار میں استاد بدر نے ایک دن ان سے پوچھا کہ آپ قرآن پاک کو کیوں اس طرح بے توقیری کے ساتھ مٹی میں پھینک دیتے ہیں؟ ایک سپاہی نے اسے کہا کہ اچھا ہم انہیں ایک جگہ اکٹھا کرتے ہیں اور پھر غلیظ ہاتھوں اور گندے بوٹوں کو ساتھ انہیں ادھر ادھر سے ٹھوکریں مار کر ایک جگہ جمع کیا اور کہا کہ لو ہم نے انہیں واپس اکٹھا کر دیا۔ ایک سپاہی نے قرآن کریم اٹھایا اور قیدی کو دکھاتے ہوئے کہا کہ دیکھو میں آپ کی مقدس کتاب کی بے عزتی کرتا ہوں تم

کیا کر سکتے ہو؟ اور پھر اسے پاخانے سے بھرے بالٹی میں ڈال دیا۔ قیدی نے اسے کہا کہ میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ورنہ میں بتا دیتا کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ باگرام میں ایک قیدی نے ایک امریکی سپاہی کو دیکھا جس نے قرآن کریم پاؤں تلے رکھا تھا اور پھر اس کے اوپر کتے کو بھی کھڑا کیا تھا!!۔ گوانتانا مو میں بھی تلاشی کے دوران سپاہی قرآن پاک کو بے عزتی، لاپرواہی اور بے توقیری کے ساتھ الٹ پلٹ دیتے اور پھینک دیتے ایک بار ایک عرب قیدی تفتیش سے واپس آیا بہت زیادہ رنجیدہ تھا۔ ہم نے رنجیدگی کی وجہ پوچھی؟ اس نے بتایا کہ آج امریکی تفتیشی افسر نے میرے سامنے قرآن پاک اٹھایا۔ اسے کھولا او پھر اس کے اوپر بوٹ رکھ دیا اور مجھ سے قندھار کے سپاہی کی طرح پوچھا کیا۔ میں نے بھی وہی جواب دیا۔ جب اس بات کا پتہ قیدیوں کو چلا تو انہوں نے بلند آواز سے باقی بلاکوں کے قیدیوں کو بتایا اور سارے کیمپ کے قیدیوں نے مظاہرے شروع کر دیئے۔

مظاہرے اور بھوک ہڑتالیں

کئی دیگر امور میں بھی مظاہرے اور بھوک ہڑتالیں کی جاتیں مگر قرآن کی بے حرمتی پر پورے کیمپ نے یک آواز ہو کر اتفاق سے مظاہرہ شروع کیا جس نے کافی زور پکڑا مظاہروں کی ترتیب اس طرح تھی کہ پھرنے کی جگہ نہ جاتے، تفتیش کے لئے نہ جاتے اور آہنی جالیاں ہلاتے، بجاتے، تکبیر کے نعرے لگاتے۔ بلاک کے درمیانی راستے میں جو فوجی سپاہی، افسر یا جنرل گزرتا اس پہ پانی پھینکتے، تھوکتے۔ بعض قیدی ڈسپوزبل گلاسی میں چھوٹا پیشاب کرتے اور جب کوئی امریکی سپاہی یا اہل کار پنجرے کے سامنے سے گزرتا تو اس کے منہ پر تیزی سے پھینک دیتا۔ یوں اسے پیشاب میں نہا دیتا۔ اسے چھینکیں آ جاتی۔ وہ بش، وزیر دفاع اور دوسرے امریکی ذمہ داران کو گالیاں دینا شروع کر دیتے اور کہتے کہ وہ تو خود آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ہمیں ان مشکلات سے دوچار کر دیا ہے۔ سپاہی کیمپ جنرل کو بھی گالیاں دیتے اور کہتے کہ یہ سب اس کا کیا دھرا ہے۔ ترجمان بلائے گئے ہم سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ جنرل معافی مانگے گا اور وعدہ کرے گا کہ آئندہ قرآن کریم کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی۔ نہ اس کی تلاشی ہوگی اور نہ ہی فوجی قرآن کو ہاتھ لگائیں گے۔ وہ یہ نہیں مان رہے تھے۔ بحری بیڑے سے مزید فوجی طلب کئے گئے اور کیمپ کے اردگرد ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں نے مورچے سنبھال لیئے۔ بارہ رکنی ضربہ دستے آئے جنہوں نے فولادی جیکٹ ٹوپیاں اور بلٹ پروف کپڑے پہنے

ہوتے اوران کے چہرے نہ ٹوٹنے والے شیشوں میں چھپے ہوتے. بڑے بڑے چوڑے چوڑے دفاعی شیشے ان کے پاس ہوتے. افسروں کے ہاتھوں میں آنسو گیس ہوتے. قیدی سے پوچھتے کہ نکلتے ہو یا نہیں؟ وہ کہتا نہیں. جب تک تم لوگ قرآن کی بے حرمتی کرنے سے منع نہیں ہوتے ہو، میں نہیں نکلتا. پھر وہ ہمارے چہروں پر آنسو گیس کے سپرے کرتے جس سے ہمارے چہرے پر جلن آتی اور آنکھوں سے جلن کے ساتھ ساتھ آنسو روانہ ہوجاتے. اور سانس بند ہونے لگتی اس دوران ایک سپاہی پنجرے کا تالا کھول کر دروازہ کھول دیتا. اور دوسرے فوجی اچانک اندر داخل ہوکر بڑے بڑے شیشے کے زریعے قیدی کو لٹا دیتے. کافی تشدد کے بعد اس کے ہاتھ پشت کی جانب باندھ دیتے. تشدد سے بعض قیدیوں کے ہاتھوں اور انگلیوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں. ان کے پاؤں بھی باندھ دیئے گئے اور پھر دو فوجی ہاتھ پاؤں سے اٹھا کر باھر لے جاتے. اس دوران اور اسے لے جانے کے وقت باقی قیدی تکبیر کے نعرے لگاتے اور اس قیدی کو دعائیں دیتے اور اس کا حوصلہ بڑھاتے. اور سپاہیوں کو برا بھلا بھی کہتے. قیدی کو بلاک کے آخر میں بڑے پنجرے کے پاس لے جایا جاتا جہاں اس کے سر، داڑھی مونچھ اور بھنوؤں کے بال صاف کرادیے جاتے. پھر اس پر پانی ڈالا جاتا اور پھر واپس پنجرے میں لایا جاتا.

مجھے اور میرے بھائی استاد بدر کو اللہ نے یہ توفیق دی کہ ہم پنجرے سے گلی میں خود نکلے. ہمارے نکلنے سے فوجی خوف زدہ ہوتے. ان کے ہاتھوں سے شیشے گر جاتے ہم نے ایک ایک فوجی کو زمین پر گرایا اور ان کے ساتھ دست و گریبان ہوگئے تاہم وہ زیادہ تھے اور کافی تشدد کے بعد ہمیں قابو کرکے اور باندھ کر بڑے پنجرے لے گئے جہاں ہماری بھنوئیں، ڈاڑھی اور سر کے بال صاف کردیئے گئے ہمارے چہرے منہ اور سر پہ پائپ کے ذریعے کافی پانی ڈالا گیا یہاں تک کہ سانس بند ہوگئی اور موت کو قریب محسوس کیا. پھر ہاتھ پاؤں سے واپس لے گئے راستے میں ہم تکبیر کے نعرے لگاتے رہے جنہیں رکوانے کے لئے انہوں نے ہماری تھوڑی کے نیچے بڑی انگلی سے ہمارا گلہ دبایا. عرب قیدی ہر ایک کو یہی کہتے رہے کہ ” **واللہ یحفظک یا اسد** “ اے شیر اللہ تیری حفاظت کرے. سارے کیمپ میں نعرے لگتے. جالیوں کا ہلانا اور بجانا تھا. سارے قیدی قرآن کے تحفظ کے لئے ڈٹ گئے صرف چار قیدی ایسے تھے جنہوں نے قرآن کا دفاع نہیں کیا ان میں ایک آئی ایس آئی کا کٹھ پتلی حاجی روح اللہ بھی تھا. گھومتے وقت اور تفتیش کے لیئے لے جاتے وقت سب قیدی ان پر منافق، خبیث اور عدو اللہ (اللہ کے دشمن) کی آوازیں کہتے رہے. وہ یہ سمجھتے رہے کہ اگر ہم ان مظاہروں میں حصہ نہیں

لیں گے تو ہمارے جرائم اور دوغلا پن چھپ جائے گا. امریکی ہم سے خوش ہوں گے اور ہمیں رہا کر دیں گے مگر جس نے دین کے لئے غیرت کا مظاہرہ نہ کیا اور اللہ کا قہر ان کی رضا میں ڈھونڈا. وہ اللہ کے غضب اور عذاب کا بھی مستحق ہوا اور اللہ نے انسانوں کو بھی ان پر ناراض کر دیا.

یہ مظاہرے چند روز جاری رہے. ضربہ دستوں کا ایک بارہ رکنی دستہ جب ایک قیدی کو نکالنے اور سزا دینے کے لئے آجاتا تو وہ اتنا تھک جاتا کہ واپس چلا جاتا اور دوسرے قیدی کو سزا دینے کے لئے ۱۲ فوجیوں کا نیا تازہ دم دستہ آجاتا. یہاں تک کہ فوجی تھک گئے انہوں نے ہار مان لی اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ قرآن کی بے حرمتی بھی نہیں کریں گے اور قرآن کریم کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے اور نہ ہی تلاشی لیں گے. میرے رہائی تک دوبارہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تاہم ہمارے بعد جو دوسرے قیدی رہا ہو کر آئے ہیں انہوں نے بتایا کہ پانچویں کیمپ میں بھی ایک فوجی نے قیدی کو مارا اور قرآن کو زمین پر پھینکا تھا.

اللہ سے قیدیوں کے رابطے توڑنے کی کوششیں

جس طرح گوانتاناموجیل میں قیدیوں کا اللہ تعالی سے ربط وتعلق انتہائی مضبوط ہے. نمازیں، تلاوت، روزے، دعائیں، ذکر اوراذکار ہر قیدی کی زندگی کا اہم حصہ ہے اس لئے اللہ تعالی نے بھی قیدیوں کے دلوں میں اطمینان وسکون اور حوصلہ بڑھا دیا ہے، یہ حوصلہ اور اطمینان گھروں میں نہیں ہے. اور اسی بات نے قیدیوں کی قوت مزاحمت بڑھا دی ہے اور امریکیوں نے بھی یہ بات محسوس کی ہے چنانچہ ان کی کوششیں ہے کہ اللہ تعالی کے ساتھ قیدیوں کا ربط وتعلق کمزور کریں. اس کے لئے وہ مختلف حربے استعمال کر رہے ہیں. مثلاً عبادت کے دوران رکاوٹیں ڈالنے، خواتین فوجیوں کی نازیبا حرکتیں، تفتیش کے دوران برہنہ کرنے اور قیدیوں کے سامنے جنسی بے راہ روی پر مشتمل مجالس منعقد کرنے اور تفتیشی افسران کی جانب سے تفتیش کے دوران ایسی باتیں کرنا مثلاً العیاذ باللہ کے تمہارا کام نعوذ باللہ اللہ کے ہاتھ میں نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں ہے. اللہ نہیں، اللہ تمہیں مجھ سے چھڑا کر دکھائے. آپ لوگوں کو دین کی باتوں پر کسی نے ویسے ورغلایا ہے اور کئی دیگر اس طرح کی باتیں کرتے.

قرآن کریم کی توہین، داڑھی منڈوانا اور کئی دیگر ایسے حربے ہیں کہ امریکی ذہنی دباؤ اور قیدیوں کا اللہ سے ربط وتعلق توڑنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں.

قیدیوں میں بے اتفاقی پیدا کرنے کی کوششیں

امریکی یہ کوشش بھی کرتے رہے ہیں کہ قیدیوں میں بے اتفاقی پیدا کریں. عربوں اور عجم کے درمیان، زبان کی بنیاد پر اور بعض دیگر بہانوں اور حیلوں کی بنیاد پر اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے. ایک بار لیما بلاک میں ہم تمام افغان قیدیوں کو بلاک کے ابتدائی پنجروں میں اور عربوں کو بلاک کے آخری پنجروں میں ڈال دیا گیا. مدینہ منورہ سے تعلق رکھنے والا ایک عرب قیدی شاکر انتہائی متحرک شخص تھا. قیدیوں کو مظاہروں اور احتجاج پہ اکساتا تھا. کاغذ پر ہاتھوں سے اس کی تصویریں بنا کر اس کے بارے میں لکھا تھا (المنافقون) اور کاغذ کو سگریٹ کی طرح لپیٹا گیا تھا. یہ سگرٹ نما کاغذات کے وقت ہر ایک افغان قیدی کے پنجرے کے دروازے کے اندر ڈال دیا گیا تھا. جب قیدی تہجد اور نماز فجر کے لئے اٹھے تو انہوں نے سگریٹ نما کاغذ دیکھے. اٹھائے اور پڑھے تو ان پر شاکر کے بارے میں تحریر تھا. اس طرح عبدالہادی کے بارے میں اس قسم کی تحریر خفیہ طور پر تقسیم کی گئی تھی مگر ان حرکتوں کی وجہ سے قیدیوں پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس طرح امریکیوں کی سازش اور کمینگی ظاہر ہوئی. قیدیوں نے وہ کاغذ جمع کر کے شاکر اور دیگر عرب قیدیوں کے حوالے کئے اور یوں سب قیدی حقیقت سے آگاہ ہوئے. تفتیش کے دوران اکثر قیدیوں کو دوسرے قیدیوں کے بارے میں ورغلانے کی کوشش کی جاتی کہ دوسرے قیدیوں کے ساتھ ان میں بغض وحسد پیدا ہو اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے لڑیں.

ریڈ کراس کا طریقہ کار

پشاور میں آئی ایس آئی کے خفیہ عقوبت خانوں میں کسی کو بھی ہمارے ساتھ ملاقات کرنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی ہماری تحریر کسی کو بھجوانے یا گھر سے ہمارے نام کوئی تحریر لانے کی اجازت تھی. قندھار، باگرام اور گوانتانامو کی امریکی جیلوں میں بھی سوائے ریڈ کراس کے کارکنوں کے کسی کو ہمارے پاس آنے کی اجازت نہیں تھی. ان کا بظاہر کوئی دوسرا کام نہیں تھا صرف ہمارے خطوط ہم سے لے کر امریکی فوجیوں کے حوالے کرتے نہ تو ہمارے خطوط مکمل طور پہ گھروں کو پہنچتے اور نہ گھروں سے آنے والے خطوط ہمیں پہنچتے. سو خطوط میں سے صرف دو، تین خطوط گھر پہنچ پاتے اور اسی تناسب سے گھروں سے آنے والے خطوط ہمیں ملتے وہ بھی امریکی فوجیوں کے سنسر کے بعد ہمیں یا ہمارے گھر والوں کو ملتے. جب ہم گوانتانامو پہنچے تو ابتدائی دنوں

میں ہر قیدی کے پاس ریڈ کراس کے اہل کاروں نے باتیں کیں مگران کی پوچھ گچھ اس انداز میں تھیں کہ امریکی تفتیشی افسران کے سوالات سے زیادہ عمیق اور پیچیدہ ہوتیں ایسی باتوں کے بارے میں سوالات کرتے جن کا ریڈ کراس کے ادارے سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ ہوتا. بلکہ یوں ظاہر ہوتا کہ یہ بھی امریکی تفتیش کا ایک مرحلہ ہے

.

قندھار میں ایک قیدی نے امریکی سپاہی سے پوچھا کیا کہ وہ قیدیوں کی داڑھی بھنوئیں اور سر کے بال کیوں منڈواتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ہمارے بڑوں کو یہ مشورہ ریڈ کراس کے اہل کاروں نے دیا ہے ریڈ کراس کے اہل کاروں کے ساتھ ملاقات بھی تفتیش کی طرز پر ہوتی قیدی کو زنجیروں میں جکڑ کر ایک مخصوص کمرے میں لے جایا جاتا وہاں ریڈ کراس کے اہل کاران سے باتیں کرتے. ایک افغان قیدی ریڈ کراس کے اہل کاروں کے ساتھ الگ کمرے میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا ریڈ کراس کے اہل کار نے افغان قیدی سے پوچھا کہ تم کس مذہب سے تعلق رکھتے ہو؟. قیدی نے اسے کہا کہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے مذھب پر ہوں. ریڈ کراس کے اہل کار نے ہاتھ بڑھا کر کہا کہ ہاتھ ملاؤ. میں بھی امام صاحب کے مذھب پر ہوں اور میں افغانستان گیا تھا وہاں میں نے بامیان میں امام صاحب کو دیکھا وہ تمہیں سلام کہہ رہا تھا. قیدی نے اسے کہا کہ امام صاحب تو بارہ سو سال قبل وفات پا چکا ہے پھر تم نے بامیان میں اسے کیسے دیکھا؟. وہ حواس باختہ ہوا اور ندامت سے کہا کہ یہ بات چھوڑ واور پھر اس نے بات بدل کر دوسری باتیں شروع کیں. ریڈ کراس کے اہل کار نے سنا تھا کہ مسلمانوں میں مذاھب ہیں اس کی حقیقت سے وہ واقف نہیں تھا اور سمجھ رہا تھا کہ یہ بھی سیاسی تنظیمیں ہیں چنانچہ قیدی کی دلچسپی بڑھانے کے لئے اس طرح کی باتیں کرتے رہے. یہ چند مثالیں تھیں باقی ریڈ کراس کا طریقہ کار مکمل جھوٹ فریب اور مکاری ہے.

جنگی قیدی اور جنیوا کنونشن

جنیوا کنونشن کا جنگی قیدیوں کے بارے میں معاہدے کی دفعات کو اگر دیکھا جائے تو اس مہذب صدی کی مہذب کہلانے والی قوم اپنے بنائے ہوئے قانون کو خود ہی اپنے ہاتھوں سے سبوتاژ کیا۔ اب ان دفعات کا جائزہ لیتے ہیں جن کو گوانتاناموبے میں توڑ کر امریکا نے اپنے بھیڑیئے پن، غیر اخلاقی اور غیر انسانی وجود کو ظاہر کیا۔ دفعہ نمبر 4 دوران جنگ یا بعد تک حربی قوتوں کے شکنجے میں قید کوئی بھی شخص جنگی قیدی کہلائے گا

محدود معنوں میں وہ شخص جو منظّم طور پر فوج سے تعلق رکھتا ہو۔ وسیع معنوں میں وہ گوریلے اور عام شہری جو دشمن کے خلاف مسلح انداز میں برسرِ پیکار ہوں، جنگی قیدی کے زمرے میں آتے ہیں۔

(اس دفعہ کے مطابق کسی بھی رضا کار ملیشیا مثلاً (طالبان) اور ایسی غیر سرکاری تنظیم مثلاً (القاعدہ) کے قیدیوں کا شمار بھی باقاعدہ جنگی قیدیوں میں ہونا چاہیے لیکن امریکا نے اس کی پرواہ نہ کی)

دفعہ 13-12: جنگی قیدیوں کو تحویل میں رکھنے والی قوت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھیں اور جنگی قیدیوں کے ساتھ نرمی اور شائستگی کا رویہ رکھا جانا چاہیے۔

(مار پیٹ اور دورانِ تفتیش ہر قیدی پر تشدد روز کا معمول تھا)

دفعہ 15: اگر جنگی قیدی بیمار یا زخمی ہو تو تحویل میں رکھنے والی طاقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اخراجات پر اس کا علاج کرائے۔

(لیکن گوانتانامو میں جان بوجھ کر مریضوں اور زخمیوں کی چیر پھاڑ اور نامعلوم انجکشن لگانا معمول تھا)

دفعہ 16: علاج اور دیگر امور کے حوالے سے ناروا سلوک نہ رکھا جائے بلکہ اس نوعیت کی تکنیکی اور طبی سہولتیں فراہم کرنا ناگزیر ہوگا جو تحویل میں رکھنے والی قوت اپنے فوجیوں کو فراہم کرتی ہے۔

دفعہ 17: کے تحت قیدیوں سے صرف ان کا نام، عہدہ، نمبر اور تاریخ پیدائش جیسی معلومات لی جاسکتی ہیں اس کے علاوہ ان سے کسی قسم کی معلومات لینے کے لیے دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا، اس شق کی امریکا نے تو دھجیاں اڑائیں۔ کیمپ ایکسرے میں قیدیوں کو مختلف خود ساختہ تصویروں کے ذریعے القاعدہ کی تربیت حاصل کرنے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔

دفعہ 18: اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قیدیوں کو اپنے کپڑوں اور دوسری اشیاء سے محروم کر دیا گیا۔

دفعہ 22: قیدیوں کی صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے رہنے کے لیے صاف اور کشادہ جگہ فراہم کی جانی چاہیے اور انہیں کوٹھریوں میں ہرگز نہیں رکھنا چاہیے۔

(کیمپ ایکسرے میں چڑیا گھر کی طرح پنجروں میں قیدیوں کو رکھا جاتا ہے)

دفعہ 25: اگر ممکن ہو تو ان کی رہائش کے لیے باقاعدہ کوارٹر مہیا کیے جائیں۔

دفعہ 26: جنگی قیدیوں کو مناسب مقدار میں غذا دینی چاہیے۔

دفعہ 27: دیگر بنیادی ضرورتوں میں جنگی قیدیوں کے کپڑوں، جوتوں اور زیر جامہ کا خیال رکھنا چاہیے۔

(سال کے 12 ماہ مالٹے رنگ کے کپڑے پہننے کو دیئے جاتے جو کہ نماز پڑھتے وقت دشواری پیدا کر دیتے)

دفعہ 28: جنگی قیدیوں کے ہر کیمپ میں کینٹین ہونی چاہیے۔

دفعہ 34: اس دفعہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مذہبی فرائض کی بجا آوری کے لیے مناسب سہولیات فراہم نہیں کی گئیں۔

دفعہ 38: اس کو نظر انداز کرتے ہوئے قیدیوں کو جسمانی ورزش سے محروم رکھا گیا۔

دفعہ 41: ہر قیدی کیمپ میں جنیوا کنونشن کا متن، خیمے اور کوئی دوسرا معاہدہ جو قیدیوں سے سلوک کے حوالے سے ہو، قیدیوں کی سمجھ میں آنے والی زبان میں موجود ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے لیے بنائے گئے بین الاقوامی قوانین کا مطالعہ کرسکیں۔

دفعہ 71-70: کے تحت قیدیوں کو اپنے اہل خانہ سے رابطوں اور خطوط لکھنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن گوانتانا موبے میں خط لکھنے کا موقع بہت کم فراہم کیا جاتا ہے۔

دفعہ 72: کے خلاف چلتے ہوئے قیدیوں کو کتابوں اور دوسرے تحائف سے محروم رکھا جاتا اور قرآن مجید کی توہین کے بارے تو تفصیلاً گزر چکا ہے۔

دفعہ 118: معاندانہ کارروائیاں ختم ہونے کے بعد جنگی قیدیوں کو رہا کر کے واپس ان کے ملک کو بھیج دیا جائے گا۔ اگر دونوں ملکوں میں پہلے سے ایسا کوئی معاہدہ نہ ہو تو جس ملک کے پاس قیدی موجود ہوں وہ بلا تاخیر خود قیدی رہا کر کے انہیں واپس بھیجے گا۔ اس بارے میں قیدیوں کو مطلع بھی کیا جائے گا، اگر دونوں ملکوں کی سرحدیں ملتی ہوں تو قید کرنے والا ملک انہیں اپنی سرحد تک پہنچائے گا وہاں سے قیدیوں والا ملک اپنے افراد کو سرحد سے آگے لے کر جائے گا۔ اگر سرحدیں نہ ملتی ہوں تو قید کرنے والا ملک قیدیوں کو اپنی سرحد کے اندر کسی مناسب جگہ پر پہنچا دے گا وہاں سے آگے کے اخراجات ان قیدیوں کا اپنا ملک ادا کرے گا۔ دونوں فریق باہمی رضامندی کے ساتھ اخراجات کی تقسیم کی شرح طے کر سکتے ہیں۔

جنیوا کنونشن کی دفعات بہت زیادہ ہیں یہاں پر چند پیش کر دی مزید یہ کہ اقوام متحدہ کا کوئی ممبر ملک قیدیوں کی تصاویر نہ دکھانے کا پابند ہے، لیکن امریکا نے نہ صرف ایکسرے کیمپ کے قیدیوں کی تصاویر شائع

کرائیں بلکہ ان کی فلمیں تک بنا کر ٹیلی ویژن پر چلا دیں۔ ایک دفعہ کے مطابق قیدیوں کو ہتھکڑیاں نہیں لگائی جاسکتیں لیکن ایکسرے کیمپ کے کسی قیدی کو جنیوا کنونشن کی ایک بھی سہولت حاصل نہیں، یہاں تک کہ انہیں دیکھنے، سونگھنے، سننے اور چھونے کا بنیادی حق تک نہیں مل رہا۔

امریکا کا گوانتانامو ایکسرے کیمپ ایک بار پھر ثابت کرتا ہے کہ دنیا کا ہر قانون ہر آئین طاقت کے ماتحت ہے۔ جس کے نزدیک حق اور باطل کا فیصلہ ہی اس کے ہاتھ ہے جو اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر چلے گا وہ اونچا کر دیا جائے گا اور جو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گا وہ ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن حق کی طاقت نہ نظر آنے والی ہے جس کا ہتھوڑا اگر برس جائے تو بڑی سے بڑی سپر پاور بھی پاش پاش ہو جاتی ہے۔

نامکمل خطوط

ہم دونوں بھائی گولف بلاک میں تھے کہ گھر سے استاد بدر کے نام پہلا خط موصول ہوا۔ مجھے دوسرے قیدیوں کے ذریعے بلند آواز کے ذریعے سے اطلاع دی۔ بہت خوش ہوا۔ خطوط کا یہ سلسلہ قید کے ۱۱ ماہ بعد شروع ہوا۔ چند دن بعد مجھے بھی گھر سے خط موصول ہوا اور میں نے بھی استاد بدر کو اطلاع دی۔ قیدیوں میں سے جن کے نام گھر سے خط آتا سب خوش ہو جاتے اور اس قیدی کو مبارکباد دیتے۔ کبھی کبھی وہ اپنا خط دوسروں کو پڑھاتا اور پنجرے کے قریب دوسرے قیدیوں کو پڑھنے کے لئے دے دیتا۔ ابتدائی دنوں میں جب ھمیں خط پہنچا تو اس پر ۸، ۹ ماہ گزر چکے ہوتے۔ پھر ھمیں دو، تین یا چار ماہ میں ایک بار ریڈ کراس کے توسط سے خط پہنچائے جاتے تھے مگر یہ خطوط نامکمل ہوتے دوم یہ کہ وہ تمام خطوط جو ہمارے گھروں سے ھمیں بھیجے جاتے وہ سارے ھمیں نہیں دیئے جاتے تھے۔ میرے بیٹے عبدالاحد نے ایک خط میں مجھے لکھا تھا کہ میں ہر ہفتے ایک خط ارسال کر رہا ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ پشاور میں ریڈ کراس کا دفتر ھمارے گھر کے بہت قریب ہے۔ چنانچہ مہینے میں چار خطوط تو صرف عبدالاحد کے ہوتے۔ باقی بیٹوں، بھائیوں، رشتہ داروں اور دوستوں کے ملا کر کافی زیادہ خطوط بنتے ہیں مگر ھمیں دو، تین مہینوں میں ایک یا دو خط دیئے جاتے تھے۔ ایسے قیدی بھی تھے جن کو سال میں ایک بار یا قید کی پوری مدت میں صرف ایک بار خط دیا گیا اور ایسے قیدی بھی تھے جن کو قید کی تمام مدت میں ایک بھی خط نہیں دیا گیا۔

جو خط ہمیں دیا جاتا وہ نصف یا نصف سے بھی کم ہوتا اور سیاہ مارکر کے ذریعے اس کے کئی حصے مٹا دیئے جاتے. کبھی کبھی بعض قیدی مٹائے ہوئے حصہ کو کسی نہ کسی طرح پڑھنے کی کوشش کرتے بعدازاں کمپیوٹر کے ذریعے خطوط مٹا دیے جاتے. بعض وہ عبارتیں جو مٹادی جاتی اور ھم انھیں کسی نہ کسی طرح پڑھنے میں کامیاب ہوجاتے ان میں ایسی کوئی بات نہ ہوتی کہ انھیں مٹا دیا جاتا مگر انتہائی کمینگی کی وجہ سے ایسا کیا جاتا. مثلا احترام کے الفاظ مٹا دیتے اور یہ اس لئے کیا جاتا کہ تم محترم نہیں ہو. ایک خط میں میرے بیٹے نے لکھا تھا کہ اخبار میں خبر آئی ہے کہ امریکہ نے اعلان کیا ہے کہ تمام بے گناہ قیدی جلد رہا کر دیئے جائیں گے. اس عبارت سے تمام کا لفظ مٹا دیا گیا تھا مطلب یہ کہ اگر سب بے گناہ بھی ہوئے تو سب رہا نہیں کئے جائیں گے بلکہ بعض بے گناہ قیدی بھی جیل میں قیدی رکھے جائیں گے. بعدازاں خطوط پانچ اور چار سے تین اور دو مہینوں میں ملنے شروع ہوئے. جو خط قیدی کے گھر والوں کی جانب سے لکھا ہوتا وہ کم از کم دو ماہ بعد نامکمل شکل میں قیدی کے ہاتھ آجاتا. یہ دو ماہ اس لئے لگتے کہ پہلے ترجمان اس کا ترجمہ کرتا پھر امریکی فوجیوں اور تفتیشی افسران کو دکھاتا. وہ اس کا جائزہ لیتے کہ کہیں قیدی کو اشارے، کنایے، رمز یا صراحت کے ساتھ کوئی پیغام یا نئی اطلاع تو نہیں دی جارہی ہے. تمام خطوط میں ایک طرز کی باتیں اور معنی چھوڑ دیئے جاتے کہ ھم اچھے ہیں اور آپ لوگوں کی صحت وسلامتی چاہتے ہیں. اور دعا سلام. کبھی کبھی دعا کے الفاظ بھی مٹا دیتے ایک جانب امریکی بزدلی اور خوف کے باعث ایسا کر رہے تھے کہ وہ خطوط کے بعض عبارات اور پیغامات سے ڈر رہے تھے دوسری جانب قیدیوں کو ذھنی پریشانی اور اندیشوں میں مبتلا کرنا چاہتے تھے.

ان خطوط میں سے ایک نمونہ ہے جسے امریکیوں نے بعض جگہ پر سیاہی پھیر کر مٹا دیا ہے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر میں نے کچھ عرصہ بعد گوانتانامو جیل میں نامکمل خطوط کے بارے میں یہ شعر بنائے:

آدھی خبر

دشمن لے آئے آدھی خبر   پرانی، نامکمل اور قدیمی خبر
ظالموں سے تھکا تھا اور شاکی تھا   میرے سامنے کافی رویا وہ سقیم خبر
آنکھ اس کی ایک اور زبان کٹی تھی   مگر گرم تھا باحوصلہ تھا حمیم خبر
مظلوم نے آدھی زبان میں کہا   کہ راستے میں ڈاکوؤں نے لوٹا ہے سلیم خبر
بیٹھا ہوں امید میں اور منتظر   لے آئی گی چاند اور کچھ نسیم خبر
تینوں کو یکجا کر دونگا پوری ہوجائے گی   بن جائے گی اس سے ایک عظیم اور عمیم خبر
دوست چاہتے ہیں وسیم خبر صمیم خبر   نہیں چاہتے میم کی خبر اور خیم کی خبر

نگرانی اور تجسس کے آلات

گوانتانامو جیل کے تمام کیمپوں، بلاکس، پنجروں، کمروں اور گھومنے والے بڑے جال میں جگہ جگہ جاسوسی کے آلات نصب کئے گئے تھے. پنجروں میں ہاتھ دھونے کی جگہ پانی کی جالی کے نیچے آلات سماعت نصب کئے گئے. جب ان میں کوئی خرابی آتی تو قیدی کو باھر نکال کر پنجرے میں پردے لگا کر انجینئر سے اس کی مرمت کروائی جاتی. بعض قیدیوں نے پردے کی اوٹ سے یہ عمل دیکھا تھا. اور میرے پنجرے میں ایک بار انجینئر سے جالی کے پیچ گھمانے اور مضبوط کرنے رہ گئے تھے. جب میں پنجرے میں واپس آیا تو جالی اٹھانے پر میں نے دیکھا کہ ایک جانب ایک چوکور آلہ نصب ہے جس میں بجلی کے تار لگے ہوئے ہیں.

چوتھے کیمپ میں ڈائننگ ہال کی دیواروں کے ساتھ جہاں کنکریٹ کے کھلے منڈیر کے اوپر لکڑی کے تختے بیٹھنے کے لئے نصب کئے گئے تھے. بعض عرب قیدیوں نے کس نہ کسی طرح وہ تختے ہٹا دیئے تو پتہ چلا کہ وہاں کئی طرح کے جاسوسی آلات نصب ہیں جن تک بجلی کی کیبل بچھائی گئی ہیں. عرب قیدیوں نے ان آلات کو توڑا اور کیبل کاٹ دیئے. امریکی فوجیوں نے بڑی ناراضگی کے ساتھ ضروری تعمیر و مرمت کے نام پر بلاک قیدیوں سے خالی کر کے ان آلات کو دوبارہ نصب کیا.

بعض سپاہی، ترجمان اور ریڈ کراس کے اہل کار بھی کبھی کبھی قیدیوں سے بات چیت کے دوران ان اشاروں سے بتادیتے کہ خفیہ جاسوسی آلات نصب ہیں وہ کچھ کہ نہیں سکتے.

گوانتانامو میں بزرگ اور کم عمر قیدی

گوانتانامو جیل میں سب سے معمر قیدی ۱۲۵ سال کا اور سب سے کم عمر قیدی ۱۰ ماہ کا ایک دودھ پیتا بچہ تھا. سب سے معمر قیدی صوبہ اورزگان کے ضلع دیراوت کا ایک بوڑھا تھا. انتہائی ضعیف العمری سے اس کی بھنوؤں اور پلکوں کے بال بھی سفید ہو چکے تھے. کانوں سے بہرہ بھی ہو چکا تھا اور باتوں کو بھی نہیں سمجھ رہا تھا ۱۰۵ اور سو سال کے عمر میں بعض دوسرے بوڑھے اور چند جوان بھی اس کے همراہ تھے. قیدیوں کا لباس چونکہ پتلون اور شرٹ باھم سلے ہوئے تھے چنانچہ رفع حاجت کے لئے جب بالٹی کے پاس گیا تو اسے سمجھ نہیں آئی کہ کپڑے کیسے اتاریں؟ چنانچہ بالٹی کے پاس کھڑا امریکیوں کو گالیاں اور بددعائیں دے رہا تھا. ھمارے ھال سے اسی کے علاقے کے ایک جوان نوراللہ کی نظر پڑی تو اس نے دور سے اشاروں میں اسے سمجھایا کہ کپڑے کیسے اتارنے ہیں اس کا ھال ہمارے والے ھال کے سامنے بائیں جانب تھا. جب پہلی بار فوجیوں نے اسے تفتیش کے لئے روانہ کیا تو اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے کہاں لے جایا جارہا ہے؟ تو سمجھا کہ مارنے کے لئے لے جارہے ہیں چنانچہ راستے میں رک گیا اور فوجیوں سے کہا کہ کافروں تم مجھے شہادت کے لئے لے جارہے ہو ٹھہرو پہلے میں دو رکعت نماز تو ادا کروں پھر مجھے لے جانا. دوسرے قیدیوں نے بتایا کہ پوچھ گچھ کے لئے جارہے ہیں ان کے ساتھ جاؤ. چند سوالات کریں گے پھر لائے جاؤ گے مگر بابا کو تسلی نہیں ہو رہی تھی اور وہ اپنے مؤقف پر قائم رہا. پھر دوسرے قیدی بھی جالی کے قریب ہوئے اور بڑی مشکل سے اسے سمجھایا. پھر وہ سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا. یہ بابا شیخ فانی تھا نہ کچھ سن سکتا تھا اور نہ ہی باتوں کو سمجھ رہا تھا مگر اسے بھی گوانتانامو منتقل کیا گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد رہا کیا گیا.

سب سے کم عمر قیدی دس ماہ کا ایک دودھ پیتا بچہ تھا کوئٹہ میں ایک افغان اپنے رشتہ داروں کے گھر گیا تھا وہاں سے وہ اپنے بچے کو ویکسین کے لئے ڈسپنسری لے گیا راستے میں آئی ایس آئی کے اہل کاروں نے پکڑا اور اس بچے سمیت امریکیوں پر فروخت کیا اور امریکیوں نے بھی بند آنکھوں سے اس دهشت گرد بچے کو گوانتانامو پہنچایا. باپ پنجرے میں تھا. بچہ پہلے کلینک میں تھا اور پھر ایک امریکی فیملی کے حوالے کیا گیا تھا.

دو سال بعد اسے اسی حال میں رہا کیا گیا کہ بچہ انگریزی میں بات کر رہا تھا اور اپنے باپ سے نابلد تھا. دنیا خود احساس کرے کے دس ماہ کا بچہ پکڑ کر قید کرنا اور گوانتانامو پہنچانا دہشت گردی ہے یا نہیں؟ آئی ایس آئی کے دہشت گردوں نے ایسے سینکڑوں افراد کو پکڑ کر امریکہ کے ہاتھوں فروخت کئے جو عمر کے لحاظ سے تو بڑے تھے مگر بے گناہی اور معصومیت میں اسی معصوم بچے کی طرح تھے باقی ۹، ۱۰، اور ۱۵ سال کے نوجوانوں سے لے کر ۱۲۵ سال تک عمر کے قیدی گوانتانامو جیل میں تھے.

خاتون قیدی

خودھم نے کوئی خاتون قیدی تو نہیں دیکھی مگر دیگر قیدیوں سے ملنے والی مستند معلومات کے مطابق آئی ایس آئی کی جیلوں میں بعض عربوں کی بیویاں دیکھی گئی ہیں. باگرام میں ایک پنجابی خاتون (مبینہ عافیہ صدیقی) بھی قید تھی. کئی قیدیوں نے دیکھا کہ وہ اکثر روتی رہتی تھی. بالاخر اس کا دماغی توازن خراب ہوا. اسے بھی مرد قیدیوں کی طرح زنجیروں اور بیڑیوں میں باندھ کر تفتیش کے لئے لے جایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ باقی رویہ بھی ایسا رکھا جاتا تھا جس طرح دیگر مرد قیدیوں کے ساتھ رکھا جاتا. اس کا فائل نمبر ۶۵۰ تھا.

یاد رہے کہ عافیہ صدیقی پوری اسلامی اُمت کی ماں اور بہن کی نمائندگی کرتی ہے لیکن دولت کے پجاریوں نے اس عفت مآب بہن کو بھی ڈالروں کے عوض بیچ ڈالا اور اس کی رہائی کے معاملے میں بھی نہ صرف خاموش تماشائی بن گئے بلکہ پاکستان نے اپنی عوام کو دھوکا دینے کے لئے امریکا سے کہہ دیا کہ اسے غزنی سے پکڑے جانے کی من گھڑت سٹوری شائع کی جائے اصل حقیقت ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ عافیہ صدیقی کو آئی ایس آئی نے کراچی سے گرفتار کر کے امریکہ کے حوالے کر دیا۔ اس سلسلے میں 2002ء کے اخبارات کو دیکھ کر آپ خود اپنی رائے قائم کریں۔

درج بالا جھوٹ بھی پاکستان میں ڈراؤن میزائلوں کے حملوں جیسا ہے جو کہ امریکی سینٹ کی انٹیلی جنس کمیٹی کی سربراہ سینٹر ڈائین فائنسٹائن نے صاف کہا ہے کہ جاسوس طیارے پاکستان سے ہی پرواز کرتے ہیں۔ جنرل اسلم بیگ نے بھی ڈرون حملہ کے بارے سنسنی خیز انکشافات کئے اور یہ وضاحت کی ہے کہ بغیر پائلٹ کے جاسوس طیارے پاکستان میں تربیلا کے مقام سے اڑ کر پاکستانی عوام پر بمباری کر رہے ہیں ڈراؤن جہاز کا اسلام آباد کی بغل ہی سے اڑ کر ہمارے مسلمان بھائیوں کو نشانے بناتے ہیں اور امریکی سی آئی

اے نے باقاعدہ اس کی تصدیق بھی کی ہے لیکن اسلام آباد نے جھوٹے احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ناپاک لشکر کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے اور عافیہ صدیقی کا ان کافروں اور مرتدین سے بدلہ لینے کی توفیق عطا فرمائیں۔

قندھار کی امریکی جیل کی کہانی ایک عرب بیان کرر ہا تھا کہ آئی ایس آئی نے ایک عرب اور اس کی بیوی دونوں میاں بیوی کو امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کیا تھا. دونوں کو الگ الگ رکھا گیا تھا پھر قندھار میں تفتیش کے خیمے میں وہ بیٹھا تھا کہ اس کی بیوی کو بھی مکمل برھنہ حالت میں لایا گیا. اس کے سر کے بال منڈھوائے گئے تھے. اسے شوہر کے سامنے لاکر کھڑا کیا گیا. وہ رو رہی تھی اور اس کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھی.

گوانتانا مو میں ایک عرب قیدی نے امریکی تفتیشی افسر کی میز پر ایک صفحہ دیکھا جو غلطی سے میز پر پڑا رہ گیا تھا. اس پر مختلف سوالات تحریر تھے کہاں پکڑی گئی ہو؟ کب پکڑی گئی ہو؟ تمہارا شوہر بھی تمہارے ساتھ پکڑا گیا؟ حاملہ تو نہیں ہو؟ اور جواب کے خانے میں لکھا تھا کہ لاہور پاکستان میں پکڑی گئی فلاں تاریخ تھی. شوھر بھی ساتھ پکڑا گیا. حاملہ ہوں بعض سپاہیوں نے بھی بعض قیدیوں کو بتا دیا تھا کہ خواتین قیدی بھی ہیں.

حال ہی میں کچھ انکشافات سامنے آئے جن میں برطانوی نومسلم خاتون مریم جن کو طالبان کے دور میں صحافتی سرگرمیوں کے دوران گرفتار کیا گیا اور ایک ماہ سے کم عرصہ میں طالبان کی قید میں وقت گزار چکی ہے جس کا نام ایوان ریڈلی ہے۔ نومبر 2008ء کے پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے مریم نے جماعت اسلامی نوشہرہ کے خواتین کے اجتماع کے دوران ایک بیان دیا کہ افغانستان کی متعدد جیلوں میں مسلمان خواتین جن میں پاکستانی اور عرب خواتین بھی شامل ہے اور کئی سالوں سے قید ہے ان خواتین کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جا رہا ہے امریکی حکومت اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹی کہانیاں گھڑتی ہیں۔

قیدیوں میں امریکیوں کے جاسوس

قیدیوں میں امریکیوں کے بعض جاسوس بھی تھے. جو امریکیوں کی طرح احمق تھے اور بہت جلد ان کا پتہ چلتا تھا. قندھار میں بحرین کا عیسی نامی عرب تھا. کبھی اسے ایک خیمے میں اور کبھی دوسرے خیمے رکھا جاتا. لوگوں کا خیال تھا کہ یہ جاسوس ہے. اس نے تھوڑی تھوڑی انگریزی بھی سیکھ لی تھی. امریکہ بھی جا چکا تھا اور امریکیوں سے اس نے (بائبل) بھی لی ہوئی تھی جس کا مطالعہ کرتا تھا. خیموں میں قیدیوں کی ترجمانی بھی کرتا اور

فوجیوں سے زیادہ باتیں بھی کرتا تھا. انتہائی بدعمل اور لوفر معلوم ہو رہا تھا. چند دن ہمارے ساتھ خیمے میں تھا. فوجیوں کے پیک شدہ خوراک کی تقسیم میں بھی دھوکہ کرتا تھا کیرم بورڈ اور شطرنج کھیلتا تھا. دن رات اسی میں لگا رہتا. میں نے ایک دن اسے کہا کہ کھیلنے کے لئے ایک وقت مقرر کرو. ہر وقت مت کھیلو دوسرے لوگ سوئے ہوتے ہیں اور تم کیرم بورڈ کھیلتے ہو. اس نے میری بات نہیں مانی. میں نے کیرم بورڈ خیمے سے باھر پھینک دی. عیسی بحرینی نے فوراً امریکی فوجیوں سے میری شکایت کی اور کہا کہ یہ بڑا دھشت گرد ہے اور القاعدہ، طالبان اور دیگر دھشت گرد تنظیموں سے روابط رکھتا ہے. اور مجھے کیرم بورڈ اور شطرنج کھیلنے نہیں دیتا اور مجھ سے کیرم بورڈ لے کر باھر پھینک دیا ہے. ایک فوجی افسر آیا اس نے مجھے خیمے کے باھر دھوپ میں گھٹنوں کے بل کھڑا کر دیا اور عیسی بحرینی سے کہا کہ تمہاری خوشی کے لئے اسے سزا دی گئی ہے اور ہم ہر وہ کام کریں گے جس پر تمہیں خوشی ہو. بعد آزاں ایک اور فوجی افسر آیا. اس نے مجھے بہت برا بھلا کہا اور کہا کہ تم بڑے دہشت گرد ہو یہاں بھی دہشت گردی کرتے ہو تم لوگ کبھی بھی رہا نہ ہوگے اور اپنے عمل کی سخت سزا پاؤ گے. عیسیٰ کو لوگوں نے سخت لعن طعن کیا وہ میرے پاس آیا میرے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا اور معذرت خواہی کی اور کہا کہ "**سامحنی**" میں نے اسے دھکا دیا وہ پیچھے کی جانب گرا. پھر میں نے گوانتانامو میں اسے کچھ دیر کے لئے مائیک بلاک میں دیکھا. اس نے مجھے بتایا کہ میں تائب ہو چکا ہوں میں سوچ رہا تھا کہ امریکیوں کو اس طرح ورغلا کر خود کو رہا کروالونگا.

امریکیوں کے جاسوس سب اسی طرح کے تھے کہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر امریکیوں کو دھوکہ دے اور آزادی حاصل کریں. امریکیوں کے لئے جاسوسی کرنے والا ایک گروہ اور بھی تھا جو شیعوں کا تھا. چار شیعہ جو علی، ارکان، حسن اور حیدر نام کے تھے. بڑے خبیث تھے اور پانچواں یمنی شیعہ باسردہ نامی تھا. وہ بھی ان کے گروپ میں تھا. چھٹا ایرانی عبدالمجید تھا جو بڑا احمق تھا. کھل کر کہتا تھا کہ میں امریکیوں کے لئے جاسوسی کر رہا ہوں اور تفتیش کے دوران مجھے سگریٹ اور بہت کچھ مہیا کیا جاتا ہے ایک افغان شیعہ ڈاکٹر علی شاہ تھا جس نے ایران میں تعلیم حاصل کی تھی اور وہ بھی ان شیعوں کے گروپ میں شامل تھا اور ان کے ساتھ قریبی روابط رکھتا تھا. لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ایران کے لئے کام کرتا ہے. ایران کی حمایت کرتا تھا اور جیل میں بھی عراقیوں کی حمایت کرتا تھا. یہ گروپ شیو بھی کرتے تھے اور خواتین فوجیوں کے ساتھ باتیں بھی کرتے تھے. چوتھے کیمپ میں نیکر میں بھی پھرتے تھے اور امریکی احمقوں کو استعمال کرتے تھے. مذہبی تعصب کی خاطر معاذ اللہ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کو گالیاں بھی دیتے تھے. چوتھے کیمپ میں باقی قیدی ان کی وجہ سے کافی مشکل میں تھے. پنجروں میں یہ فاسد گروپ مشکل سے دوچار تھا کیونکہ وہاں سارے قیدی انہیں برا بھلا کہتے. مگر چوتھے کیمپ میں یہ سب ایک کمرے میں اکٹھے ہو گئے تھے. امریکی احمقوں کو کبھی کہتے کہ قیدیوں نے چاقو بنائے ہیں اور فوجیوں پہ حملہ آور ہونا چاہتے ہیں وہ تمام بلاکس کی سختی سے تلاشی لیتے مگر انہیں کچھ نہ ملتا. کبھی کہتے کہ قیدیوں نے باہم تحریری پیغامات کا تبادلہ کیا ہے وہ پھر مکمل تلاشی لیتے مگر امریکیوں کے ہاتھ کچھ نہ آتا. کیونکہ ایسے کام ممکن نہیں تھے. مگر پھر بھی وہ امریکیوں کو کبھی کچھ اور کبھی کچھ کہتے تھے اور وہ ان کی جھوٹی باتیں درست اور سچ سمجھتے. ارکان امریکی خواتین فوجیوں کے ساتھ آہنی جال میں شطرنج اور دیگر گیمز بھی کھیلتا اور یہ سب خواتین فوجیوں کو جنسی اشارے اور حرکتیں بھی کرتی تھیں. ارکان طالبان دور میں قید ہوا تھا. آخری دنوں میں قندھار جیل سے بھاگ گیا تھا. کہا جاتا تھا کہ یہ سب صدام اور افغانستان کے ہمسایہ ممالک کے لئے جاسوسی کرتے تھے. امریکی اسی گروپ کے ساتھ بڑی رعایت کرتے اور وہ اسی رعایت سے مزموم فوائد اٹھاتے. کئی قیدیوں کے خلاف انہوں نے جھوٹی گواہی دی تھی کہ یہ القاعدہ میں تھے. ان کے شیطانی عمل کے نتیجے میں کئی قیدی پانچویں کیمپ بھجوائے گئے.

ہمارے بارے میں چوتھے کیمپ میں انہوں نے فوجیوں اور تفتیشی افسران سے کہا تھا کہ مسلم دوست لوگوں کو فتوے جاری کرتا ہے. تمام قیدی بالخصوص عرب ان کا بڑا احترام کرتے ہیں. یہ شطرنج کو حرام کہتا ہے. آپ کے لائے ہوئے گوشت کو حرام کہتا ہے اور اس طرح کے اور....... یہاں تک کہ تفتیشی افسران نے ہر بلاک سے ایک دو قیدی طلب کئے اور ان سے میرے بارے میں سختی کے ساتھ پوچھ گچھ کی اور بعض قیدیوں کے لئے نارنجی لباس منگوا کر انہیں واپس پنجروں میں سزا کے لئے بھجوا دیا. مثلاً افغانوں میں مرورہ کنڑ کے اختر نامی قیدی سے اس قسم سوالات کئے اس نے جواب دیا کہ مجھے پتہ نہیں. استاد بدر سے بھی تفتیش کے دوران ایسے سوالات کئے اور انہیں کہا کہ لوگ تمہارے بھائی مسلم دوست کا احترام کیوں کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ تو کوئی بری بات نہیں اس سے آپ لوگوں کو کیا تکلیف ہے؟ مجھے بھی تفتیشی افسران نے کہا کہ تم فتوی جاری کرتے ہو. میں نے ان سے کہا کہ یہاں نماز، روزہ وضو اور اس طرح کے مسائل پوچھے جاتے ہیں. جن سے آپ کا کوئی تعلق نہیں. مجھے جو معلومات حاصل ہیں میں لوگوں کو بتاتا ہوں یہ ہمارا دین ہے اور اسی کے متعلق اپنے علم کی روشنی میں لوگوں کو کچھ بتانے سے میں مفتی نہیں بن سکتا. پھر میں نے ان سے پوچھا کہ بکری کی مینگھنے کھانے کے لئے ہیں کیا انھیں کھایا جائے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں میں نے اسے کہا کہ تم بھی مفتی

ہوگئے ہو کیونکہ تم نے مینگھنے نہ کھانے کا فتوی دے دیا. مختصر یہ کہ ان شیعوں سے ھم سب قیدی سخت مشکل میں دوچار تھے. قیدی انھیں قنوت نازلہ اور دیگر دعاؤں کے موقعوں پر بد دعائیں بھی دیتے تھے. بالآخر ارکان اور باسردہ میں لڑائی ہوئی جس میں باسردہ کے ناک سے خون بھی جاری ہوا. یہ سب باھم اختلافات کا شکار ہوئے اور شرمندہ و منتشر ہوئے علی کو پانچویں کیمپ اور باقی کو واپس پنجروں میں بھجوایا گیا.

میں نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ گویا گوانتانامو میں قیدیوں کے لئے پچھلے دنوں میں جو گوشت لایا جاتا ہے وہ حرام ہے کیونکہ کئی ایسے شواھد تھے جو اس گوشت کے حلال ہونے کی دلالت کرتے تھے. میں خود بھی کھاتا تھا اور دوسروں سے بھی کہتا تھا کہ اسے کھائیں. علی اور استاد بدر کا تفتیشی افسر ایک ہی تھا. ایک دن وہ بلاک میں آیا. استاد بدر نے اسے کہا کہ ھم نے کب کہا ہے کہ یہ گوشت حرام ہے؟ وہ بہت خجل ہوا اور خود کو جھوٹا ثابت کیا اور کہا کہ آپ لوگوں نے نہیں کہا ہے. عراقی شیعوں میں ایک ابوفاطمہ نامی بھی تھا مگر اس کا ظاہراً سلوک اچھا تھا اور فتنہ پردازی اور جاسوسی بھی نہیں کرتا تھا. ایرانی شیعہ عبدالمجید نے گلے میں صلیب لٹکائی تھی اور انتہائی خوشامد کے مارے امریکیوں کو بھائی بھی کہتا تھا.. علی اور ارکان چوتھے کیمپ میں فوجیوں کے مشورے سے برتن لے جانے کے وقت کمرے سے نکلتے اور جو چیز انھیں پسند ہوتی وہ کھا لیتے تھے. جب ان کے کھانے کی باری پہلے ہوتی تو کھانا کھانے کے بعد باقی برتن میں ریت ڈالتے تا کہ دوسرے اسے نہ کھاسکیں. کبھی کبھی اجتماعی باتھ رومز کے ساتھ گندگی ڈال دیتے اور فوجیوں کو دوسرے قیدیوں کے نشاندھی کرتے کہ یہ انھوں نے کیا اور فوجی انھیں کئی دن تک گھومنے سے منع کر کے سزا دیتے. اور بلا وجہ انھیں سزا ملتی. تیسرے کمرے اور عمومی باتھ رومز کے درمیان دیوار میں سوراخ ہوا تھا. ان شیعوں نے کئی بار اس سوراخ میں باتھ روم کا پائپ رکھ کر کمرے میں پانی چھوڑ دیا. مختصر یہ کہ یہ انتہائی پلید شیطان تھے. قندھار میں ارکان کے ساتھ عبدالحکیم بخاری، صدیق ترکستانی اور.. بھی قید تھے. صدیق ترکستانی اچھا آدمی تھا اور عبدالحکیم بخاری سعودی انٹیلی جنس اداروں نے جاسوسی کے لئے افغانستان بھجوایا تھا جہاں گرفتار ہوا. امریکیوں کے مزید جاسوس افغانوں اور پاکستانیوں میں بعض لوفر اور بدمعاش تھے جو حقیقت میں اسلام کے نام پر قید نہیں تھے بلکہ چوری، جاسوسی، دھوکہ دھی، پھاٹک کھولنے اور دیگر جرائم کی بنیاد پر پکڑے گئے تھے. مگر ایک بات حقیقت ہے کہ جاسوسوں میں ابھی تک ایک بھی رہا نہیں ہوا کیونکہ وہ وہاں ان سے آخر تک کام لینا چاہتے ہیں.

قیدیوں سے امریکیوں کی اعصابی ونفسیاتی جنگ

گوانتانا مو میں قیدیوں کے ساتھ امریکی فوج اور تفتیشی کار اعصابی جنگ میں لگے ہوئے ہیں. قیدیوں پر جسمانی تشدد کے ساتھ ساتھ اعصابی دباؤ بہت زیادہ ڈالا جاتا ہے. نفسیاتی دباؤ کے چند نمونے یہ ہیں.

① پنجروں کی مشکل ترین زندگی جس کی تفصیل بیان کی گئی ہے.

② انتہائی گرم یا انتہائی سرد کمرے میں قیدی کو بٹھانا جو جسمانی تشدد بھی ہے اور نفسیاتی بھی.

③ تفتیش کے کمرے میں قیدی کو چند گھنٹوں یا ایک دن رات کے لئے اکیلا باندھا ہوا چھوڑنا. یہاں تک کہ انسانی ضرورت بھی اس جگہ رفع ہو جائے یہ بھی جسمانی اور نفسیاتی تشدد کی ایک شکل ہے.

④ ایسے کمرے میں قیدی کو اکیلا چھوڑنا جہاں عریاں اور جنسی تصاویر لگی ہوں.

⑤ تفتیش کے کمرے میں جہاں قیدی بند ہو بالکل سامنے دیوار پر دو بلب نصب ہیں. قیدی کو وہاں اکیلا چھوڑا جاتا ہے اور بلب روشن کئے جاتے ہیں جو جلتے بجھتے ہیں اور ان کی خطرناک شعائیں قیدی کی بصارت پر سخت برا اثر کرتی ہیں اور اس کا دماغ گھوم جاتا ہے. یہ بھی جسمانی اور نفسیاتی تکلیف کی ایک شکل ہے.

⑥ قیدی کو انتہائی برا بھلا کہا جاتا ہے اور سخت باتیں کی جاتی ہیں اسے کہا جاتا ہے کہ اس قید سے زندگی بھر نہیں نکل سکو گے اور نہ ہی کبھی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو کبھی دیکھ سکو گے.

⑦ تفتیش کے کمروں اور گھومنے کے آہنی جنگلے کے اندر قیدیوں کے ممالک کی خوراک اور مناظر کی تصویریں لگا دی گئی ہیں تا کہ قیدی کو اپنا ملک، علاقہ اور گاؤں و گھر کی یاد آئے اور اسے درد، دکھ محسوس ہو.

⑧ تفتیش کے کمروں، ڈسپنسری، ہسپتال اور گھومنے پھرنے کے آہنی جال کے احاطے میں بوڑھے ماں باپ کی تصویریں لگا دی گئی ہیں اور مختلف زبانوں میں اس کے ساتھ تحریر ہے کہ بیٹے تیرے بغیر میری زندگی بہت مشکل میں ہے تم کب تک آؤ گے. اس طرح بچوں اور بیویوں کی بھی لگوا دی گئی ہیں. وہ رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کی پرورش کے بغیر ہم بڑے ہو رہے ہیں اور مشکلات سے

بھری زندگی گزار رہے ہیں.

⑨ ایک پوسٹر پر ایک بچے کی تصویر کے ساتھ لکھا ہوتا ہے کہ تمہارا بیٹا یا تمہاری بیٹی، تمہاری گرفتاری کے وقت. پھر اس سے تھوڑی بڑی تصویر جس پر لکھا ہوتا ہے تمہاری گرفتاری کے تین سال بعد اور پھر اسی ترتیب سے ۲۵ سالوں تک جوان تصویر کے ساتھ گرفتاری کے ۲۵ سال بعد تمہاری بیٹی یا بیٹا. یوں قیدی کو یہ احساس دلا کر ذہنی دباؤ میں ڈالا جاتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک یہاں قید رہے گا اور اسی کے بچے اس کی عدم موجودگی میں بڑے ہوں گے.

⑩ بعض پوسٹروں پر اس طرح ماں، باپ، بچوں اور بیوی کی جانب سے لکھا ہوتا ہے کہ تفتیشی افسران کے ساتھ تعاون کرو، سچ بولو اور جلد اپنے گھر آ جاؤ.

⑪ عرب کھانوں، اونٹوں، کھجور کے باغات کی دلکش تصویروں پر مشتمل پوسٹر، اسی طرح افغانی تندور کی مختلف قسم کی چھوٹی بڑی نان کی تصویریں، سیخ کباب اور دیگر دلکش تصویریں ہوتی ہیں امریکی دنیا پرستوں کی رال ان تصویروں کو دیکھ کر ٹپکتی ہے مگر الحمدللہ ھم پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا.

⑫ قیدیوں کو نیند نہ کرنے دینا، نیند سے بے وقت جگانا، غصہ دلانے اور دبانے کے لئے بلاک میں تعینات سپاہی آدہی رات کو دونوں جانب سے پانی کے پائپ جن کے سروں پر لوہا لگا ہوتا ہے بلاک کے درمیانی راستے کو دھونے کے بہانے لے آتے. جس کے آہنی سروں کو فرش پر کھینچے سے عجیب طرح کا شور پیدا ہوتا جس سے سوئے ہوئے لوگ جاگ جاتے اور ان کے دماغوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے.

⑬ کبھی ایک بلاک سے دوسری بلاک کی جانب پتھر پھینکتے ہیں جو آہنی جال کے ساتھ رگڑ کھاتے اور اس سے پیدا ہونے والے شور سے بھی قیدی جاگ جاتے ہیں.

⑭ بھاری بوٹوں کے ساتھ بلاک کے درمیان آدھی رات کو تیز تیز چلتے ہیں. نعرے لگاتے ہیں اور مرد و خواتین فوجی کھیلتے اور ہنسی مزاق کرتے ہیں.

⑮ آدھی رات، سحری اور فجر کے اوقات اور دیگر نازک و نامناسب اوقات میں قیدیوں کو تفتیش کے لئے لے جانا اور وہاں ان کے ساتھ سختی اور تشدد کرنا.

⑯ امریکی قرآن کریم کی بے حرمتی اور دینی شعائر کا مذاق بھی اس لئے اڑاتے ہیں کہ قیدی کو ذہنی اور

نفسیاتی دباؤ میں مبتلا کریں.

⑰ داڑھی اور بھنوئیں مونڈھنا بھی ذہنی ونفسیاتی دباؤ کے لئے کیا جاتا ہے.

⑱ مشین کے سامنے بٹھانا اور کہنا کہ یہ مشین تمہارے جھوٹ اور سچ کو معلوم کرے گا. یہ بھی ذہنی دباؤ کی ایک کوشش ہے.

⑲ جب قیدی غسل کر رہا ہو اور جسم پر صابن مل لے تو سپاہی اس پر پانی بند کر دیتے ہیں اور اسی طرح صابن ملے جسم کے ساتھ باھر نکال دیتے ہیں کہ اسے نفسیاتی اور ذہنی طور پر دبا دیا جائے.

⑳ گھومنے کی جگہ سے وقت سے پہلے واپس لانا. مثلاً آدھے گھنٹے یا ۲۰ منٹ کی بجائے نصف وقت یا چوتھائی وقت کے بعد واپس لانا.

CIA، FBI اور امریکی فوج کی حماقتیں

پہلے ھم سمجھتے تھے کہ امریکی اتنے احمق نہیں ہوں گے جتنا ھم نے دیکھا. باقی امریکی تو ھم نے نہیں دیکھے مگر فوجی اور انکی انٹیلی جنس ایجنسیوں والے سی آئی اے اور ایف بی آئی کے اہل کار اکثر و بیشتر انتہائی احمق ہیں فوجیوں کے بارے میں تو یہ مشہور ہے کہ ہر جگہ کے فوجی احمق ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ عقل وفہم عاقلوں کی محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے، تعلیم وتربیت اور زندگی کے دیگر شعبوں میں ہر طرح کے گرم وسرد سے گزرنے اور دیگر تجربات سے ملتی ہے. اور فوجی ان تمام چیزوں سے محروم رہتے ہیں. فوجی صرف لفٹ، رائٹ، سٹینڈ، سٹ، اباؤٹ ٹرن اور دیگر فوجی اصطلاحات اور جنگ و جدل کے سوا کچھ نہیں جانتا. اس لئے بدتمیز اور بداخلاق ہوتا ہے اور کمانڈر کی ھدایت پر اپنی جان دے دیتا ہے. اس کے علاوہ نہ تو سوالات کرسکتا ہے اور نہ سوالات کا حق رکھتا ہے. بات کو نہ بڑھانا چاہتے ہیں اور نہ ہی چھوڑنا چاہتے ہیں. ھم بتا رہے تھے کہ امریکی تفتیشی افسران اور فوجی بڑے احمق ہیں. فوجی اور سپاہی تو ہوتے ہی ایسے ہیں مگر تفتیشی افسران اور انٹیلی جنس اداروں کے اہل کار تو ریاست کی جان ہوتے ہیں وہ بڑے ذھین، زیرک اور فہم ادراک والے افراد ہوتے مگر جس ملک کے فہم وادراک والے لوگ ایسے احمق ہوں تو ان کے عوام کا کیا حال ہوگا؟ کئی حماقتیں تو ایسی ہیں جن کا لکھنا ھم مناسب نہیں سمجھتے. کیونکہ ان حماقتوں کا اظہار اب بھی ہو رہا ہے اور امریکیوں کی یہ حماقتیں قیدیوں کے فائدے میں ہیں اور اگر ہم انھیں تحریر کریں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان پر توجہ دے اور انھیں ترک کر دیں اور جس سے

قیدیوں کونقصان ہوگا.مگر بعض حماقتوں کا ذکر مثال کے طور پر کرتے ہیں.

ایک تفتیشی افسر جس کے پاس ہر وقت قیدی کی فائل ہوتی ہے اور اسے پڑھا ہوتا ہے اور قیدی کے متعلق تمام معلومات اس میں درج ہوتی ہیں. مگر اس کے باوجود ایک تفتیشی افسر نے ایک قیدی سے کہا کہ ھم نے تمہارے باپ کو بھی گرفتار کرلیا ہے. اس نے کہا یہ تو بڑی اچھی بات ہے. اس نے پوچھا کس طرح اچھی بات ہے؟ اس نے کہا کہ میرا باپ ۲۰ سال پہلے انتقال کر چکا ہے اور یہ میں نے تمہیں بتایا ہے اور اس فائل میں تحریر بھی ہے. اب اگر آپ لوگوں نے اسے پکڑا ہے تو یقیناً وہ دوبارہ زندہ ہو چکا ہوگا اور اب زندہ ہوگا. اور آپ لوگوں نے اسے پکڑا ہے تو اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں. کچھ عرصہ ادھر رہے گا پھر رہا ہو جائے گا. تفتیشی افسر نادم و خجل ہوا اور کوئی جواب دیئے بغیر دوسری بات شروع کی. بعض تفتیشی افسر پوچھتے کہ ھم پر کب حملہ کیا جائے گا؟

تم بڑے ہو کہ تمہارا بیٹا؟

بعض ایسے کام جو سپاہیوں کے لئے سود مند ہوتے اور قیدی انھیں مشورہ دیتے کہ ایسا کریں. مگر انھیں جیسا کہا گیا ہوتا وہ ویسا ہی کرتے اور اسی بات کا خیال نہ رکھتے کہ حالات اور شرائط ایسا کرنے کے حق میں ہیں یوں قیدیوں کا اچھا مشورہ بھی نہ مانتے! قندھار سے کیوبا لے جاتے وقت جب قیدیوں کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور ہاتھ پشت کی جانب اور پاؤں کی زنجیریں طیارے کے فرش میں لگے ہک کے ساتھ بندھے تھے. قیدیوں سے کہا گیا کہ اگر کسی کی کوئی ضرورت ہو تو وہ ہاتھ پیر اٹھا دیا کرے یہ سوچے بغیر کہ بندھے ہوئے ہاتھوں پاؤں کے ساتھ یہ ہاتھ یا پیر کیسے اٹھ سکیں گے؟ جب ھم نے انھیں کہا کہ ایسا تو نہیں ہو سکتا تو ہنسے اور شرمندہ ہوئے.

جیسا کہ پہلے ھم نے بتایا کہ قیدیوں میں سے ایک ایران اور چند عراق کے شیعہ تھے. وہ سنیوں کے ساتھ انتہائی تعصب کرتے تھے. امریکیوں کے لئے جاسوسی کرتے تھے. امریکی بغیر کسی تصدیق کے ان کی ہر بات مانتے تھے مثلاً وہ کہتے کہ قیدیوں نے چھریاں بنالی ہیں اور تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں. وہ فوراً کافی تعداد میں مزید فوجی دستے بلا دیتے اور تمام بلاکوں کا محاصرہ کر کے تلاشی لے لیتے. کچھ ان کے ہاتھ نہ آتا مگر یہ نہ سوچتے کہ قیدی کس طرح چھریاں بنا سکتے ہیں؟ اور ان سے یہ بھی نہ کہتے کہ تمہاری اطلاع تو جھوٹی نکلی. بلکہ الٹا انھیں تھپکی دیتے اور اگلے روز وہ کوئی اور اطلاع دیتے اور پھر بغیر کسی تصدیق کے اس کو سچ مان لیتے. اور پھر اسی

طرح دستے منگوا کر محاصرہ کر کے مکمل تلاشی لے لیتے. پھر ان کے ہاتھ کچھ نہ آتا وہ اطلاع بھی غلط ثابت ہوتی مگر ان کی اطلاع پر مسلسل اس طرح کی کاروائی ہوتی رہتی. اور وہ امریکیوں کی حماقت سے فائدہ اٹھاتے اور انھیں دوڑاتے رہتے مگر امریکی سمجھتے نہیں تھے اور انھیں شاباش دیتے اور انھیں سہولتیں اور مراعات دیتے اور انھیں سچا سمجھتے.

ان باتوں کے علاوہ امریکہ کہ بڑے سیاست دان، جنرلز اور اعلی ترین احکام اس لئے بھی بڑے احمق ہیں کہ آئی ایس آئی کے جنرلز انھیں ہمیشہ ورغلاتے ہیں. بے گناہ لوگ ان کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں. اپنے دشمنوں پر وار کے لئے ان کا کندھا استعمال کرتے ہیں اور کر رہے ہیں. دھشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر مختلف منصوبوں، پروگراموں اور ڈراموں اور جھوٹ کے ذریعے امریکیوں سے ڈالر، وسائل اور اسلحہ لیتے ہیں اور کوے کی طرح گند کھا کر چونچ ہلاتے ہیں اور امریکی بند آنکھوں سے ان کی ہر بات درست مانتے ہیں جن کے نمونے پہلے گزر چکے ہیں. اور بعض آئندہ صفحات میں ذکر ہوں گے. اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ امریکی احمق ہیں یا نہیں؟

امریکی خود کو پوری دنیا کے حکمرانی اور خود کو ہر کسی سے زیادہ سمجھدار گردانتے ہیں. دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں. جو سب سے بڑی حماقت ہے. اور ان کی باقی تمام حماقتوں کا سرچشمہ یہی حماقت ہے اور ان کی تمام تر مشکلات و تکالیف کا سبب یہی غرور اور حماقت ہے. امریکی تفتیشی افسران ہم سے بہت جھوٹ بولتے. امریکیوں جیسے جھوٹے میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھے. ان کی سب سے بڑی حماقت یہ تھی کہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ ھم ان کے جھوٹ کو نہیں سمجھ رہے ہیں. وہ ھماری زندگی اور عادات سے بے خبر تھے اور ھماری زندگی اور طور طریقوں کو بھی اپنے جیسا خیال کر رہے تھے. وہ جب ھم سے اپنے سفر کے بارے میں سوالات پوچھتے تو عام دیہاتی بس کے سفر کے حوالے سے بھی کمپیوٹرائز ڈ ڈائری کا حوالہ پوچھتے.

امریکی افواج کے بے اندازہ اخراجات

امریکی افواج ویسے بھی بڑی ناز و نعمت میں پلی ہیں مگر افغانستان پر حملہ انھیں بہت سخت اور گراں پڑا ہے امریکیوں کے مقابلے میں روسیوں کے اخراجات بہت کم تھے. کیونکہ اس وقت سوویت یونین ختم نہیں ہوا تھا اور سوویت یونین اور افغانستان کے درمیان صرف دریائے آمو تھا چنانچہ وہ زمینی راستے سے بڑی آسانی

کے ساتھ فوجی سپلائی جاری رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ افغانستان کے اندرونی وسائل بھی استعمال میں لاتے تھے اور امریکیوں کے مقابلے میں بڑے جری اور بہادر تھے۔ ہر کام خود کرتے تھے.... اور ان کے نظریاتی حامیوں کی تعداد اور جرأت بھی زیادہ تھی۔ افغانستان میں امریکیوں کو تمام تر سپلائی بیرون ملک سے کی جا رہی ہے جن میں اکثر امریکہ سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر امریکی فوج اپنی بزدلی اور خوف کے باعث افغانستان میں اپنے کٹھ پتلیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ فوجیوں کے لئے خوراک امریکہ سے اور پینے کا پانی کویت، بحرین اور خلیج کے دیگر ممالک سے آتا ہے۔ انٹیلی جنس سے لے کر دیگر سارے کام دوسروں سے لیتے ہیں۔ جن پر کافی اخراجات آتے ہیں۔ یہاں تک کہ لکڑی افغانستان سے دیگر ممالک کو برآمد ہوتی ہے مگر ہم نے قندھار میں دیکھا کہ لکڑی کے بڑے بڑے کنٹینرز بھی امریکہ سے منگوائے گئے تھے اور یہ اسی خوف کے باعث کہ کہیں کوئی لکڑی میں دھماکہ خیز مواد نہ رکھوا دیں۔ فوجی ہر چیز کا استعمال بغیر کسی احتیاط کے کرتے ہیں اور اگر خوراک کا پیکٹ یا سیب زمین پر گر جائے تو اسے پھر نہیں کھاتے بلکہ اس کی بجائے خوراک کا نیا پیکٹ اور سیب اٹھاتے ہیں۔ ہر موسم کے پھل انھیں موسم میں اور بغیر موسم کے ہر جگہ پہنچائے جاتے ہیں۔ امریکی ہر کام آلات اور مشینوں سے کرتے ہیں اور ہاتھ سے ایک کیل بھی نہیں لگاتے۔ آلات اور گاڑیاں پٹرول سے چلتی ہیں اس لئے ان کے پٹرول کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ اور انہی اخراجات کے لئے جنگ کرتے رہے ہیں۔ قندھار میں خیموں کے گرد کانٹا تار کی دیواروں اور خیمے کے درمیان کا دروازہ بھی کانٹا تار کا تھا۔ پھر بعد میں لوہے کے پائپ لائے گئے اور ان کے دروازے بنا دیئے گئے۔ آہنی دروازے کی چوکاٹ لگانے کے لئے پہلے برمے کے ذریعے زمین میں بڑے بڑے سوراخ کئے گئے پھر ان میں لوہے کے پائپ کھڑے کر کے ان میں آٹھ بوری خشک سیمنٹ ڈال دی پھر اس کے اوپر خشک ریت ڈال دی پھر دوسری جانب چوکاٹ کو اس طرح کھڑا کیا گیا اور یوں ایک چھوٹے سے دروازے کی چوکاٹ کھڑی کرنے کے لئے انھوں نے سیمنٹ کی ۱۶ بوریاں ڈال دیں۔ بعد میں ان خشک سیمنٹ اور ریت پر پانی ڈال دیا!..

معمولی کام کے لئے بھی ڈسپوزبل دستانے ڈالتے ہیں اور پھر پھینک دیتے ہیں اور ہاتھوں پر جراثیم کش کریم ملتے ہیں۔ ہر فوجی نے ایک چھوٹا مشکیزہ پیچھے باندھا ہوتا ہے جس سے ایک پلاسٹک پائپ آگے کی جانب آیا ہوتا ہے۔ دن میں تین بار فوجیوں کے لئے گرینڈ شدہ برف آتی ہے جس سے وہ مشروب کے ساتھ چھوٹا مشکیزہ بھرتے ہیں اور پلاسٹک پائپ کے ذریعے پیتے ہیں۔ یا پھر ان کے پاس بکس ہوتے ہیں جن

میں کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور کھاتے رہتے ہیں. امریکی فوجیوں کے منہ ھمیشہ خوراک کے لئے ہلتے ہیں اور ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے ہیں. ہر فوجی کے پاس ایک بڑا سا سفری بیگ ہوتا ہے. جو پشت کی جانب باندھا ہوتا ہے یہ بیگ زنبیل نما ہوتے ہیں. اس میں طرح طرح کی خوردنی اشیاء، مثلا پاپڑ، چیونگم، میٹھے دانے، بسکٹ، مونگ پھلی، چپس کے طرح طرح کے پیکٹ، غبارے، نسوار وسگریٹ، لیپ ٹاپ کمپیوٹر ٹیپ ریکارڈر ٹرانسسٹر، ریزر، خواتین فوجیوں کے پاس سرخی پاوڈر، میک اپ کا سامان، چیپسٹک، کنگھی وغیرہ...ہوتی ہیں.

بکس کے اوپر والی جیب میں تھرماس، کیمرہ، چاقو، چمچہ اور سلیپنگ بیگ سمیت کئی دیگر سامان ہوتا ہے.

ان کے علاوہ بہت زیادہ تنخواہیں اور اضافی اخراجات کا تو نہ پوچھیں. ان کا ہر کام ٹھیکداری کے تحت پورا ہوتا ہے اور فوجی بتا رہے تھے کہ ان ٹھیکوں میں ان کے بڑے بڑے جنرل اور اعلی احکام شریک ہوتے ہیں آج ایک جگہ تعمیر کر دیتے ہیں کل اسے منہدم کر دیتے ہیں ایک جنرل ایک کام ایک نقشے کے مطابق کر دیتا ہے دوسرا جب تبدیل ہوکر آتا ہے وہ اسے دوسرے نقشے کے مطابق دوبارہ تعمیر کر دیتا ہے. امریکی فوجی بہت سی دیگر اشیاء بھی صرف ایک بار استعمال کرتے ہیں جو غریب ممالک میں سالوں تک استعمال ہوتی ہیں..

اس کے علاوہ دیگر پوشیدہ اخراجات کتنے ہوں گے؟ امریکی اقتصادی حالت ان اخراجات کے نتیجے میں لازماً تباہ ہوگی.

امریکیوں کا خوف اور بزدلی

بہت سے حقائق جن کا ھمیں اندازہ ہوا اور ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ پہلے ھم سوچ رہے تھے کہ امریکی، اتنے ڈرپوک اور بزدل نہیں ہوں گے جتنا ھم نے انھیں پایا. امریکی بڑے بزدل، ڈرپوک اور بے غیرت لوگ ہیں. ایک قیدی کے گرد بیس آدمی جمع ہوتے مگر پھر بھی ڈرتے تھے. ھمارے ہاتھ پاؤں آہنی زنجیروں میں بندھے ہوتے ایک فوجی نے ایک بازو سے اور دوسرے نے دوسرے بازو سے پکڑا بھی ہوتا مگر پھر بھی ھمیں کہتے کہ ھم پر حملہ نہ کرنا. ھم آپ سے ڈرتے ہیں. ھمیں مت دیکھو. نیچے دیکھو، ھمیں حیرت ہوئی کہ ایسی فولادی زنجیریں جنہیں ہاتھی بھی نہیں توڑ سکتے بندھے ہوئے ہونے کے باوجود ہم کیسے حملہ کر سکتے ہیں؟ مگر درحقیقت یہ وہ رعب اور خوف ہے جو اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں ڈال دیا ہے. چھ ماہ بعد قیدی تبدیل ہوتے. جب نئے فوجی آتے تو بلاک کے درمیانی راستے میں بہت کم پھرتے اور پھرتے وقت ڈر ڈر کر

قدم اٹھاتے. خوف ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا. پرانے فوجی ان کی رہنمائی کرتے کہ ایسا کروگے اورویسا کروگے.

ابتدائی دنوں میں بڑے خوف کے عالم میں قیدیوں کے ساتھ ضرورت کے وقت باتیں کرتے تھے اور حیران ہوکر ہمیں دیکھتے تھے. مگر جب چند دن گزر جاتے اور تھوڑے سے عادی ہوتے تو ھم ان سے پوچھتے کہ اتنا خوف کیوں محسوس کرتے ہو؟ وہ کہتے کہ ھم اپنی مرضی سے یہاں نہیں اتے. ہمیں یہاں زبردستی بھجوایا جاتا ہے. جب ھمیں یہاں لایا جاتا ہے تو غمزدہ اور خوف زدہ ہوتے ہیں اور روتے ہیں. ھمیں طیارے میں نامعلوم جگہ لے جایا جاتا ہے وہاں تین ھفتے تک ھمیں قیدیوں کو باندھنے اور کھولنے کی تربیت دی جاتی ہے اور ان کے ساتھ ھمارا سلوک کیسا ہوگا؟ پھر ایک عیسائی پادری آجاتا ہے وہ ھمیں قرآن اٹھا کر دکھاتا ہے اور ھدایت کرتا ہے یہ کتاب نہ پڑھنا. یہ دلوں پر اثر کرتی ہے اس میں جادو ہے...قیدیوں کی باتوں کو نہ سننا ان کے ساتھ دینی باتیں نہ کرنا... پھر ایک جنرل آجاتا ہے وہ ھمیں بتاتا ہے کہ آپ بڑے خطرناک لوگوں کے سامنے جارہے ہیں ھم نے مسلمانوں کے انتہائی سخت اور خطرناک لوگ جمع کیٔے ہیں اور گوانتانامو کے جزیرے میں آہنی پنجروں میں ڈال دیئے ہیں یہ ان لوگوں کے ساتھی ہیں جنہوں نے نیویارک اور واشنگٹن پر خودکش حملے کیٔے اور ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگون کے ساتھ طیارے ٹکرائے. ان لوگوں کو نہ تو اپنی جانوں کی پرواہے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کی. یہ موت کو خوش آمدید کہتے ہیں اور مرنے سے نہیں ڈرتے. ان کا ایک آدمی ہزار لوگوں کا مقابلہ کرسکتا ہے... خیال رکھیں ان سے خود کو بچا کر رکھیں... یہ ہیں امریکہ کے وہ بزدل فوجی اور ڈرپوک جنرل جن پر وہ ناز کرتے ہیں!!!

امریکی تفتیشی افسران قیدیوں سے اتنا ڈرتے تھے کہ قیدی کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوتے ہیں اور تفتیش کے کمرے میں فرش میں نصب ہک کے ساتھ ان زنجیروں کو لاک کیا جاتا ہے پھر تفتیشی آفسر آکر قیدی سے سوال جواب کرتا ہے. مریض اور زخمی قیدی ھسپتال میں چارپائی کے ساتھ بندھا ہوتا اور وہ کروٹ نہیں لے سکتا تھا!!!.

اسی طرح کھانے میں قیدیوں کو چکن پیس میں صرف سینے کی بوٹی دی جاتی تھی اور لگ پیس نہیں دیا جاتا. یعنی لمبی ہڈی والا گوشت اس لئے نہیں دیا جاتا ہے کہ کہیں قیدی ھڈی سے ہتھیار کا کام نہ لیں اور کسی سپاہی کو ہڈی سے مار نہ دے!!!.

امریکیوں کی ایک بزدلی یہ تھی کہ لکھنے کے لئے قیدیوں کو بڑے نرم پن دیئے جاتے تھے اور یہ اس لئے کہ کہیں قلم سے وہ کسی سپاہی کو نہ مارے۔

کھانے کے چمچے بھی گن کر دیئے جاتے تھے اور پھر گن کر واپس لئے جاتے تھے کہ کہیں کوئی قیدی اس سے ہتھیار کا کام نہ لیں۔ اگر کبھی کسی قیدی کو غلطی سے کھانے کے ساتھ چمچ نہ ملتا تو جب واپسی کے وقت اس سے چمچ نہ ملتا تو اس کے لئے پورے بلاک کی سختی سے تلاشی لیتے۔

ٹوتھ برش بھی بہت چھوٹا دیتے تھے اور لمبا ٹوتھ برش دینے سے ڈرتے تھے۔ یہ امریکی فوجی کے خوف وڈر کی چند مثالیں ہے ورنہ ان کا ہر قدم خوف سے بھرا ہوتا۔

روسیوں اور امریکیوں کا موازنہ

دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح ھم یہ سمجھ رہے تھے کہ امریکی روسیوں سے ہر مقابلے میں بہت آگے ہیں مگر جب ھم نے انھیں قریب سے دیکھا تو اندازہ ہوا ہے کہ امریکیوں نے جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے خود کو تیس مارخان بنایا ہوا ہے حقیقت میں وہ بہت کھوکھلے ہیں۔ میں نے تفتیش کے دوران بھی کھل کر کہا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ روسیوں کی جرأت، متانت اور استقامت کا اندازہ ھمیں اس وقت ہوا جب بزدل اور بے غیرت امریکیوں سے ھمارا سامنا ہوا۔ روسی افغانوں کے مقابلے میں کم جرات اور کم ھمت ہیں اس لئے انھوں نے شکست کھائی مگر جب امریکیوں اور روسیوں کا موازنہ کیا جائے تو میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر امریکہ اور روس کی جنگ ہو تو اس میں لازماً شکست امریکہ کی ہوگی۔ روسی امریکیوں کے مقابلے میں بہادر ہیں۔ انھوں نے جب افغانستان پر یلغار کی تو ھم ان کے ساتھ لڑیں اور دیکھا کہ جب وہ پہاڑی مورچوں پر حملہ کرتے وہ پہاڑوں پر چڑھتے اور جب ھم ایک کو نشانہ بنا کر مارتے تو دوسرا چڑھنے کی کوشش کرتا۔ ہر جگہ ہر کسی کے ہاتھ سے سب کچھ کھاتے تھے۔ خود لوگوں کو پکڑتے۔ ان کے جیبوں میں کچھ نہ ہوتا مگر ان کے دل مضبوط تھے۔

ھم نے امریکی تفتیشی افسروں کو کھل کر اور صراحت کے ساتھ کہا کہ آپ نہ تو ایک انچ جگہ فتح کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو گرفتار کر سکتے ہیں۔ گوانتا ناموکے اسی جیل میں ایک آدمی ایسا بتادو جو خود امریکیوں نے پکڑا ہو۔ آپ نے نہ تو ایک آدمی پکڑا ہے اور نہ ہی افغانستان اور عراق کو پکڑا ہے۔ قیدی بھی خود ھمارے

منافقین اور مرتدین نے پکڑ کر تمہارے حوالے کئے اور ملک میں بھی ہمارے منافقین و مرتدین کے کندھوں پر سوار ہو کر آئے ہو۔ آپ کی جیب بھری ہوئی اور دل خالی ہیں۔ کروز میزائلوں کی بمباری اور دیگر وسائل و ٹیکنالوجی سے ملک تو تباہ کر سکتے ہیں مگر فتح نہیں کر سکتے۔ فتح و کامیابی بازوؤں کے زور پر اور دلوں کی جرأت پر ہوتی ہے اور یہ دونوں آپ کے پاس نہیں ہیں۔ مکارانہ منصوبوں، سازشوں اور ڈالروں کے زور پر ایک جگہ گھسنے کا مطلب اس جگہ کی فتح نہیں۔ تم لوگ بہت جلد شکست کھاؤ گے اور یہ جنگ تمہارے لئے روسیوں سے بھی زیادہ بدتر ثابت ہوگی۔ آپ کے فوجی نازوں میں پلے ہیں جرأت مند نہیں ہیں۔ آپ نے ہمارے ہاتھ پاؤں فولادی زنجیروں میں جکڑ دیئے ہیں اور پھر بھی ہمیں کہتے ہو کہ ہم پر حملہ نہ کرو۔ ہمیں مت دیکھو۔ ہم تم سے ڈر رہے ہیں۔ تم لوگ ہمیں حیوانوں کی طرح آہنی ہک سے باندھ دیتے ہو اور پھر ہم سے پوچھ گچھ کرتے ہو۔ یہ تمہاری بزدلی اور خوف پر دلالت کرتا ہے۔

روسیوں اور امریکیوں کا دوسرا موازنہ یہ ہے کہ روسی عالمی نشریاتی اداروں اور صحافت پر دباؤ نہیں ڈالتے تھے اور نہ ہی خبر رساں اداروں پر یہ دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان کے خلاف پروپیگنڈہ نہ کرے یا حقائق نہ چھپائیں۔ جبکہ امریکیوں نے مطبوعاتی و نشریاتی اور خبر رساں اداروں پر سخت پابندی لگائی ہے اور جو کوئی امریکہ کے خلاف حقائق ظاہر کریں یا امریکی مفاد کے خلاف کچھ کرے اسے دبانے کی کوشش کرتے ہیں پکڑتے ہیں اور تعذیب و تشدد کا نشانہ بناتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ امریکی روسیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اپنے لوگوں اور عوام کے سامنے بھی انتہائی جھوٹ بولتے ہیں اور انھیں اندھیرے میں رکھتے ہیں۔ اپنے نقصانات ظاہر نہیں کرتے یا بہت کم بتاتے ہیں۔ اور باقی دنیا کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکتے ہیں۔ اور طرح طرح کا جھوٹ بولتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ روسیوں نے ہمارے گھر تباہ کئے۔ لوگ قتل اور معذور کئے۔ عورتیں بیوائیں اور بچے یتیم کئے مگر انھوں نے کبھی یہ نہیں کیا کہ ہر کسی کو پکڑے ان کی داڑھیاں اور بھنوئیں منڈھوائیں اور اتنا دور جزیرہ میں حیوانوں کی طرح پنجروں میں ڈال دیں اور ان کے ساتھ جانوروں سے زیادہ بدتر سلوک روا رکھیں۔

ترجمانی کی سختیاں

امریکیوں نے مختلف زبانوں کے بے شمار ترجمان رکھے ہیں اور یہ سب وہ لوگ ہیں جو امریکہ گئے

ہیں اور امریکی شہریت حاصل کی ہے۔ وہ اپنے ممالک سے اپنا تعلق ختم کر چکے ہیں اور بڑے فخر سے خود کو امریکی کہتے ہیں۔ مگر امریکی انھیں امریکی نہیں سمجھتے اور انھیں حقیر گردانتے ہیں۔ معمولی تنخواہ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ غلاموں سے بدتر سلوک روا رکھتے ہیں۔ عربوں میں مصر سے تعلق رکھنے والے عرب ترجمان زیادہ ہیں۔ افغانوں میں تقریباً سب فارسی بولنے والے ہیں صرف تین پختون ترجمان میں نے دیکھے جن میں ایک تعلق پاکستان کے دیر سے اور باقی دو میں سے ایک کا تعلق کنڑ اور دوسرے کا قندھار سے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی ہوں تاھم میری معلومات کے مطابق یہی ہیں۔ وہاں سارے ترجمان امریکیوں کے غلام تھے۔

باقی سارے فارسی بولنے والے تھے مگر انھوں نے پشتو بھی سیکھ لی تھی اور جو زیادہ اچھی پشتو بول سکتے تھے وہ خود کو پختون متعارف کراتے۔ اکثر قیدی انھیں پہچان نہیں سکتے تھے اور انھیں پختون سمجھ رہے تھے مگر ھم نے اور بعض دوسروں نے انھیں پہچان لیا۔ ان کی زبان کی غلطی کبھی کبھی ظاہر ہوجاتی اور اکثر مذکر و مونث میں غلطی کر جاتے۔ فارسی بان ترجمان پختونوں کے ساتھ تعصب رکھتے ہیں۔ ان ترجمانوں میں اکثر افغانستان کے پرچم، ستم ملی اور شغلہ جاوید کے نام سے سیکولر پارٹیوں کے ممبر تھے جو سارے شمالی اتحاد میں جمع تھے۔ کئی پختون قیدیوں کو ان ترجمانوں نے قصداً، جان بوجھ کر غلط ترجمانی کی وجہ سے کافی مشکلات پیدا کر دی تھیں۔ کافی عرصہ بعد امریکی تفتیشی افسران نے بھی یہ بات محسوس کی تھی۔ بعض ترجمان ناسمجھی کی وجہ سے بھی غلط ترجمانی کر رہے تھے اور ترجمانی کے دوران جب کوئی بات انھیں سمجھ نہ آتی تو وہ امریکی تفتیشی افسر کو یہ نہ کہتے کہ وہ نہیں سمجھے بلکہ اپنی جانب سے کوئی بات کہہ دیتے اور غلط ترجمانی کر دیتے۔ جب کوئی تفتیشی افسر اور ترجمان تبدیل ہوتا اور دوسرا تفتیشی افسر وہی سوالات کرتا تو پتہ چلتا کہ پہلے والے ترجمان نے غلط ترجمانی کی ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے میں تعصب کی وجہ سے نہیں کہتا۔ ہر قوم میں اچھے برے دونوں ہیں۔ افغانستان کے ساری اقوام افغان ہیں اور مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں مگر گوانتانامو میں تمام فارسی بان ترجمان سوائے ایک کے پختونوں کے ساتھ سخت تعصب رکھتے تھے۔ ایک ان میں اچھا اور بھلا انسان تھا۔ وہ خود کو قندھار کا پختون متعارف کراتا تھا اور قیدی بھی اس کی تصدیق کرتے تھے مگر میں نے پہچان لیا۔ میں نے اسے کہا کہ اچھی پشتو سیکھ لی ہے مگر نہ پختون ہو اور نہ ہی قندھار سے تعلق ہے تم کابل کے معلوم ہو رہے ہو، وہ ہنسا اور ھاں کے انداز میں سر ہلایا۔ نہ صرف ترجمانی اچھی کرتا تھا بلکہ لگتا تھا کہ امریکی انٹیلی جنس اداروں میں

کام کر چکا ہے. پختہ عمر کا شخص تھا اور بڑی اچھی ترجمانی کرتا تھا.ترجمانوں کی غلطیوں اور قصداً غلطیوں کے نمونے یہ ہیں کہ زازی قوم کا ایک قیدی تھا جو ہوائی فائرنگ پر قید کیا گیا تھا.اس نے ایک "باز" (عقاب کی نسل کا ایک پرندہ) پر ہوا میں فائر کیا تھا.امریکیوں نے سمجھا کہ اس نے امریکی طیارے پر فائر کیا ہے.اس سے باگرام میں امریکی تفتیشی افسر نے استفسار کیا کہ کیوں فائرنگ کی ہے؟ جس طرح کہ وہ زازی قبیلے کا تھا.زازی اوبعض دیگر پختون قبائل پشتو کے الفاظ کے درمیان الف کو واو میں بدلتے ہیں. چنانچہ اس نے کہا کہ بوز (باز/عقاب) پر فائرنگ کی تھی.فارسی بان ترجمان "بوز" (بکری) سمجھا اور ترجمانی کرتے ہوئے تفتیشی افسر کو بتایا کہ یہ کہتا ہے کہ میں نے ھوا میں بکری پہ فائرنگ کی.امریکی نے کہا کہ تم نے ھوا کی جانب فائرنگ کی اور بکری ھوا میں نہیں ہوتی.اس نے پھر کہا کہ میں نے بوز (باز/عقاب) پر فائرنگ کی تھی.وہ ھوا میں اڑا تھا.

فارسی بان نے پھر ترجمہ میں بز (بکری) بتایا امریکی غصہ ہوا اور کہا کہ بز ہوا میں نہیں اڑتا.اس نے دوسرا پختون ترجمان طلب کیا.اس نے آکر پوچھنے کے بعد سمجھایا کہ یہ باز بتا رہا ہے مگر اس کا لہجہ باز کو بوز ظاہر کرتا ہے.مگر فارسی بان ترجمان اپنے موقف پر ڈٹا رہا کہ اس نے باز نہیں بز بتایا ہے.جس پر امریکی تفتیشی افسر جانوروں اور پرندوں کی تصاویر لایا اور قیدی سے پوچھا کہ ان پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ تم نے کس پر فائرنگ کی ہے اس نے عقاب (باز) پر انگلی رکھ دی کہ اس پر فائرنگ کی ہے.تب کہیں جا کر یہ معاملہ حل ہوا.

ایک اور پختون قیدی بتا رہا تھا کہ مجھ سے تفتیشی افسر نے پوچھا کہ فلاں جگہ کب گئے ہو؟ میں نے اسے جواب دیا کہ میرا وہاں کبھی کوئی کام نہیں پڑا اس لئے نہیں گیا.فارسی بان ترجمان نے قصداً غلط ترجمانی کی اور اسے بتایا کہ یہ کہتا ہے کہ ھاں میں وہاں گیا ہوں اور جہاد کی تربیت لے رہا تھا.اس بات کا پتہ تب چلا جب تفتیشی افسر اور ترجمان تبدیل ہوا اور اس نے پھر وہی سوال کیا اومیں نے وہی اصل جواب دیا.تو اس نے کہا کہ تم نے پہلے والے تفتیشی افسر کو کہا تھا کہ میں گیا تھا اور جہاد کی ٹریننگ لے رہا تھا.میں حیران ہوا اور اسے بتایا کہ میں نے تو جہاد اور ٹریننگ کی بات کبھی نہیں کی یہ ترجمان کی غلطی ہوگی یا اس نے غلط ترجمانی کی ہوگی. میں نے اسے یہ کہا تھا کہ میں ادھر کبھی نہیں گیا.اس طرح کی غلطیاں اور زیادتیاں بہت ہوتی تھیں جن میں بعض ناسمجھی سے ہوتی تھیں اور بعض جان بوجھ کر وہ کرتے تھے.

کوئٹہ سے تعلق رکھنے والے مولوی امین اللہ کو آخری دنوں میں یہ مشکل پیش آئی کہ اسے تفتیشی افسر نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو تمہارا تعلق کوئٹہ سے نہیں بلکہ یمن سے ہے.میں نے تمہاری فائل دیکھی ہے تم نے

پہلے والے تفتیشی افسر کو بتایا ہے کہ تم یمن کے ہو. اس نے کہا کہ یہ غلط ہے میں نے تفتیشی افسر کو بتایا تھا کہ میرا تعلق ''چمن'' سے ہے اس نے ''یمن'' لکھا ہوگا میں نہیں سمجھتا کہ یہ ترجمان کی غلطی ہے یا تفتیشی افسر کی؟

ایک اور قیدی اپنی کہانی یوں بیان کررہا تھا کہ میں انگریزی جانتا ہوں مگر ترجمان سمجھ رہا تھا کہ مجھے انگریزی سمجھ نہیں آتی تفتیشی افسر مجھ سے سوالات کررہا تھا. ترجمان اس کے سوالات اور میرے جوابات کی ترجمانی کرتا رہا ایک وقت آیا کہ میں نے جواب میں ایک بات کہی اور اس نے جان بوجھ کر ترجمانی میں بالکل دوسری بات کی جس میں مجھے بہت زیادہ نقصان ہورہا تھا اور مجھے بڑا مجرم ثابت کررہا تھا تو میں نے فوراً انگریزی میں باتیں شروع کیں اور تفتیشی افسر کو بتایا کہ میں نے یہ جواب دیا ہے اور ترجمان کو تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے الٹ بات کہہ دی ہے. اس کے ساتھ ترجمان کا رنگ فق ہوا. اس کی زبان خشک ہوئی. اس پہ لرزش طاری ہوئی اور ٹوٹی آواز میں معذرت اور منت شروع کی. مجھے اور تفتیشی افسر کو کہا کہ مجھ سے زیادتی ہوئی مجھے معاف کردیں. آئندہ ایسا نہیں کرونگا. میں نے اسے گالیاں دیں اور اسے سخت برا بھلا کہا اور اسے بے عزت کیا. تفتیشی افسر نے بھی اس کی سرزنش کی پھر میں نے اسے نہیں دیکھا کہ کدھر گیا؟

یہ وہ چند مثالیں ہیں جن کا پتہ چلا. ان قیدیوں کا کیا حال ہوگا جو ناخواندہ اور بے گناہ ہیں مگر دشمنوں کے جھوٹ و بدنیتی، ترجمانوں کے تعصب اور امریکیوں کی حماقت اور ظلم کا شکار ہوئے.؟

یہاں آپ نے پشتو زبان کا ترجمہ دیکھ لیا جو فارسی زبان ترجمان نے ترجمہ کرکے دیا ہے اور کھل کر ظاہر کرتا ہے کہ ترجمہ کرنے والا فارسی بان ہے. یہ اس بات کی دلیل اور تصدیق ہے کہ امریکیوں کے ساتھ سارے یا اکثر و بیشتر افغانی ترجمان فارسی بان ہیں اور پشتو سیکھ لی ہے

تفتیش یا پوچھ گچھ

گرفتاری سے لے کر رہائی تک قیدی کا سارا عرصہ تفتیش میں گزرتا ہے امریکیوں کے کان ہیں مگر وہ دماغ نہیں رکھتے. ہر ایک شیطان کی بات سنتے ہیں. ہر کسی کے بارے میں انہیں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سچ سمجھتے ہیں. بہت سے لوگ اپنے ذاتی دشمنوں کی غلط شیطانی کے نتیجے میں گوانتانامو پہنچے ہیں. امریکی کوشش کررہے ہیں کہ قیدیوں سے معلومات حاصل کریں اور کوئی نئی بات نکالیں بہت سے تفتیشی افسر ہیں. اور ایک تفتیشی افسر کئی قیدیوں سے تفتیش کرتا ہے. یہ خود بھی سوالات کرتے ہیں مگر اکثر سوالات انہیں واشنگٹن سے آتے ہیں. یہ

قیدی کے جوابات واشنگٹن بھجواتے ہیں، وہاں سے ہر سوال کے جواب میں مزید سوالات نکال کر پھر بھجوائے جاتے ہیں. ہر قیدی کے ملک اور رہائشی علاقے سے بھی جھوٹی سچی معلومات بھی انہیں آتی ہیں. اوران کی روشنی میں کمروں یا اندھیروں میں سوالات کرتے ہیں. قیدی سے کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے بات کی جاتی ہے. ایک تفتیشی افسر نرمی سے سوالات کرتا ہے تو دوسرا سختی سے. تفتیشی افسران وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے ہیں. ایک جب تھک جاتا ہے یا مایوس اور ناکام ہوتا ہے تو دوسرا آتا ہے. سی آئی اے، ایف بی آئی اور دیگر مختلف اداروں کے مختلف افراد کبھی اکٹھے اور کبھی الگ الگ تفتیش کرتے ہیں. بلکہ کبھی کبھی نیٹو کے دیگر ممالک کی انٹیلی جنس اداروں کے اہل کار بھی تفتیش کرتے ہیں. یہ بات ہمیں سوالات کی نوعیت، تفتیشی افسر کی شکل وصورت اور وضع قطع اور دیگر نشانیوں سے ظاہر ہوئی ہے. ہم نے بعض تفتیشی افسران کو کہا بھی ہے کہ آپ امریکہ کے مختلف اداروں اور نیٹو ممالک کی انٹیلی جنس کے نمائندوں سے ہمارا سامنا کراتے ہیں اور اس مقصد کے لئے تفتیش و پوچھ گچھ کا عرصہ بڑھاتے رہے ہیں. یہ ظلم ہے. یہ تمہارا حق نہیں. بعض ہنس دیتے اور بعض ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر آنکھوں ہی انکھوں میں ایک دوسرے کو بتاتے کہ یہ قیدی تو اس راز کو بھی سمجھ رہا ہے. بلکہ ایک دن میں نے ایک تفتیشی افسر کو یہی بات کہی. اس کے پیچھے دوسرا تفتیشی افسر بیٹھا ہوا تھا اس نے مجھے آنکھوں کے اشارے سے بتایا کہ یہی بات ہے اور یہ اس لئے کے اس نے میری فائل کا مطالعہ کرلیا تھا. میرے ساتھ کئی بار تفتیش کے دوران بیٹھا تھا اور اسے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ میں بے گناہ ہوں. اس کی آنکھوں اور بالوں کے رنگ، شکل وصورت اور دیگر کئی نشانیوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ یہ امریکی نہیں ہے تفتیش کے لئے کیمپ کے اندر الگ الگ بلاک بنے ہوئے ہیں جہاں قریبی بلاکس سے قیدی پیدل اور اس سے بھی دور بلاکوں کے قیدی پیدل اور سب سے دور بلاکوں کے قیدی گاٹورنامی چھوٹی جیپوں میں تحقیق کے لئے لائے جاتے ہیں ان گاڑیوں کے پچھلے حصے میں قیدی بٹھایا جاتا ہے بعض میں سیٹیں ہیں اور بعض میں نہیں. اور مٹی ودھول سے بھرے ہوتے ہیں. قیدی کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوتے ہیں اور فوجی قیدی کو اٹھا کر ان گاڑیوں میں ڈال دیتے ہیں.

تفتیش کے بلاک اس ترتیب سے بنائے گئے ہیں کہ طویل مستطیل کی شکل میں آبادی ہوتی ہے درمیان میں گلی ہوتی ہے اور گلی کے دونوں جانب کمرے بنے ہوتے ہیں ہر کمرے کا نمبر اور نام ہوتا ہے. تفتیش کے ہر بلاک کا بھی الگ نام ہے. تفتیش کے پانچ بلاک ہیں جن کے نام یہ ہیں.

(۱) ییلو (۲) بلیو (۳) اورنج

(۴) گولڈ (۵) براؤن

ہر بلاک الگ مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور سارے قیدی ایک بلاک میں نہیں لے جائے جاتے. قیدی اپنی سوچ اور بعض نشانیوں کی بنیاد پر ہر بلاک کے الگ الگ مقاصد کا اندازہ لگاتے ہیں.

تفتیش کے دوران قیدی کے ہاتھ پاؤں آہنی زنجیروں سے جکڑے ہوتے ہیں اور پاؤں کے زنجیریں فرش میں نصب آہنی ہک کے ساتھ لاک کر دی جاتی ہیں جیسے جانور کو کھونٹے سے باندھا جاتا ہے. تفتیشی افسران قیدی سے بہت ڈرتے ہیں. تفتیش کے دوران دوسرے کمرے میں بیٹھے ہوئے دیگر تفتیشی افسران کیمرے کے ذریعے تفتیش کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں جبکہ دو تفتیشی کمروں کے درمیان دیوار میں نصب ''گلاس'' سے بعض تفتیشی افسران قیدی کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیتے ہیں. کبھی کبھی چند سوالات پوچھنے کے بعد تفتیشی افسر اٹھ کر کمرے سے باہر چلا جاتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے وہ دوسرے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے دیگر تفتیشی افسران سے مشورہ کرتے ہیں. پھر واپس آ کر مزید سوالات جاری رکھتے ہیں جو کبھی تھوڑی دیر کے لئے اور کبھی زیادہ دیر کے لئے جاری رہتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلسل چند روز تک قیدی سے تفتیش جاری رکھی جاتی ہے کبھی ایک شب وروز میں تین بار قیدی کو تفتیش کے لئے طلب کیا جاتا ہے. کبھی ایک روز یا دو روز بعد، اور کبھی ایک ہفتے بعد یا پھر دس دن، ایک ماہ اور بعض قیدیوں سے مہینوں یا ایک سال تک بھی کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوتی. جو بھی تفتیشی افسر آتا ہے قیدی سے کہتا ہے کہ تمہارا کام میرے ہاتھ میں ہے. میرے ساتھ تعاون کرو، سچ بتاؤ تاکہ تمہارا کام پورا کر کے تمہیں گھر بھجوا دوں. ایک تفتیشی افسر جب قیدی کے ساتھ جھوٹے وعدے کر کے تھک جائے تو پھر دوسرا تفتیشی افسر آتا ہے. اور ہر نیا آنے والا تفتیشی افسر کہتا ہے کہ پہلے والے نے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا ہے میں سچ بول رہا ہوں انہوں نے تمہاری فائل پر غور ہی نہیں کیا میں اس پر غور کر رہا ہوں. پوچھ گچھ کے دوران کبھی اہم سوالات کے درمیان بے تکے سوالات بھی کرتے ہیں اور کبھی کبھی عام سوالات کے درمیان اہم ترین سوالات بھی پوچھتے ہیں. کبھی کبھی قیدی کے جوابات سے اہم سوالات نکلتے ہیں مگر یا تو تفتیشی افسر کا دھیان نہیں ہوتا یا پھر انہیں اوپر سے جو سوالات دیے ہوتے ہیں ان میں وہ شامل نہیں ہوتے اس لئے وہ پوچھتا نہیں اور یا پھر حماقت کے باعث تفتیشی افسران کی جانب متوجہ نہیں ہوتا.

کبھی قیدی کی سچی بات کا یقین نہیں کیا جاتا اور اسے جھوٹ سمجھا جاتا ہے. ایک عرب قیدی سے

پوچھا گیا کہ تم افغانستان کس لئے گئے تھے؟ اس نے جواب دیا کہ اس لئے گیا تھا کہ تم لوگوں کے خلاف جہاد کروں، تم ہمارے دشمن ہو اور تمہارے مقابلے میں ہم پر جہاد فرض ہے ......

یوں لگتا ہے کہ امریکی تفتیشی افسروں کو تربیت کے وقت سمجھایا گیا ہے کہ قیدی تفتیش کے دوران ابتداء میں جھوٹ بولتا ہے. اس لئے ان کے ابتدائی جواب کو درست مت سمجھو. اس لئے بدتمیز تفتیشی افسر نے اس عرب قیدی کے اس سچے جواب کے متعلق قیدی سے کہا کہ نہیں، ایسا نہیں تم جھوٹ بولتے ہو. درست بات بتاؤ. قیدی نے کہا کہ میں نے صاف اور سچی بات کہہ دی اس سے زیادہ سچ اور کیا ہوسکتا ہے؟ تفتیشی افسر تکرار، اصرار اور تسلسل کے ساتھ یہی کہتا رہا کہ یہ بات درست نہیں. سچ بتاؤ. تفتیشی افسر کے مسلسل اصرار پر عرب قیدی نے اسے جھوٹ بتایا کہ میں افغانستان تجارت کے لئے گیا ہوا تھا. تفتیشی افسر نے اس بات کو درست سمجھتے ہوئے کہا کہ اب تم نے درست اور سچی بات بتائی ہے! ہم سے ساڑھے تین سالوں کے دوران جو پوچھ گچھ اور تفتیش ہوئی ہے یہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا موضوع ہے جس سے ایک الگ کتاب تیار ہوسکتی ہے تاہم یہاں مثال کے طور پر چند بڑے بڑے نمونے پیش کرتا ہوں اور باقی کسی اور موقع کے لئے چھوڑ رہا ہوں.

اگرچہ پشاور، باگرام، قندھار اور گوانتانامو کے عقوبت خانوں اور جیلوں میں امریکی تفتیشی افسران کے سوالات ایک جیسے ہیں اور پشاور، باگرام، قندھار جیل کا ذکر کرتے ہوئے جن سوالات کا حوالہ دیا گیا ہے انہیں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں. امریکی سمجھ نہیں رہے تھے کہ کیا کہیں؟ گوانتانامو میں ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد سرخ بالوں، سبز آنکھوں اور سرخ چہرے والا ایک تفتیشی افسر، ایک فوجی تفتیشی افسر اور ایک ترجمان کے ہمراہ میرے پاس آیا اور مجھے کہا کہ تمہاری ساری عمر یہاں گزرے گی، پھر کبھی گھر نہیں جاسکو گے، اپنے بچے اور رشتہ داروں کو دوبارہ نہیں دیکھ سکو گے...کوئی پرواہ نہیں. جو کچھ ہمارے ساتھ کرو گے تاریخ اسے لکھے گی.

تم جب یہاں اس گرم جزیرے پر جل جاؤ گے، پھر کوئی پرواہ نہیں تاریخ جو کچھ بھی لکھے، لکھ دے. استاد کی ذمہ داری احساس سے تعلق رکھتی ہے. یہ جو تمہیں تاریخ کا لکھا کچھ نظر نہیں آرہا ہے یہ تمہاری کم قدری مجھے بتاتی ہے. تاریخ کا لکھا صرف کاغذ کے صفحوں تک محدود نہیں رہتا. بلکہ یہ تحریر انتقام کے ولولے بڑھاتا ہے. انقلابوں کی راہ ہموار کرتا ہے اور ایسے ردعمل کا سبب بنتا ہے جس کا سامنا تمہیں ہے...

اس نے فوراً موضوع بدل دیا اور پہلے سے پوچھے گئے سوالات کرنے لگا. اس تفتیشی افسر نے کئی مرتبہ مجھ سے پوچھ گچھ کی اور تبدیل ہوگیا. اگلی بار پھر دو تفتیشی افسران سادہ لباس میں ایک فوجی افسر کے ہمراہ

آئے۔ یہ انٹیلی جنس اداروں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور سب کے سامنے مجھے کہا کہ۔

محقق: تم مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟

مسلم دوست: نہیں۔

محقق: میں صدر بش کے بعد دوسرا اہم فرد ہوں اور خصوصی طور پر تمہارے مسئلے کے لئے واشنگٹن سے آیا ہوں۔

مسلم دوست: میں ہنسا۔

محقق: اچھا تم ہنس رہے ہو۔ فوراً کرسی سے اٹھا اور غصے کے عالم میں پورے کمرے میں چکر لگایا۔ اور برا، بھلا کہنے کے بعد پھر بیٹھ گیا اور پھر بولا۔ درست بات اور سچی بات کہو تا کہ تمہارا معاملہ حل کروں اور تمہیں تمہارے گھر بھجوا دوں۔

مسلم دوست: میں نے سچی باتیں بتائی ہیں، سچ کہتا ہوں۔ میں CIA، FBI اور ISI میں کام نہیں کرتا کہ جھوٹ بول رہا ہوں۔

کچھ پرانے سوالات دھرانے کے بعد چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد فوجی آئے ہک کا لاک کھول دیا اور مجھے زنجیروں کی جھنکار میں واپس اپنے پنجرے میں لے گئے۔ مختصر یہ کہ ان تفتیشی افسران نے بھی اپنا دورانیہ پورا کیا اور مجھ سے پوچھ گچھ کی۔ بڑی تعداد میں تفتیشی افسر تبدیل ہوئے۔ اکثر پرانے سوالات بار بار دہراتے۔ اسامہ بن لادن، حکمتیار، ملا عمر، ظواہری، القاعدہ، طالبان اور دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں اور تنظیموں اور اس طرح کے دیگر کے حوالے سے معلومات سوالات کے اہم موضوع ہوتے تھے۔ کبھی بہت ساری تصاویر دکھاتے اور پوچھتے کہ ان میں کس کس کو پہچانتے ہو؟ ذاتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے سوالات کرتے۔ مدارس، مساجد، خطیب اور پیش امام حضرات کے حوالے سے اور یہ کہ مدارس کس طرح قائم ہوتے ہیں؟ کس طرح چلتے ہیں؟ ان کی فنڈنگ کون کرتا ہے؟ زکوٰۃ، خیرات، فطرانہ اور قربانی کی کھالیں لوگ مدارس کو کیوں دیتے ہیں اور اس کا کیا طریقہ کار ہے؟ جہاد کی باتیں کون کرتا ہے؟ کونسے علماء امریکیوں کے خلاف ہیں؟ ابن تیمیہ، محمد بن عبدالوہاب، حسن البناء، سید قطب، اخوان اور وہابیوں کو جانتے ہو یا نہیں؟ ان کی کتابیں پڑھی ہیں یا نہیں؟ ان کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے؟ عرب ممالک سے مدارس، تنظیموں، اداروں اور جہاد کے لئے فنڈز کس طرح آتے ہیں؟ حوالے

کرنے کا طریقہ کیا ہے اور یہ کام کون کرتا ہے؟ جہاد کیا ہے یا نہیں؟ ..... یہ سارے سوالات ایسے ہیں جو ہر قیدی سے بار بار کئے جاتے ہیں۔

مجھے عرق النساء کی تکلیف تھی اور ایک بار سخت تکلیف میں تھا۔ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ تفتیشی فوجی آئے، پنجرے کے سامنے کھڑے ہوئے۔ میں پڑا ہوا تھا اور بڑی سخت تکلیف میں تھا۔ دیگر قیدیوں نے بھی انہیں بتایا کہ یہ سخت مریض ہے اس کا علاج نہیں کرتے اور تفتیش کے لئے جا رہے ہو؟

فوجیوں نے وائرلیس کے ذریعے بات کی اور چلے گئے۔ چند راتوں بعد ایک خاتون ڈاکٹر کے ہمراہ آئے اور پنجرے کے اندر داخل ہوئے۔ مجھے بیڑیوں اور زنجیروں سے ایسا باندھا کہ حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ میری کمر اور پاؤں میں سخت درد ہو رہی تھی۔ خاتون ڈاکٹر نے درد کی ایک گولی دی اور چلی گئی۔ فوجی ایک سٹریچر لے آئے اور اس میں مجھے زبردستی ڈال دیا اور تفتیشی بلاک میں تفتیش کے کمرے میں لے گئے اور جیسا کہ میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ میں زمین پر لیٹ گیا۔ ایک موٹا تفتیشی افسر جس نے مونچھ اور داڑھی مونڈھ لی تھی اور زیادہ موٹاپے کے باعث اس کے کان سر میں دھنس چکے تھے ایک ترجمان کے ہمراہ آیا اور کرسیوں پر بیٹھ کر سوالات کرنے لگا۔ مجھے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی وہ تصاویر دکھائیں جو اس پر حملہ کے وقت اور آتشزدگی کے وقت لی گئیں تھیں۔ مجھے کہا گیا کہ یہ دیکھی ہیں؟ میں نے کہا کہ ان سے میرا کیا تعلق؟ آپ کو شرم نہیں آتی کہ میں مریض ہوں۔ میرا علاج نہیں کرتے۔ میں زمین پر پڑا ہوں۔ حرکت بھی نہیں کر سکتا اور تم اس حالت میں بھی مجھ سے تفتیش کر رہے ہو؟ تم لوگ انتہائی بزدل اور ظالم ہو۔ میں نے انہیں کافی برا بھلا کہا۔ اس نے مجھے کہا کہ ہم اچھے ہیں یا روسی؟ میں نے انہیں کہا کہ پہلے میں سمجھ رہا تھا کہ تم روسیوں سے اچھے ہو مگر اب مجھے معلوم ہوا کہ روسی تم سے اچھے ہیں۔ اس نے تکراراً کہا کہ اچھا روسی ہم سے اچھے تھے؟ میں نے بھی تکراراً کہا کہ ہاں۔ وہ چاہتا تھا کہ مزید سوالات کرے مگر میں نے موقعہ نہیں دیا بہت غصہ ہوا مگر میں نے کسی سوال کا جواب نہیں دیا بلکہ جواب کی بجائے برا بھلا کہتا با لآخر مایوس ہوا اور غصے کے عالم میں اٹھ کر چلا گیا اس کے بعد وہ تبدیل ہوا اور پھر نہیں آیا۔ ایک بار ایک اور تفتیشی افسر مجھ سے اسی حال میں پوچھ گچھ کرتا رہا کہ میں حرکت نہیں کر سکتا تھا اور پنجرے سے مجھے سٹریچر میں لے جایا گیا اور سٹریچر کے ساتھ تفتیشی کمرے میں رہا۔ اس وقت بھی میں نے سوالوں کے جواب نہیں دیئے۔ اور زیادہ باتیں نہیں کیں۔

ایک بار ایک تفتیشی افسر آیا۔ ترجمان اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اچھی شکل وصورت اور وضع قطع والا تھا۔ وہ

کوشش کر رہا تھا کہ انگریزی میں مجھے سمجھائیں اور مجھ سے کچھ سوالات کریں. اگر چہ میں انگریزی نہیں سمجھتا تھا مگر اتنا سمجھا کہ اس نے چند سوالات کیئے. اور ہر سوال کے ساتھ مجھے بتاتا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا جواب یہ ہوگا. اور جواب بھی خود بتاتا. مجھے اس نے یہ بھی بتایا کہ تم لوگوں کے بارے میں ہم نے آئی ایس آئی سے پوچھا ہے کہ ان لوگوں کو کیوں پکڑا ہے اور ان کا جرم کیا ہے؟ اس نے مجھے لیٹرز بھی دکھائے کہ ہم نے انہیں یہ لیٹرز بھیجے ہیں اور اب وہ اپنی ابتدائی اطلاعات اور معلومات سے انکاری ہو چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا ہم نے کوئی جرم نہیں پایا ہے.

میں اکثر پوچھ گچھ کے دوران تفتیشی افسران پر طنز کیا کرتا تھا. ایک تفتیشی افسر نے کہا کیسے ہو؟ دن رات کیسے گزر رہے ہیں؟ میں نے کہا الحمد للہ بہت اچھے گزر رہے ہیں. دن کے وقت دوسرے قیدیوں کے ساتھ گپ شپ رہتی ہے اور رات کو دو افراد میرے پنجرے میں آتے ہیں کبھی کبھی ایک بھی آجاتا ہے. ان کے ساتھ بھی بڑا اچھا وقت گزرتا ہے اور کافی دیر تک ان کے ساتھ مشغول رہتا ہوں. تفتیشی افسر نے یہ سنتے ہی اوسان خطا ہو گئے. بہت مضطرب اور حیران ہوا اور مجھے کہا.

محقق: ہر رات آتے ہیں؟
مسلم دوست: ہاں ہر رات آتے ہیں.
محقق: ان کے لئے دروازہ کون کھولتا ہے؟
مسلم دوست: یہ نہیں بتا سکتا.
محقق: اچھا یہ بتاؤ یہ جو دو افراد ہر رات تمہارے پنجرے میں آتے ہیں کون ہیں؟
مسلم دوست: یہ بھی نہیں بتا سکتا.

بہت زیادہ اصرار اور منت سماجت کرنے لگا اور کہا کہ ہمارے ساتھ تعاون کرو. یہ افراد ہمیں بتادو ہم تمہیں رہا کر دیں گے.... میں نے ان سے کہا کہ میں ایسا نہیں کرونگا. یہ راز تمہیں نہیں بتاؤں گا تم لوگ ہم سے جھوٹ بولتے ہو. میں بھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھاؤنگا.

وہ باہر نکلا اور ایک اور آدمی کے ساتھ واپس آیا. دونوں نے بڑی منت سماجت کی کہ یہ دونوں آدمی ہمیں بتادو. کافی دیر پریشان رکھنے کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ میرے پنجرے میں ہر رات دو بڑے چوہے آتے ہیں. میں اوپر اپنے آہنی تختے کے بیڈ پر پڑا ہوتا ہوں وہ نیچے فرش پر گھومتے اور اچھلتے کودتے ہیں... میں

انہیں دیکھتا ہوں اور مشغول رہتا ہوں. وہ ہنس پڑے اور کہا کہ تم ہر وقت ہمارا مذاق اڑتے ہو اور ہم پر طنز کرتے ہو. میں نے انہیں کہا کہ تم لوگوں کا یہ ڈرامہ جاری ہے اگر اس میں ایک مذاق میں نے کیا تو کیا ہوا؟.

یہ سلسلہ جاری تھا کبھی ایک، کبھی دو، تین اور کبھی پانچ تفتیشی افسران آ کر تفتیش اور پوچھ گچھ کرتے تھے. ایک بار ایک تفتیشی افسر آیا جو چینی اور جاپانیوں کی طرح تھا. اس نے سیاف، ربانی، دوستم اور خاتمی کی تصاویر دکھائی اور پوچھا انہیں جانتے ہو؟ میں نے ایک ایک تصویر کی پہچان کروادی. ایک رات میں میٹھی نیند سورہا تھا کہ آدھی رات کے بعد فوجی آئے. زنجیروں کی جھنکار اور شور غل کے ذریعے مجھے جگایا اور بتایا کہ تمہاری تفتیش ہے. سارے قیدی سورہے تھے. میرے آس پاس کے قیدی بھی شور سے جاگ گئے. زنجیروں سے باندھ کر مجھے تفتیش کے کمرے میں لے جایا گیا وہاں جب مجھے ہک کے ساتھ لاک کردیا گیا تو ایک کالے رنگ کا بڑے ہونٹوں والا تفتیشی افسر آیا جس نے قندھار میں تفتیش کے دوران میرے ساتھ ضرورت سے زیادہ سختی کی تھی. جیسے ہی وہ بیٹھا ایک سگریٹ سلگایا اور بڑے تکبر اور غصے کے ساتھ مجھے کہا نہیں سمجھتے کہ اس وقت تمہیں کیوں طلب کیا کہ سارے قیدی سورہے ہیں اور تمہیں نیند سے جگادیا ہے.

مسلم دوست: نہیں.

امریکی: تمسخرانہ انداز میں ہونٹ ہلائے اور کہا کہ یہ اس لئے کہ تم انتہائی خطرناک آدمی ہو. میں بطور خاص تمہاری فائل کا جائزہ لینے کے لئے واشنگٹن سے آیا ہوں میں ہنسا اور اسے کہا میں تمہیں جانتا ہو تم نے قندھار میں بھی مجھ سے تفتیش کی تھی اور مجھ پہ تشدد کیا تھا اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ صرف میرے مسئلے کے لئے نہیں آئے ہو بلکہ تم امریکی ملٹری انٹیلی جینس ادارے میں کام کرتے ہو اور یہی تمہاری ذمہ داری ہے. کہیں کسی کلب میں رات گزاری ہوگی اب چاہتے ہو کہ صبح سونے سے پہلے مجھ پر تشدد کروگے. وہ اور بھی زیادہ طیش میں آیا اور کرسی میں ادھر ادھر ہوا. اور مجھے کہا کہ تم تو میری باتوں کو گپ سمجھ رہے ہو مگر تمہیں معلوم ہوجائے گا.

مسلم دوست: مجھے تو معلوم ہوگیا ہے مگر تمہیں بھی معلوم ہوجائے گا.

امریکی: کسی طرح؟

مسلم دوست: یہی کہ میں بے گناہ ہوں اور تم لوگ ظالم! مجھے یقین ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو. میں انشاء اللہ ایک دن اپنے گھر کی روانہ ہونگا.

امریکی: درست بات کرو، سچ بتاؤ خود پر ظلم نہ کرو۔

مسلم دوست: کونسا سچ اور کونسی بات؟

اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ کچھ دیر خاموش رہا اور سوچتا رہا کہ کیا کہے؟

امریکی: تم ہمیشہ تفتیشی افسران کے ساتھ بحث ومباحثہ کرتے ہو اور بجائے اس کے کہ درست جواب دے دو تم ان سے اُلٹا سوالات کرتے ہو اور سوال سے سوال نکالتے ہو۔ ایک مچھلی کا نام لیا اور کہا کہ تم وہ مچھلی ہو ہاتھ ہی نہیں آتے ہو۔

مسلم دوست: یہ اس لئے کہ میں بے گناہ ہوں۔

امریکی: تمہیں سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں تمہیں چاہئے کہ صرف ہمارے سوالوں کا جواب دو۔

مسلم دوست: کیوں؟

امریکی: تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد امریکی نے کہا۔ یہ باتیں چھوڑ دو اس نے دوسری باتیں شروع کی اور طلوع آفتاب سے کچھ پہلے مجھے واپس بلاک بھجوا دیا۔ یہ تفتیشی افسر درمیان میں غائب ہو گیا۔ دوسرے تفتیشی افسر مجھ سے تفتیش کرتے رہے۔ کچھ عرصے بعد پھر اس تفتیشی افسر نے مجھ سے پوچھ گچھ کی مگر اس بار اس کا انداز بھی اچھا تھا اور اس نے مجھ سے اردو میں باتیں کیں پوچھ گچھ کے دوران مختلف اوقات میں میرے ساتھ عربی، پشتو، فارسی اور اردو زبان کے ترجمانوں کے توسط سے باتیں کی گئی اور اس دوران یہ اندازہ بھی لگاتے رہے کہ میں کونسی زبانیں کس حد تک سمجھتا یا جانتا ہوں؟

کبھی کبھی نقشے بھی لائے جاتے اور یہ اندازہ لگاتے رہے کہ میں نقشوں کو سمجھتا ہوں یا نہیں؟ تفتیش کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ توہین قرآن کا معاملہ اٹھا اور ہماری داڑھی، مونچھ بھنوئیں اور سر کے بال مونڈھ دیے اور قرآن کی بے حرمتی کی گئی جس سے ہمارا غصہ اور بھی زیادہ ہوا۔ اس واقعے کے بعد مجھے کیلو بلاک منتقل کیا گیا اور استاد بدر کو مائیک بلاک لے گئے۔ کیلو بلاک کے درمیانی راستے سے گزر رہا تھا کہ میں نے حاجی روح اللہ کو پنجرے کے دروازے کے ساتھ کھڑا دیکھا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو طنزاً کہا کہ آئی ایس آئی کی کٹھ پتلی تم یہاں ہو؟

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پنجرے میں پشت کی جانب اندر جا کے بیٹھ گیا۔ مجھے اس سے

دو پنجرے آگے ۲۷ ویں پنجرے میں بند کیا گیا. جب پنجرے کا دروازہ بند کر کے کھڑکی کے راستے سے میری زنجیریں کھول دی گئی تو میں نے حاجی روح اللہ پر آوازے کسنا شروع کیے اور لوگوں کو بتایا کہ یہ آئی ایس آئی کا ایجنٹ ہے. یہ وطن فروش، دین فروش اور ناموس فروش.....ہے.

دوسرے لوگوں نے بھی اسے برا بھلا کہا. وہاں حاجی نعیم کوچی، عبدالحق، ملا عبدالسلام ضعیف، حاجی خان زمان، نصر اللہ، قندھار کے حاجی شہزادہ، جمعہ دین نورستانی، اختر اور کافی تعداد میں دوسرے لوگ تھے. انھوں نے مجھے کہا کہ ابھی اسے چھوڑ و اگر اس میں تھوڑی بہت حیا ہے تو یہ اس کے لئے کافی ہے. بعد میں اس کے ساتھ دیکھیں گے... چند دن بعد مجھے اسی بلاک کی دوسری قطار کے ایک اور پنجرے منتقل کیا گیا. جہاں سے مجھے مائیک بلاک منتقل کیا گیا جہاں میں اور استاد بدر یکجا ہوئے. مظاہروں کے بعد مجھے پہلی بار تفتیش کے لئے طلب کیا گیا تو دیکھا کہ وھی ابتدائی سبز آنکھوں سرخ بالوں اور سرخ چہرے والا تفتیشی افسر ہے. ابتدائی دنوں میں تفتیشی افسران تفتیشی کمرے میں قیدیوں کو ویلکم بھی نہیں کرتے تھے. مگر پھر انھوں نے ویلکم شروع کیا. انھوں نے السلام علیکم بھی سیکھا تھا اور سلام ڈالتے تھے. تفتیشی افسر نے میری جانب ہاتھ بڑھایا اور اگرچہ میرے ہاتھ بندھے ہوئے تھے مگر وہ چاہتا تھا کہ مجھ سے ہاتھ ملا کر میرے ساتھ دعا سلام کرے. میں نے اپنی انگلیوں کو بند کیا اور منہ دوسری جانب پھیر لیا. وہ کرسی پر بیٹھا. ترجمان اس کے ساتھ تھا. مجھے کہا گیا.

امریکی: کیوں غصے میں ہو؟

مسلم دوست: میں اس کی جانب دیکھ نہیں رہا تھا اور کہا کہ تم پوچھ بھی رہے ہو؟ کیا تمھیں پتہ نہیں کہ تم لوگوں نے ھمارے ساتھ کیا کیا؟.

امریکی: میرے ہاتھ تمہارے خون سے رنگے نہیں ہیں، میں نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے.

مسلم دوست: تمہارے ہاتھ رنگے ہوئے ہیں مگر تمہارا دل اور احساس کی آنکھیں اندھی ہیں اس لئے تمھیں دکھائی نہیں دے رہا.

امریکی: میری جانب کیوں نہیں دیکھ رہے ہو؟

مسلم دوست: تمہارا چہرہ مجھے برا لگ رہا ہے.

امریکی: سیاسی مظاہروں میں کیوں حصہ لیا؟

مسلم دوست: میں کبھی بھی امریکہ کے سیاسی مظاہروں میں حصہ نہیں لیتا تم میرے لئے قابل تقلید نہیں ہو. احتجاج کرنا ھمارا حق ہے ایک جانب تم لوگ ھمارے دین اور قرآن کی توھین کر رہے ہو اور دوسری جانب ھمیں احتجاج کا حق بھی نہیں دیتے؟ تمہاری جمہوریت کے جھوٹے دعوے کہاں گئے؟

امریکی: یہ باتیں چھوڑ دو. میرے چند سوالات ہیں چاہتا ہوں کہ ان کے جواب دو.

مسلم دوست: میں نہیں چاہتا کہ جواب دوں.

کافی کوشش کی مگر مایوس اور ناکام چلا گیا. یہ تفتیشی افسر تبدیل ہوا. پھر کبھی نہیں آیا. آخری بار سے پہلے اس کے ساتھ ایک آدمی آیا تھا جو بعد میں میرا تفتیشی افسر ہوا. اگرچہ تفتیشی افسران ھمیں اپنا نام بتاتے مگر ھم سمجھ رہے تھے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور پھر یہ جھوٹ ثابت بھی ہوا. ایک تفتیشی افسر نے ایک قیدی کو اپنا نام کچھ اور دوسرے قیدی کو کچھ بتایا تھا. چند دن انھوں نے مجھے یوں ہی رہنے دیا کہ میرا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے. اس کے بعد مجھے پھر تفتیش کے لئے طلب کیا گیا. جب آہنی فرش کی ہک کے ساتھ مجھے لاک کر دیا گیا تو ایک تفتیشی افسر آیا جس کی مختصر سی داڑھی اور مونچھیں تھیں اس کے بال سرخ اور آنکھیں زرد تھیں. اس کا قد چھوٹا تھا. میں کرسی پر بیٹھا تھا. وہ کمرے میں آتے ہی میری کرسی کے سامنے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور مجھے سلام کیا. حال احوال پوچھا. وہ خوف زدہ تھا کہ یہ میرے ساتھ باتیں کرے گا یا گذشتہ تفتیشی افسران کی طرح مجھے بھی مایوس اور ناامید رخصت کرے گا؟ اس نے مجھے کہا کہ میرا نام "ٹام" ہے میں نے کرسی کی جانب اشارہ کر کے اسے کہا کہ بیٹھ جاؤ. میری بات سن کر وہ بہت خوش ہوا. زیادہ خوشی کے مارے پھُول گیا. وہ مسکرایا اور اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا. مجھے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ برا ہوا. ھمیں اس پر افسوس ہے.. میں نے اس کے ساتھ باتیں شروع کیں اور کہا کہ:

مسلم دوست: تم ھمیں اپنے جیسا مت سمجھو. آپ ھمیں تشدد کے ذریعے نہیں توڑ سکتے تمہیں چاہئے کہ ھمارے رویوں اور عادات کو سمجھو. ھمیں نرمی سے توڑ سکتے ہو. ہمیں تشدد اور زبردستی سے نہیں جھکایا جا سکتا. ھم موت تو قبول کرتے ہیں مگر جبراً ھمیں جھکایا نہیں جا سکتا.

ٹام: میں افغان امور کا ماھر ہوں اور پختونوں کی عادات اور رسم ورواج سے واقف ہوں. جرگہ سمیت پختون رسم رواج کے کئی نام پشتو میں لئے. یہاں تک کہ مجھے شک ہوا کہ شاید یہ پشتو

سمجھتا ہے. اس نے بعض علاقوں اور اشخاص کے نام بھی یاد کیئے تھے. مجھے حیرت ہوئی اور اس سے پوچھا:

مسلم دوست: کیا تمہیں پشتو آتی ہے؟

ٹام: نہیں پشتو نہیں سمجھتا مگر افغانوں بالخصوص پختونوں کے بعض رسم و رواج ، محاورے اور اصطلاحات سمجھتا ہوں میں افغان امور کا ماہر ہو.

ٹام نے مجھے بتایا کہ میں تمہارا تفتیشی افسر نہیں ہوں مگر چاہتا ہوں کہ تم سے بعض سوالات کروں اور تمہاری باتیں سنوں. کچھ دیر بعد ٹام کے ساتھ وہ موٹا تفتیشی افسر آیا. اس نے مجھے کہا کہ میں تمہارا تفتیشی افسر ہوں اور میرا نام ٹی جی ہے. اس کا پیٹ بہت بڑا اور سر کے بال سرخ تھے. اور ظاہری حالت اچھی تھی. جب ہنستا تھا تو چہرے میں اس کی آنکھیں گم ہو جاتیں. بات سنتا تھا اور سختی بھی نہیں کرتا تھا. یہ پھر آخر تک میرا تفتیشی افسر رہا کبھی کبھی استاد بدر کا تفتیشی افسر جارج بھی اس کے ساتھ آتا تھا. وہ سبز آنکھوں اور سرخ چہرے والا تھا اور اس کے بال سیاہی مائل کالے تھے اور اس نے لمبے بال رکھے ہوئے تھے. دونوں مل کر پوچھ گچھ کرتے تھے. میں ان کے ساتھ اکثر بحث کرتا تھا. جارج جب میری باتوں کے جواب میں کچھ کہتا تو ٹی جی کے ران پر ہاتھ مارتا گویا کہ میں جواب دیتا ہو. جارج کی بیوی بھی تفتیشی افسر تھی.

یہ بھی وہی پرانے سوالات دھراتے اور یہ بھی پوچھتے کہ جب تم رہا ہو جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ اور ہمارے بارے میں کیا کہو گے؟ میں انھیں کہتا کہ میں حقیقت بیان کرونگا. ان سے پہلے بھی بعض تفتیشی افسران آخر میں یہ دو سوالات دھراتے تھے کہ رہائی کے بعد خبر رساں اداروں کے لوگوں کو کیا کہو گے؟ میں کہتا تھا کہ حقیقت بیان کرونگا. وہ سر ہلا دیتے اور جواب سے انھیں اطمینان نہ ملتا. بعض وضاحت کے لئے پوچھتے کہ اگر حقیقت کا بیان ہمارے نقصان میں ہو تو پھر؟ میں انھیں کہتا کہ یہ تو تمہارے ہاتھوں میں ہے. ظلم نہ کریں تو حقیقت کا بیان تمہارے حق میں ہو جائے گا. اگر تم لوگ اب بھی ظلم بند کرو اور انسانی سلوک روا رکھو تو میں تمہارے ساتھ انصاف کرونگا اور تمہارے انسانی سلوک کے بارے میں بھی لکھونگا. اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر آپ لوگ مینگھنے کھاتے ہیں تو میں لازماً لکھونگا کہ امریکی مینگھنے کھاتے ہیں اور آگر آپ لوگ مینگھنے کھانا بند کردو تو میں لکھونگا کہ امریکی پہلے مینگھنے کھاتے تھے مگر اب نہیں کھاتے. اس نے منہ موڑ لیا اور سر ہلا دیا.

میں نے انھیں یہ بھی کہا کہ تمہاری مرضی ہے مجھے کوئی پروا نہیں مجھ پر یہاں اگر ایک دن بھی اضافی

گزر رہی ہے تو اس کے ساتھ میری معلومات میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اب آپ خود دیکھیں کہ تمہارے بارے میں ھماری معلومات کا حجم بڑھا ہو یا کم ہوا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے انھیں کہا تھا کہ میں انشاءاللہ کتاب لکھوں گا۔ اور ھم نے جو کچھ دیکھا اور جو سنا اور جو ھم پر گزری اور جو ھم سمجھ سکے یہ سب اس میں تحریر کرونگا۔ چنانچہ بار بار ہر تفتیشی افسر پوچھتا کہ تم لازماً کتاب لکھو گے؟

میں انھیں کہتا تھا کہ انشاءاللہ لازماً لکھونگا۔ یہ بات انہیں اچھی نہیں لگتی تھی بعض اس بات کا مذاق بھی اڑاتے۔ ٹی جی سے پہلے جن تفتیشی افسر سے میں نے ہاتھ نہیں ملایا اور اس کے ساتھ باتیں کرنا بھی میں نے بند کیں۔ باتیں بند کرنے سے قبل اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے بارے میں اپنی کتاب میں لکھو کہ وہ بہت خوبصورت اور حسین تھا۔ اس نے کانوں میں بالیوں کی طرح کا چھلا ڈالا تھا۔ میں اس کے بارے میں تحریر کر رہا ہوں کہ وہ انتہائی بدصورت، بداخلاق اور نکما شخص تھا۔

ٹام: کرنل امام کو جانتے ہو؟

مسلم دوست: نام میں نے سنا ہے۔ افغانستان کا بڑا دشمن اور آئی ایس آئی کا فعال رکن ہے۔

ٹام: یہ انٹیلی جنس نام ہے اس کا اصلی نام کیا ہے؟

مسلم دوست: اصلی نام مجھے معلوم نہیں مگر اس کا ایک دوسرا فرضی نام بھی ہے۔

ٹام: کیا؟

مسلم دوست: بگ باسٹرڈ (بڑا حرامی) وہ بہت ھنسا اور کہا کہ یہ اس کے ساتھ مناسب نام لگتا ہے مگر اس کا اصلی نام سلطان امیر تارڑ ہے۔

ٹام کئی بار مسلسل آیا اور میرے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف موضوعات پر بات کی اور پھر غائب ہوا۔ اس کے بعد ٹی جی مجھ سے پوچھ گچھ کرتا رہا اور کبھی کبھی جارج بھی اس کے ساتھ آتا ٹی جی کے ساتھ ایک بار دو لڑکیاں بھی آئیں ایک کی سبز آنکھیں اور سرخ بال تھے اور دوسری کی کالی آنکھیں اور کالے بال تھے انھوں نے مجھے کہا کہ ھم تھوڑی دیر کے لئے آئے ہیں اور واپس جا رہے ہیں۔ انھوں نے میرے بعض جوابات کے حوالے سے مجھ سے باتیں کیں اور میرا خیال ہے کہ دوسرے کمرے میں دوسرے افراد نے میرے جوابات اور میرے اوسان کا جائزہ لیا۔

اگلی بار ٹی جی اکیلا آیا۔ میں نے اس کے ساتھ کافی بحث کی کہ تم لوگ کیوں ھمارے ساتھ ظلم کر رہے ہے

ہو؟ یہ تم لوگوں کا کیسا نظام ہے کہ مہینوں اور سالوں تک کسی کو صرف اس لئے رکھتے ہو کہ ان سے معلومات حاصل کر سکو اور ان کے بارے میں اتنا معلوم نہیں کر سکتے کہ آیا وہ مجرم ہے یا نہیں؟ اور اگر مجرم ہے تو اس کا جرم کیا ہے؟ میں جب بھی بحث میں یہ پوچھتا تو تمام تفتیشی افسران کا جواب ایک ہوتا کہ ھمارے پاس اس کا جواب نہیں ہے. یہ ھمارے اوپر کے لوگوں کا کام ہے. ھم ان کے اہل کار ہیں. وہ ھمیں جیسا کہتے ہیں ھم ویسا ہی کرتے ہیں. ٹی جی نے بھی یہی کہا.

میں نے انھیں کہا کہ وھی لوگ ھمارے سامنے آجائیں جن کے پاس ھمارے ان سوالات کا جواب ہو. یہ جو تمہارے پاس جواب نہیں اور وہ لوگ سامنے نہیں آتے اور ھم یہاں زنجیروں میں اور پنجروں میں حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں اس کی ذمہ داری کس کے سر ہے؟ تم کیوں ھماری بات اصل جگہ نہیں پہنچاتے؟

مسلم دوست: تمام حکومتوں میں انتظامی نقائص ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے. پھر اس نے بات بدلی اور مجھے کہا کہ

ٹام: کیسے ہو؟ کیا حال ہے؟

مسلم دوست: حال تمہیں معلوم ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے تم لوگ کر رہے ہو.

ٹام: نہیں مجھے ہر چیز کا علم نہیں.

مسلم دوست: اگر واقعی خود کو حالات سے باخبر رکھنا چاہتے ہو تو یہ نارنجی کپڑے پہنو اور بیڑیوں اور زنجیروں میں آؤ. وہاں ہمارے قریب ایک پنجرہ خالی ہے. وہاں ایک ہفتے تک ہمارا مہمان بن جاؤ حال نہیں بلکہ حالات سے باخبر ہو جاؤ گے...

ٹام: اس نے اپنی توند اور غبارے نما رانوں پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ میں بہت زیادہ موٹا ہوں پنجرے کے دروازے سے اندر کیسے جاونگا؟

مسلم دوست: کوئی بات نہیں ھم دو قسطوں میں تمہیں اندر کر دیں گے.

ٹام: وہ بہت زیادہ ھنسا اور کہا کہ تم مزاح بہت کرتے ہو مجھے ہنسا کر مار دو گے.

مسلم دوست: میں اکثر تفتیشی کے دوران تفتیشی افسران اور امریکی نظام پر طنز کرتا تھا ایک دن میں نے انھیں کہا کہ آپ لوگ کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جیسے بعث پارٹی کے عراقی صدر صدام نے

کیا تھا.

ٹام: وہ کیسے؟

مسلم دوست: عراق، روس اور امریکہ یا کسی اور ملک کے انٹیلی جنس اداروں کے ماھرین کہیں اکھٹے ہوئے تھے اور باھم کہہ رہے تھے کہ آئیں یہ پتہ لگائیں کہ تفتیش اور پوچھ گچھ میں کون ماھر ہے اور کس ملک کا انٹیلی جنس ادارہ زیادہ موثر ہے؟ تینوں تین ہرن لے آئے اور ان پر اپنے اپنے نشانات لگا دیئے. اور انھیں ایک صحرا میں چھوڑ دیا. ایک دن بعد تینوں ماھرین کو صحرا میں بھیجدیا گیا کہ وہ جا کر اپنی اپنی ھرن پکڑ کر واپس لے آئیں روسیوں اور امریکیوں نے تین روز کے اندر اپنی اپنی ھرن ڈھونڈ نکالیں. مگر عراق کا انٹیلی جنس افسر غائب رہا. دس بارہ روز بعد روسی اور امریکی انٹیلی جنس ماھرین اس کے پیچھے صحرا میں چلے گئے اور انھوں نے ایک جگہ عراقی انٹیلی جنس ماھر کو ڈھونڈ نکالا. وہ صحرا کی ایک گھاٹی میں دوسرے جانور کو پکڑ کر اس کے پاؤں باندھ چکا ہے اور تشدد کے ذریعے اسے مجبور کر رہا ہے کہ وہ یہ اعتراف کرے کہ میں ھرن ہوں. چنانچہ آپ لوگوں نے بھی بے گناہ لوگوں کو پنجروں میں ڈال دیا ہے اور تشدد کے ذریعے ان سے یہ اعتراف کروانا چاہتے ہو کہ وہ دھشت گرد ہیں. القاعدہ ہیں. اس پر پھر وہ ھنسے. ایک اور فوجی کو بھی یہ لطیفہ سنایا تو اس نے کہا کہ تم ھمارا مذاق اڑاتے ہو؟ میں نے اسے کہا نہیں، میں مذاق نہیں اڑا رہا. مذاق تو ان لوگوں نے تمہارا اڑایا ہے جنہوں نے مجھے تمہارے حوالے کیا ہے. تفتیش کا یہ سلسلہ جاری تھا. کئی بار زیادہ افراد پر مشتمل گروپ آئے اور انھوں نے مجھ سے پوچھ گچھ کی. ایک دن تفتیش کے کمرے میں فرشی آہنی ہک کے ساتھ بندھا ہوا بیٹھا تھا کہ تفتیشی افسر اور ترجمان دونوں آئے. اور مجھے کہا کہ آج کچھ بڑے آ رہے ہیں تمہیں دیکھنا چاہتے ہیں. میں انتظار کرتا رہا. کہ واقعی آ رہے ہوں گے. تفتیشی افسران کے پاس جب میرے کسی سوال کا جواب نہ ہوتا تو وہ کہتے کہ اس سوال کا جواب ھمارے پاس نہیں ہے. میں ان سے کہتا کہ مجھے پتہ ہے کہ جواب دوسروں کے پاس ہے اور وہ تم لوگوں کو واشنگٹن سے بھجواتے ہیں. مگر وہ لوگ کیوں نہیں آتے جو تمہارے بڑے ہیں اور ہر بات کا جواب دے سکتے ہیں؟ چنانچہ میں نے سوچا کہ وہ بڑے آئے ہوں گے اور میرے ساتھ

باتیں کرنا چاہتے ہیں. مگر تفتیشی افسر اور ترجمان واپس آئے اور تفتیش کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا. دوسرے لوگ نہ آئے میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ میں وہ باتیں کروں جو میں ان کے بڑوں سے کہنا چاہتا ہوں، اور میں یہ بھی سمجھ گیا کہ وہ بڑے آچکے ہیں اور دوسرے کمرے میں شیشے اور کمپیوٹر کیمرے کے ذریعے میری تفتیش کا جائزہ لے رہے ہیں. تفتیشی افسر ایک بار نکلا اور پھر آیا یوں لگتا تھا کہ ان کے ساتھ مشورہ کر کے آیا ہو.

چوتھے کیمپ کی باتیں

ان دنوں چوتھے کیمپ کے قیام کی باتیں ہو رہی تھیں. تفتیشی افسران قیدیوں سے کہتے کہ سچ بولو نئے کیمپ چلے جاؤ گے. وہاں پنجرے نہیں، سہولتیں ہیں اور گھر جانے کا دروازہ ہے... کیمپ ابھی بنا نہیں تھا کہ یہ باتیں مشہور ہو گئیں.

قیدیوں کی درجہ بندی

ان دنوں قیدیوں کی درجہ بندی بھی شروع ہوئی. کوئی خاص بات تو نہیں تھی مگر جس طرح امریکی قیدیوں کو انسان ہی نہیں سمجھ رہے تھے تو ایسے میں معمولی چیز بھی بہت بڑی لگ رہی تھی درجہ اول کے قیدیوں کو یہ سہولتیں دی گئی کہ پینے کے لئے استعمال کرنے کی غرض سے پلاسٹک کی جو خالی بوتل قیدی کو دو ماہ بعد تبدیل کر دی جاتی ہے درجہ اول کے قیدیوں کو اس کا ڈھکنا بھی دیا گیا. قیدیوں کو دن میں ایک بار ٹوائیلٹ پیپر اتنی مقدار میں دیا جاتا تھا کہ جس سے چھوٹا پیشاب کی صفائی بھی پوری طرح نہ ہو. مگر درجہ اول قیدی کو ٹوائیلٹ پیپر کا پورا بنڈل اور کاغذ و قلم دیا جاتا تھا. دو کمبل، دو تولیے اور ایک چادر دی جاتی تھی. دوسرے درجے کے قیدیوں کے پاس چادر نہیں ہوتی تھی. تیسرے درجے کے قیدیوں کو ایک کمبل اور ایک تولیہ دیا جاتا تھا. چوتھے درجے کے قیدیوں کو کمبل اور تولیہ نہیں دیا جاتا تھا. جبکہ رومیو بلاک کے قیدیوں کے پاس کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے انھیں صرف ایک نیکر دی جاتی تھی. استاد بدر مجھ سے پہلے درجہ اول کے قیدیوں میں شامل کیا گیا اور مجھے ان کے کچھ عرصہ بعد. جب استاد بدر درجہ اول قیدیوں میں شامل ہوا تو دوسرے قیدی یہ سمجھتے رہے کہ جلد رہا کر دیا جائے گا. ملا عبدالسلام ضعیف نے مجھے مبارک باد بھی دی کہ تمہارا بھائی گھر جا رہا ہے. مجھے خوشی ہوئی کہ اگر واقعی وہ گھر چلا جائے تو یہ بہت اچھا ہو گا. مگر ایسا نہیں تھا. ملا ضعیف اور کئی دوسرے عرب و عجم قیدی بھی درجہ اول میں

شامل کیئے گئے. میں کافی عرصہ بعد درجہ اول میں شامل ہوا. دوسری تو کوئی بات نہیں تھی مگر قلم و کاغذ کے لئے میں بہت خوش ہوا. دن رات میں فوجیوں کے تین گروپ تبدیل ہوتے. اور ہر ایک گروپ مجھے کاغذ اور ایک ورق دیتا مجھے پنجرے کی جالیوں سے دوسرے قیدی بھی اپنے حصے کا کاغذ دے دیتے میں نے بہت کچھ لکھا جوانھوں نے مجھ سے لے لیا.

چوتھے کیمپ کے بعض قیدیوں کا تبادلہ

چوتھے کیمپ کے حوالے سے ہم ذکر کر چکے ہیں. جب یہ کیمپ تیار ہوا تو قیدیوں میں سے دو زنجیروں میں جکڑ کر وہاں لے جائے گئے کہ وہ اسے دیکھیں اور دوسرے قیدیوں کو بتائیں. ہمارے کیمپ سے شیخ فائز کو یتی کو لے جایا گیا تا کہ اس کی خبر لے آئے. اس کے بعد قیدیوں کو منتقل کرنا شروع کیا گیا. قیدی جب چوتھے کیمپ لے جایا جاتا تو تفتیش کے لئے اسے طلب کیا جاتا وہاں اسے سفید کپڑے پہنائے جاتے اور اسے پلاسٹک کا ایک بیگ بھی دیا جاتا جس میں دو تولیے، ایک رومال، ایک جائے نماز، تسبیح، ٹوتھ برش اور کریم، تاش کے پتوں کا ڈبہ یا پھر شطرنج وغیرہ ہوتا تھا. قیدی کو تفتیش سے واپس سفید کپڑوں میں بلاک واپس لایا جاتا. وہ ہر پنجرے کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور اپنے بلاک کے قیدیوں سے الوداعی ملاقات کرتا. ایک شور وغوغا شروع ہو جاتا. تمام بلاکوں کو اطلاع ہو جاتی. ہر کوئی اسے سلام کہتا. مبارک باد دیتا اور الوداع کہتا اور یہ سمجھتا کہ گویا اسے گھر بھجوایا جا رہا ہے مگر ایسا نہیں تھا. بعض قیدیوں نے چوتھے کیمپ میں بھی سالوں گزار دیئے. قیدی اپنے قرآن کریم کو بندھے ہوئے ہاتھوں سے اٹھا لیتا اور باقی سامان فوجی سپاہی ساتھ اٹھا دیتے اور زنجیروں کی جھنکار میں بلاک سے روانہ ہو جاتا. دوسرے قیدی خوش بھی ہوتے اور انہیں افسوس بھی ہوتا. کبھی کبھی ایسے موقعوں پہ ویڈیوں کیمرہ بھی لایا جاتا اور اس سارے عمل کی ریکاڈنگ کی جاتی. ہمارے ساتھ بھی وعدے کیئے جاتے کہ چوتھے کیمپ چلے جاؤ گے اور وہاں سے گھر چلے جاؤ گے مگر معلوم نہیں کہ کب؟ بالآخر دو سال بعد ایک دن استاد بدر کو تفتیش کے لئے طلب کیا گیا اور وہاں سے واپس سفید کپڑوں میں واپس آیا. میں گھومنے کے پنجرے میں تھا کہ فوجی اسے واپس لے آئے. میں بہت خوش ہوا اور کھڑکی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے. اسے خدا حافظ کہا اور چوتھے کیمپ کے قیدیوں، اہل وطن، گھر، گاوں، اور دوستوں و رشتہ داروں کیلئے انہیں سلام کہا. وہ چوتھے کیمپ چلا گیا اور ہم سمجھتے رہے کہ گھر چلا جائے گا میں پنجروں میں رہ گیا. تفتیش کا سلسہ چلتا رہا. ایک دن تفتیش کے

دوران استاد بدر سے میرا آمنا سامنا ہوا اور تھوڑی گفتگو ہوئی. کچھ عرصہ بعد طریقہ کار تبدیل ہوا اور تفتیش کے دوران زنجیروں سے باندھنا ختم کر دیا گیا. تفتیش کی جگہ زنجیریں کھول دی گئیں. میں حیران ہوا. تاہم یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہا. چند ماہ بعد مجھے دوسرے کیمپ کے مائیک بلاک سے پہلے کیمپ کے چارلی بلاک میں منتقل کر دیا گیا. وہاں نئے لائے گئے ۱۸ قیدی تھے. اس کے ساتھ میں نے چار دن گزارے. ایک دن سپاہی آئے اور مجھے تفتیش کے لئے لے گئے. وہاں مجھے بتایا گیا کہ تمہیں ایک ہفتے بعد چوتھے کیمپ بھجوا دیا جائے گا. میں واپس بلاک آیا. مگر اسی روز دوپہر کے وقت ایک فوجی آیا اور میرے ساتھ والے پنجرے کے قیدی سے اس کے پاؤں کا نمبر پوچھا. میں اسی وقت سمجھ گیا کہ فوجی سے غلطی ہوئی. یہ تو نیا قیدی ہے اور نئے قیدی سے یہ نہیں پوچھا جاتا. میرا گمان درست نکلا. کچھ ہی دیر بعد فوجی دوبارہ آیا اور مجھ سے پاؤں کا نمبر پوچھا. تھوڑی دیر بعد فوجی زنجیروں سمیت آئے اور میرے پنجرے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے میں نے ان سے پوچھا کہ تفتیش کے لئے جانا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! انہوں نے میرے ہاتھ باندھے اور زنجیروں کی جھنکار میں تفتیش کے بلاک لے گئے. بلاک کے سامنے میرا تفتیشی افسر ٹی جی کھڑا تھا. وہ مجھے کمرے کے اندر لے گیا اور مجھے کہا کہ آج تمہارے لئے میرے پاس ایک خوش خبری ہے تم بتاؤ وہ کیا ہوگی؟

میں نے کہا. چوتھے کیمپ منتقلی کی خوش خبری. اس نے کہا ہاں! ایک پلاسٹک بکس پڑا تھا اس نے کہا اس میں تمہارے کپڑے ہیں یہ بدل لو. وہ کمرے سے نکلا. میں نے سفید کپڑے پہن لئے اور نارنجی وہاں چھوڑ دیئے. ٹی جی اندر آیا مجھے مبارک باد دی. مجھے چوتھے کیمپ کے قواعد و ضوابط بتائے اور تاکید کی کہ میں وہاں کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کروں. مجھے واپس بلاک لے جایا گیا. وہاں قیدیوں سے رخصت لی. قرآن کریم اٹھایا اور بلاک سے نکل آیا. چھوٹی جیپ میں مجھے زنجیروں سمیت بٹھایا گیا اور معمول کے مطابق فوجی میرے ساتھ بیٹھ گئے. انہوں نے میری رانوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور آہنی پائپ پکڑ لیا. میں چوتھے کیمپ چلا گیا وہاں مجھے یونیفارم بلاک کے دوسرے کمرے میں رکھا گیا. وہاں افغان، چند عرب اور چند تاجک قیدی تھے. استاد بدر ویسکی بلاک میں تھا. پورے کیمپ کو اطلاع ملی اور سب نے مجھے خوش آمدید کہا سب یہ سمجھتے رہے کہ مجھے رہا کیا جا رہا ہے اور یہ اس لئے کہ اس سے پہلے جس کسی کو رہا کیا جاتا اسے اس کمرے میں رکھا جاتا. استاد اور دوسرے ساتھی مجھے یار دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے سلام دیتے رہے مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ استاد مجھ سے پہلے رہا ہوگا. چند دنوں بعد استاد بدر اور لوگر کے عبدالظاہر دونوں کو ویسکی بلاک سے یونیفارم بلاک کے

پہلے کمرے میں منتقل کیا گیا اور میرے ساتھ والے کمرے میں آئے. ایک دوسرے کو دیکھتے تھے باتیں کرتے تھے اور اپنی باری پر بلاک کے سامنے جال کے اندر کھانے اور گھومنے کے لئے اکٹھے جاتے تھے.

چند دن بعد مجھے پہلے کمرے میں منتقل کر کے ان کے ساتھ ایک کمرے میں اکٹھا کیا. اس کمرے میں ہمارے ساتھ سروبی کے حاجی نصرت اور میرویس، آزرہ کے علاقہ کا چمن نامی شخص، کنٹر کے اختر، لوگر کے عبدالظاہر اور ننگرہار کے کاکو تھے. چند دنوں بعد یہ پہلا کمرہ خالی کر دیا گیا. ہمیں تیسرے کمرے میں منتقل کیا گیا اور پہلا کمرہ معائنہ کے لئے خالی چھوڑ دیا گیا. جب کوئی امریکی حکومتی وفد آتا تو اسی کمرے میں بعض نمائشی چیزیں رکھی جاتی تا کہ وفد انہیں دیکھے. یونیفارم بلاک کے تیسرے کمرے کے ساتھ چوتھا کمرہ تھا جس میں تین عراقی شیعہ علی، ارکان اور شاکر تھے. ایک ایرانی شیعہ عبدالمجید بھی ان کے ساتھ تھا. جیسا کہ پہلے میں بتا چکا ہوں یہ چاروں جاسوسی کے لئے افغانستان گئے تھے اور وہاں پکڑے گئے تھے. انتہائی بدعمل اور بد اخلاق لوگ تھے. وہاں امریکیوں کے لئے جاسوسی کرتے تھے اور اکثر سنیوں کے متعلق جھوٹی رپوٹیں دیتے تھے. جب محرم کا دسواں (یوم عاشورہ) قریب آیا تو علی اور ارکان کے شہ پر عبدالمجید احمق نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء وصحابہ کرام کو (نعوذ باللہ) گالیاں دینی شروع کی. وہ بلند آواز سے کہتے اور ہمیں سناتے. ہم نے عبدالظاہر کو دونوں کمروں کے درمیان والی جالی کے پاس بھیج دیا تا کہ وہ اسے سمجھائیں اور اس کام سے منع کرے. مگر وہ منع نہیں ہوا. عبدالمجید بات سننے کیلئے تیار نہیں ہو رہا تھا میں جالی کے قریب گیا اور بلند آواز دے کر اسے جالی کے پاس بلایا. مگر اس نے جواب نہیں دیا. میں نے اسے خوب بُرا بھلا کہا اور دھمکیاں بھی دیں. استاد بدر نے دوسرے قیدیوں کو با آواز بلند صورتحال بتائی. ہم نے دروازے کھٹکھٹائے اور شور مچایا. عبدالمجید خاموش تھا. وہ باتھ روم میں چھپ گیا. تینوں شیعوں علی ارکان اور عبدالمجید نے ہماری شکایت کی. ارکان اس وقت جاسوسی کے لئے ہمارے کمرے میں تھا مگر اس کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں. چند روز بعد ہمیں یونیفارم بلاک سے منتقل کر دیا گیا. میں، استاد بدر، عبدالظاہر، کاکو اور اختر کو وکٹر بلاک اور حاجی نصرت اور چمن ینکی بلاک لے جائے گئے اور ارکان اپنے شیعوں کے ساتھ یکجا ہوا. وکٹر بلاک میں پیشتر قیدی مشرقی ترکستان کے تھے. جو چین کے زیر اثر تھے. وہ انتہائی اچھے لوگ تھے. ہمیں چوتھے کمرے میں ڈال دیا گیا ہمارے ساتھ ابو رعد راشد السعودی الجوفی، ابوایمن الفلسطینی، حماد ترکستانی، ارکین ترکستانی، جمال یوگنڈی اور ابراہیم مالدیپی تھے. وہاں ہم نے بعض فقہی اور لغوی درس شروع کئے عبدالصبور ترکستانی اور بعض

دیگر ترکستانی جو پہلے اور دوسرے کمرے میں تھے. ہمارے ساتھ انتہائی انس رکھتے تھے اور صرف ونحو کے تحریری درس لیتے تھے جمال یوگنڈی کا تعلق یوگنڈا سے تھا اور لندن میں رہائش پذیر تھا. نومسلم تھا. بڑا نیک تھا اور اچھے اخلاق کا مالک تھا اس نے گوانتانامو کے پنجروں میں قرآن کریم حفظ کرلیا. پنجروں اور چوتھے کیمپ کے اس کمرے میں ہماری امامت کیا کرتا تھا. آئی ایس آئی کے اہل کاروں نے پاکستان میں اسے پکڑا تھا اور امریکیوں کے حوالے کیا تھا. ابراہیم مالدیپی کا تعلق مالدیپ سے تھا اور کراچی میں دینی مدرسہ جامعۃ ابی بکر میں دینی تعلیم حاصل کررہا تھا. نہ تو طالبان کو جانتا تھا اور نہ ہی القاعدہ کی کوئی خبر رکھتا تھا. آئی ایس آئی نے اسے پکڑا تھا اور پھر رہائی کے لئے اس سے سات لاکھ روپے کا تقاضا کررہے تھے. اس نے بتایا کہ اس کے پاس نہیں. پھرانہوں نے پانچ لاکھ کا تقاضا کیا اور کہا کہ مالدیپ فون کرکے اپنے گھر سے منگوالو. اس نے بتایا کہ میں تو طالب علم ہوں میرے پاس پیسے نہیں ہیں. چنانچہ آئی ایس آئی نے اسے امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کردیا اور تب سے گوانتانامو میں پڑا ہے. وہ انتہائی رنجیدہ تھا اور بتا رہا تھا کہ میرے ساتھ میری نوجوان حاملہ بیوی بھی ساتھ تھی مگر اب مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں.

دو ماہ بعد ہم چاروں افغانوں کو ''ینکی'' بلاک تبدیل کردیا گیا. وہاں بیشتر افغانی اور پاکستانی تھے. ہمیں تیسرے کمرے میں رکھا گیا. جہاں ہمارے ساتھ حاجی نصرت، حاجی نعیم کوچی اور معلم عبدالواحد تھے ینکی بلاک میں زیادہ تر وہ پاکستانی تھے جو افغانستان میں گرفتار ہوئے تھے اور بعض ان میں فوجی بھی تھے. چاچا الیاس جس نے سقوط ڈھاکہ کے وقت بھی ہندوستان کی جیلوں میں دو سال سے زیادہ عرصہ قید کاٹی تھی، پاک آرمی کا فعال رکن تھا. افغانستان میں گرفتار ہونے والے بعض دوسرے ایسے آدمی تھے جن کی علامات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آئی ایس آئی میں کام کررہے ہیں کیمپ میں دو ماہ بعد جنرل کا نمائندہ آتا اور ہر بلاک کے قیدیوں سے سوال کرتا کہ کوئی شکایت تو نہیں؟

اگرچہ شکایت دور کرنے کا کوئی انتظام تو نہیں تھا اور صرف دکھاوے کیلئے سوالات کئے جاتے. ایک دن جنرل کا نمائندہ آیا. ایک پاکستانی ساتھی نے نمک، مرچ اور دیگر خوردنی اشیاء کا تقاضا کیا موقع کے مناسبت سے استاد بدر نے نمائندے سے کہا کہ ہم نمک مرچ وغیرہ کا تقاضا نہیں کرتے بلکہ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہمیں کیوں بلاوجہ یہاں رکھا گیا ہے؟ یہاں کافی بے گناہ لوگ ہیں اور ان کے مستقبل کا کسی کو علم نہیں. مجھے اور میرے بھائی کو پاکستانی خفیہ اداروں نے تمہارے ہاتھوں فروخت کیا ہے اور اب تم لوگ بھی ہمارے ساتھ ظلم

کررہے ہو اور ہمیں ناکردہ جرم کے الزام میں یہاں رکھا ہے. آخر کیوں؟

ہمارے پاکستانی ساتھیوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی اور ان میں سے ایک نے جنرل کے نمائندے کو کہا کہ ہمیں بھی افغانستان نے تمہارے ہاتھوں فروخت کردیا ہے.... استاد نے انہیں کہا کہ بالکل اس طرح ہے مگر ہم میں اور تم میں فرق ہے. تم لوگ افغانستان لڑنے کے لئے گئے تھے اور ان لوگوں کے خلاف لڑ رہے تھے جنہوں نے پکڑ کر امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کیا جو اچھا نہیں کیا. لیکن ہم لوگوں نے پاکستان ہجرت کی تھی ہم وہاں لڑنے کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ وہاں پرامن زندگی گزار رہے تھے اور کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے

......

اس کے بعد ہم بعض پاکستانیوں کو جو کہ پاکستانی فوج کے مظالم سے دفاع کرتے تھے اچھے نہیں لگ رہے تھے. بعض نے ہماری اقتداء میں نماز پڑھنا بھی چھوڑی. ڈاکٹر سرفراز احمد، نعمان بھائی، عبدالستار، شاہ بابا، محمد رفیق وغیرہ بہت نیک پاکستانی ساتھی تھے، جیل سے نکلنے کے بعد بھی پاکستان کے مختلف علاقوں سے ہمیں کافی نیک لوگ ملے جو کہ فوج کی غلط پالیسیوں کے معترف تھے. کچھ پاکستانی بھائی تعصب میں پڑ کر ان عرب قیدیوں کی اقتداء میں بھی نماز ادا نہیں کرتے تھے جو عرب قنوت نازلہ میں جنرل پرویز مشرف، پاکستانی انٹیلی جنس اداروں، پولیس، فوج اور بعض نام نہاد اسلامی تنظیموں کے اشخاص کو بددعائیں دیتے تھے.

مختصر یہ کہ ان چند فوج کے حامی پاکستانیوں کے ساتھ ہمارا اختلاف بڑھ گیا. انہوں نے امریکیوں سے ہماری شکایت کی اور ہمیں واپس یونیفارم بلاک کے تیسرے اور پھر دوسرے کمرے میں منتقل کیا گیا. وہاں ہمارے ساتھ باغران ہلمند کے خوشکیار، حاجی الف خان جو خوگ ماما کے نام سے مشہور تھا. بسم اللہ کا، امان اللہ، محمد نسیم، برمل کے ڈاکٹر نقیب، ان کا بھائی محمد رسول اور ہلمند کے کمانڈر رحمت اللہ سنگریار جو معلم صاحب کے نام سے مشہور تھے، خوگ ماما سفید ریش آدمی تھے اور زندہ دل تھے. کبھی کبھی ناچتے اور گاتے اور نعت بھی سناتے پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری تھا ایک بار تمام قیدیوں کی تصاویر اتارری گئی پاؤں کے ناپ اور انگلیوں کے نشانات لئے گئے اور یہ مشہور ہوا کہ قیدیوں کو رہا کیا جا رہا ہے.

ان دنوں ٹی جی ابھی تبدیل نہیں ہوا تھا کہ ایک اور تفتیشی افسر بھی میرے لئے مقرر ہوا. جس نے مجھے اپنا نام ''ہاسوس'' بتایا اور دوسرے قیدیوں کو '' فیلپی'' نام بتایا تھا. وہ امریکی نہیں لگتا تھا. مزاج کا تیز تھا. اس کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا جس کے بال بھی کالے تھے اور آنکھیں بھی کالی تھیں اور اس کا ساتھی سفید رنگت

کا تھا. ہاسوس سوالات کرتا تھا اور دوسرا خاموش بیٹھا رہتا. کان باتوں پہ لگائے رکھتا ہاسوس بھی پرانے سوالات دہرا رہا تھا. اس کے دور میں عراقی وایرانی شیعہ علی ، ارکان اور عبدالمجید نے میری شکایت کی اور امریکیوں کو کہا کہ مسلم دوست فتوے جاری کرتا ہے. عرب اور دیگر قیدی اس کا احترام کرتے ہیں. شطرنج اور گوشت کو حرام قرار دیتا ہے. اس نے بم بنا رکھے ہیں اور سپاہیوں پر حملے کی تیاری کر رہا ہے تمہارے خلاف جہاد کا فتوی دے رہا ہے.... یہ باتیں ہاسوس اور دیگر تفتیشی افسران کو برے اور سخت لگے ہر بلاک سے دو، دو قیدی طلب کئے اور ان سے پوچھا کہ آیا مسلم دوست نے واقعی اس قسم کے فتوے دیئے ہیں؟

مجھ سے قیدیوں نے شطرنج کے متعلق پوچھا میں نے انہیں بتایا تھا کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مطابق یہ حرام ہے. اور پہلے سال فوجیوں کے لئے تیار کردہ خوراک کے پیکٹوں میں بند گوشت آتا تھا. وہ ہم نہیں کھاتے تھے. خود امریکی بھی کہتے تھے کہ تمہارے دین (اسلام) کے مطابق یہ حرام ہے. یہ ہم نے اپنے فوجیوں کے لئے تیار کیا ہوا ہے. اس میں سور کا گوشت بھی ہے. اور چکن اور گائے کا گوشت بھی اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کر کے تیار نہیں کیا گیا ہے. باگرام اور قندھار میں یہ گوشت آ رہا تھا اور گوانتانامو میں بند ہوگیا. کچھ عرصہ بعد کبھی کبھی چکن اور کوفتہ لایا جاتا جو پیکٹوں میں بند نہ ہوتا اور کھلے کھانے کے ساتھ آتا تھا. پھر ایک اسلامی تنظیم کا خط بھی امریکی فوجی لے آئے جو میں نے خود بھی دیکھا جس میں اسلامی تنظیم کی جانب سے تحریر تھا کہ ہم چکن وغیرہ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتے ہیں اور حلال ہے. دیگر ترجمانوں نے بھی بتایا اور بعض دیگر ثبوت بھی اس کی دلالت کر رہے تھے کہ یہ گوشت حلال ہے چنانچہ ہم وہ گوشت کھاتے تھے مگر شیعوں نے کئی دیگر جھوٹ بھی مجھ سے وابستہ کئے تھے اور جب (ھاسوس) کو معلوم ہوا کہ شیعوں نے جھوٹ بولا ہے تو کیمپ میں آیا. مجھے کمرے سے بلایا اور جال کے دوسری جانب سے کھڑے ہو کر جالی کے سوراخوں میں سے ہاتھ ڈال کر میرے ہاتھ پکڑ لئے اور مجھ سے معافی مانگ لی اور مجھے کہا کہ تم انتہائی محترم ہو. آئندہ ہم آپ کا ایسا احترام کریں گے جس طرح تمہارے دوسرے قیدی بھائی تمہارا احترام کرتے ہیں. ہم سے غلطی ہوئی تھی آئندہ نہیں کریں گے. اس سے کچھ عرصہ قبل ٹی جی اور جارج ایک دن کیمپ آئے. ہم دونوں بھائیوں کو... طلب کیا اور ہمیں خوشخبری سنائی کہ تم دونوں ایک ماہ کے بعد گھر چلے جاؤ گے اور رہا کر دیے جاؤ گے. اس سے قبل کئی بار استاد بدر کو کہا گیا تھا کہ تم دونوں بھائیوں کا معاملہ تمام جگہوں سے کلیئر ہو گیا ہے مگر تمہارے بھائی مسلم دوست کا معاملہ ابھی فوجیوں نے کلیئر نہیں کیا ہے وہ ڈر رہے ہیں کہ اگر یہ رہا ہو جائے گا تو ہمارے لئے مشکلات کھڑی کر دے

گا مگر اس بار بتایا کہ ہم نے فوجیوں کو بھی آمادہ کر لیا اور اب تم دونوں اکھٹے رہا کر دیئے جاؤ گے.

مگر شیعوں کی شیطانی اور سازشوں کی وجہ سے فیصلہ بدل گیا. استاد ایک ماہ بعد رہا ہوا اور مجھے ان کے چھ ماہ بعد رہا کر دیا گیا. اس دوران تفتیش کا سلسلہ جاری رہا. شیعوں کی حقیقت ظاہر ہوئی اور علی نے جارج کے سامنے اعتراف کر لیا کہ مسلم دوست پر سارے الزامات جھوٹے ہیں. عجیب بات تو یہ ہے کہ امریکی یہ نہیں سوچ رہے تھے کہ بم کس چیز سے اور کیسے بنائے گئے؟ جب ایک ماہ پورا ہوا. ایک دن ہسپتال کی ایمبولینس گاڑی آئی جس پر ریڈ کراس کا نشان تھا. اور قیدیوں کی منتقلی کے لئے استعمال ہو رہی تھی. استاد بدر کو آواز دی گئی اور کہا گیا کہ اپنا سامان ساتھ اٹھالو. استاد سمجھ رہا تھا کہ گویا مجھے "ایکو" کیمپ سزا کے طور پر لے جا رہے ہیں. مگر مجھے اندازہ ہوا کہ اسے گھر بھیجا جا رہا ہے چنانچہ میں نے اس کے ساتھ گھر جانے کے انداز میں الوداع کر دیا اور گھر، خاندان کے افراد، رشتہ داروں اور دوستوں کے نام انھیں سلام دیا. اسے یقین نہیں آ رہا تھا. اسے گاڑی میں بندھا ہوا بٹھایا گیا. دروازے بند کر دیئے گئے اور اسے لے گئے. دوسرے قیدیوں نے دور تک گاڑی کو نظروں میں رکھا جو پانچویں کیمپ کی طرف جا رہی تھی. وہ سمجھ رہے تھے کے پانچویں کیمپ بھجوایا گیا. وہ مجھے کچھ نہیں بتا رہے تھے مگر دلگیر تھے. بالخصوص بسم اللہ آ کا اس کے پیچھے رو رہا تھا. میں اسے کہتا کہ وہ گھر چلا گیا مگر وہ مجھے کچھ کہتے نہیں تھے. چند روز بعد بسم اللہ آ کا، حاجی نعیم کوچی، دین محمد فرھاد اور امان اللہ بھی اسی طرح چلے گئے. ان کے بارے میں بھی یہ گمان کیا جاتا رہا کہ پانچویں کیمپ بھجوائے گئے. دین محمد فرھاد افغانی تھا اور نیک انسان تھا. آئی ایس آئی کے اہل کاروں نے لاہور میں پکڑا تھا اور کافی تشدد کے بعد امریکیوں کے ہاتھوں بیچ دیا تھا. جب وہ رہا ہوا تو ہم بہت خوش ہوئے. انہی دنوں تین افراد کے علاوہ باقی سارے پاکستانی رہا کر دیئے گئے. مگر انھیں کہا گیا کہ تمہیں رہا کیا جا رہا ہے رات کے وقت بس آئی. سب اس میں سوار ہو گئے اور چلے گئے. بعد میں پتہ چلا کہ استاد بدر اور یہ گروپ رہا ہو کر چلے گئے ہیں. اس کے بعد اللہ تعالی نے قیدیوں کی وہ بد دعائیں قبول کیں جو انھوں نے شیعہ قیدیوں (علی، ارکان، عبدالمجید اور باسردہ) کو دی تھیں. قیدی قنوت نازلہ پڑھتے. اللہ تعالی نے انھیں ذلیل اور رسوا کر دیا کہ بلاک کے آگے جال کے دروازے کے باہر جو امریکی فوجی نگرانی کے لئے بیٹھے ہوتے وہ بہت زیادہ نسوار کھاتے تھے. وہ سرخ رنگ کی نسوار کھاتے تھے اور تین انگلیوں سے بڑی چٹکی لے کر اس کا گولہ بنا کر منہ میں رکھتے تھے. جب یہ سپاہی اپنے برج چلے جاتے یا ورزش کے لئے دروازہ کھول دیتے تو علی، ارکان، عبدالمجید اور باسردہ چاروں شیعہ جا کر امریکیوں کی تھوکی ہوئی نسوار اٹھا کر

ڈسپوزبل گلاسوں میں جمع کرتے اور اسے استعمال کرتے. اسی استعمال شدہ نسوار کے لئے ایک دن یہ چاروں شیعہ آپس میں لڑ پڑے. ارکان نے اٹھ کر باسردہ کی خوب پٹائی کر دیا اور اسے لہولہان کر دیا. اسی باھمی لڑائی اور ان چاروں شیعوں کی جھوٹی رپورٹوں کے باعث تفتیشی افسران نے انھیں چوتھے کیمپ سے نکالا اور باقی کیمپوں میں منتشر کر دیا.

ہمیں یونیفارم سے ینکی بلاک بھجوایا گیا. مجھے وہاں پہلے کمرے میں ڈالا گیا. میرے ساتھ یونیفارم بلاک کے سارے ساتھی اسی کمرے میں تھے جبکہ بلاک میں ملا عبدالسلام ضعیف، عبدالرزاق، حاجی نصرت، اختر مصطفیٰ کابلی اور دیگر متعدد افغان قیدی بھی ینکی بلاک کے مختلف کمروں میں تھے. قندوز کے حاجی امان اللہ، زابل کے کمانڈر نصیب اللہ، معلم عبدالواحد، گردیز کے تورن امان اللہ، حاجی محمد گل، حاجی ولی محمد بھی وہاں تھے. بعد ازاں ملا خیر اللہ خیر خواہ بھی ہمارے کمرے میں لائے گئے. کویت کے سعد العازمی بھی پہلے کیمپ سے ہمارے کمرے میں لائے گئے وہ بہت نیک اور اچھے اخلاق کے مالک تھے. خوست کے عبید اللہ بھی لائے گئے جو ایک اچھے انسان تھے. اندخوئی سے تعلق رکھنے والے حافظ نور اللہ بھی وکٹر بلاک سے ینکی بلاک لائے گئے تاہم وہ ہمارے کمرے میں نہیں تھے. وہ بے مثال اچھے اخلاق کے مالک تھے. میرے اور ان کے درمیان اُنس کا ایک الگ ہی رشتہ تھا. قندھار جیل میں ہماری جان پہچان ہوئی تھی. وہ دیندار، پرھیزگار اور ہنس مکھ انسان تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی ترتیب (ایک دن روزہ ایک دن ناغہ) کے مطابق وقت گزارتے تھے. تہجد کبھی قضا نہیں کرتے تھے. دوستم کے لوگوں نے اسے بلاوجہ گرفتار کر کے امریکیوں پر فروخت کیا تھا... فلسطین کے محمد عبداللہ بھی پنجروں سے ہمارے کمرے میں لائے گئے جو بہت نیک اور پرہیزگار انسان تھے ان کے علاوہ ایک بداخلاق عرب قیدی بھی ہمارے کمرے میں لائے گئے تھے.

مجھے کافی دنوں تک تفتیش کے لئے طلب نہیں کیا گیا. وہ سمجھتے رہے کہ میں ناراض ہوں تاکہ چند دن تک کہ اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے، پھر مجھ سے پوچھ گچھ شروع ہوئی. جاسوس نے ایک بار مجھے بلایا اور ایک بار کیمپ آیا. ٹی جی اور جارج بھی دو، تین بار کیمپ آئے اور چند بار مجھے پوچھ گچھ کے لئے بلایا. اور مجھے بتایا کہ میں بیمار تھا اور میرا اپنڈکس کا اپریشن ہوا تھا اس لئے نہیں آرہا تھا. میں نے ان سے استاد بدر کے متعلق پوچھا کہ وہ گھر پہنچایا نہیں؟

ٹی جی: گھر نہیں پہنچا جلال آباد میں ہے.

مسلم دوست: کیا ھمارا گھر پشاور سے جلال آباد منتقل ہوا ہے؟

ٹی جی: نہیں.

مسلم دوست: کیا میرا بھائی جلال آباد میں قید ہے؟

ٹی جی: نہیں

مسلم دوست: پھر گھر کیوں نہیں پہنچا ہے؟

ٹی جی: میں نہیں جانتا.

اس دوران میرے گھر سے آنے والے خطوط مجھے دینا بند کر دیے گئے تھے. تاھم اس پابندی کے باوجود اللہ تعالی نے میرے خطوط مجھ تک پہنچائے اور وہ اس طرح کے جب فوجیوں کو خطوط پہنچا دیئے جاتے ہیں تو وہ لفافوں پر قیدی کا نمبر لکھ لیتے ہیں. میرا نمبر ۵٦۱ اور حاجی ولی محمد کا نمبر ۵٦۰ تھا. فوجیوں نے غلطی سے میرے خطوط پر حاجی ولی محمد کا نمبر لکھ دیا تھا. خوش قسمتی سے وہ ھمارے بلاک میں تھا. جب اس نے خطوط کھول کر پڑھ لئے تو سمجھ گیا کہ یہ اس کے نہیں بلکہ میرے ہیں. چنانچہ اس نے مجھے خوش خبری سنائی اور خطوط میرے حوالے کیئے. ان میں ایک خط استاد بدر کا تھا. جنھوں نے لکھا تھا کہ وہ اللہ کے فضل سے گھر پہنچ چکا ہے. اس طرح ایک خط میرے بیٹے عبدالاحد کا بھی تھا جنھوں نے بھی لکھا تھا کہ استاد گھر پہنچ چکے ہیں. میری پریشانی دور ہوئی اور میں خوش ہوا. میں نے ٹی جی کو بتا کہ مجھے خطوط مل گئے ہیں. وہ پھر بھی مُصر رہا کہ استاد گھر نہیں پہنچا ہے. میرا خیال ہے کہ وہ اس جھوٹ کے زریعے مجھے پریشان رکھنا چاہتا تھا...

یہ صرف اللہ تعالی کی نصرت تھی کہ امریکیوں نے مجھے میرے خطوط دینا بند کر دیے تھے مگر اللہ تعالی نے انھی کے توسط سے دوسرے ذریعے سے مجھے خطوط پہنچا دیئے.

استاد بدر کے گروپ کی رہائی کے بعد یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ بہت جلد دیگر قیدی رہا کیئے جائیں گے. ریڈ کراس کی جانب سے یہ اطلاع ملی کہ امریکہ نے دنیا کے دیگر ممالک میں بارہ جیلیں قائم کی ہیں جہاں گوانتانامو کے بعض قیدی بھی منتقل کیئے جائیں گے اور بعض دیگران مسلمانوں کو بھی وہاں قیدی بنا کر ڈالا جائے گا جو امریکہ کو دشمن کی آنکھ سے دیکھتے ہیں...

اس دوران ایک بار رات کے وقت مجھے پوچھ گچھ کے لئے طلب کیا گیا. یہ ایک نئی جگہ تھی یہاں پہلے کبھی تفتیش کے لئے مجھے نہیں بلایا گیا تھا. اس سے قبل تفتیش کے دوران ہاتھوں کو زنجیروں سے باندھنا

بند کر دیا گیا تھا۔ یعنی آہنی فرشی ہک کے ساتھ پاؤں کی زنجیر لاک کر دی جاتی تھی مگر ہاتھوں کی زنجیریں کھول دی جاتی تھیں۔ پھر کئی بار ایسا بھی ہوا کہ پوچھ گچھ کے دوران پاؤں کی زنجیریں بھی کھول دی جاتی تھیں مگر آخری دنوں میں پھر ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑنا شروع کر دیا گئے تھے اور پہلے سے کچھ سختی بھی بڑھادی گئی تھی۔ مگر اس بار رات کے وقت مجھے نئی جگہ طلب کیا گیا تھا اور ہاتھ پاؤں کی زنجیریں بھی کھول دی گئی تھیں اور سپاہی بھی کمرے سے باھر نکل گئے تھے۔ ایک پختہ عمر کا امریکی آیا۔ جس کے سر کا اگلا حصہ گنجا تھا، سرخ وسفید رنگت تھی اور اس کی آنکھیں پیلی تھیں۔ عام کپڑوں میں تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ اس کے ساتھ ترجمان بھی نہیں تھا۔ وہ اچھی عربی جانتا تھا۔ اس نے آتے ہی سلام کیا اور میرے ساتھ عربی میں باتیں کرنے لگا۔

امریکی: میں جانتا ہوں کہ تم عربی بہت اچھی طرح جانتے ہو اور ترجمانوں پر بھی شک کرتے ہو اس لئے اکیلے آیا ہوں اور ترجمان کو ساتھ نہیں لایا۔

مسلم دوست: اچھا ہوا۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ جیسے آدمی سے باتیں کروں۔

امریکی: میں تمہارا تفتیشی افسر نہیں ہوں اور تمہارے تفتیشی افسر کو یہ معلوم بھی نہیں کہ میں تم سے بات کر رہا ہوں۔ یہ اس کو بتانا بھی نہیں۔

مسلم دوست: اچھی بات ہے۔

امریکی: میں تم سے پوچھ گچھ نہیں کر رہا۔ ویسے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دوسرے سے متعارف ہو جائیں گے۔

مسلم دوست: اچھی بات ہے۔

امریکی: تمہارے متعلق میں نے بہت کچھ سنا اور پڑھا ہے مگر میں چاہتا تھا کہ قریب سے تمہیں دیکھو اور سمجھوں۔

مسلم دوست: ٹھیک ہے۔

امریکی: کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟

مسلم دوست: میں چاہوں یا نہ چاہوں۔ میری باتوں کا کوئی فائدہ نہیں؟

امریکی: کیوں؟

مسلم دوست: تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم لوگ ھمارے ساتھ ظلم کر رہے ہو اور ھماری بات سنتے نہیں ہو۔

امریکی: میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا مگر میں تمہاری بات سننا چاہتا ہوں اور اسی لئے آیا ہوں کہ تمہاری باتیں سنوں۔

مسلم دوست: تم سب ھماری باتیں سنتے ہو مگر اپنے مطلب کی حد تک۔

امریکی: نہیں تم ھمارے بارے میں انتہائی بدگمان ہو مگر ایسا نہیں ہے۔ میں اور تو کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اتنا کہونگا کہ تمہارا معاملہ مکمل ہو چکا ہے اور گھر جا رہے ہو۔

مسلم دوست: کب؟

امریکی: یہ نہیں بتا سکتا۔

مسلم دوست: تم لوگوں کے جھوٹے وعدوں کے اب ھم عادی ہو چکے ہیں۔ ہر ایک تفتیشی افسر یہی کہتا ہے۔ ان ساڑھے تین سالوں میں ھم نے آپ کے تفتیشی افسران سے بہت جھوٹ سنا ہے۔ اب تمہاری باتوں پر یقین نہیں رکھتا مگر اس بات کا مجھے پختہ یقین ہے کہ اللہ کے فضل سے ایک دن میں رہا ہونگا اور یہ اس لئے کہ میں مجرم نہیں ہوں۔ مجرم تم لوگ ہو کہ بے گناہ لوگوں کو اتنے دور ایک جزیرے میں پنجروں میں رکھا ہوا ہے اور حیوانوں سے بھی بدتر سلوک ان کے ساتھ روا رکھا ہوا ہے...

امریکی: تم میرے ساتھ ایسی باتیں کر رہے ہو جس طرح اپنے تفتیشی افسر سے کرتے ہو۔ میں یہ مانتا ہوں کہ تم پر یہاں تفتیشی افسران کے ہاتھوں بہت تشدد ہوا ہے۔ اور تمہیں بہت جھوٹ بھی کہا گیا ہوگا تم پر بہت الزامات لگائے گئے تھے چنانچہ ھم مجبور تھے کہ ان کے حوالے سے تفتیشی مراحل طے کریں۔ تم نے دیکھا کہ امریکہ پر بہت سخت حملہ کیا گیا۔ اور اب بھی ھم بہت ڈر رہے ہیں ہر رات اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ اسامہ ھم پر اس سے بھی زیادہ سخت حملہ کرنے والا ہے۔ ھماری یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے لوگوں کو تحفظ دیں۔

مسلم دوست: تم اپنے لوگوں کے تحفظ کی ذمہ داری رکھتے ہو مگر بے گناہ لوگوں کی زندگیوں کی قیمت پر نہیں۔

امریکی: یہ درست ہے مگر بے گناہ اور گنہگاروں کو الگ کرنا آسان کام نہیں یہ لازماً وقت لیتا ہے۔

مسلم دوست: کس حد تک؟

امریکی: اس کا جواب میرے پاس نہیں۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور پاس پڑے چھوٹی میز پر دیگر کتابوں

اور فائلوں کے ساتھ پڑی ایک بڑی کتاب اٹھائی. کتاب کے مختلف صفحوں کے ساتھ کاغذ کے ٹیگ لگے ہوئے تھے. ایک سادہ کاغذ بھی اس طرح کتاب کے صفحوں کے درمیان پڑا تھا جس نے تحریر چھپادی تھی اور ایک تصویر کی جگہ کتاب سے قینچی کے ذریعے کاٹ دی گئی تھی. وہ خالی جگہ مجھے دکھائی اور پوچھا کہ اسے جانتے ہو. میں نے اسے کہا. ہاں یہ میری تصویر ہے. اس نے کتاب بند کر دی اور مجھے بتایا کہ اس کتاب میں تمہارے بارے میں کافی تفصیل سے تحریر ہے.

اس سے قبل مجھے خوست کے عبیداللہ نے بتایا تھا کہ پنجروں میں "ستارے ادب کے آسمان میں" نامی کتاب آئی ہے جس میں تمہارا تفصیلی ذکر ہے. میں سمجھ گیا کہ یہ وہی کتاب ہے. میں نے اسے کہا کہ ہاں! یہ کتاب محمد داؤد دوفا نے لکھی ہے اور پشتو زبان کی ہے.

امریکی: وہ ذرا خاموش اور حیران ہوا پھر ہنسا اور کہا کہ بہت تیز ہو.

مسلم دوست: اس میں تیزی کی کیا بات ہے؟.

امریکی: یہ میں نے صرف اس لئے کہا کہ تم یہ بات سمجھ سکو کہ میں تمہیں جانتا ہو.

مسلم دوست: ہوسکتا ہے کہ تم مجھے جانتے ہو مگر گہرائی کے ساتھ نہیں.

امریکی: ھاں! اور اس لئے تمہارے قریب آیا ہوں کہ تمہیں گہرائی تک جان سکوں اور تمہارے معاملے کی گہرائیوں تک پہنچ جاؤں.

پھر اس نے مجھے میرے متعلق، میرے گھر، خاندان، گاؤں اور علاقے زمین، کاروبار اور افکار وخیالات کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی اور اس نے مجھے حیران کر دیا. یہاں تک کہ کوٹ کے صاحبانوں کلی اور فقیر آباد کے حوالے سے بھی اس کے پاس تفصیلی معلومات تھیں. استاد بدر کے حوالے سے بھی وہ کافی معلومات رکھتا تھا. پھر اس نے کہا کہ تم دونوں بھائیوں کی جوڑی ایسی ہے کہ یہ اچھی بھی بن سکتی ہے اور خطرناک بھی. ہماری ایجنسیاں کہتی ہیں کہ اگر یہ دونوں بھائی مل کر ہمارے خلاف کچھ کرنا چاہیں تو یہ انتہائی خطرناک ہوگا. اس وجہ سے تمہارا معاملہ موخر کر دیا گیا اور تمہیں ان سے الگ کر دیا گیا.

مسلم دوست: جو شکوک اور خدشات بغیر کسی دلیل کے ہوتے ہیں ان کا تو کوئی علاج نہیں. میڈیا میں لکھنے کے علاوہ ھم تمہارے خلاف کیا کر سکتے ہیں؟

امریکی: ھم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم امریکیوں کو پسند نہیں کرتے اور انھیں دشمن کی نگاہ سے دیکھتے ہو. اور آپ جیسے لوگوں کی تحریری سرگرمیاں لوگوں کے جذبات بھڑکاتے ہیں انھیں مائل کرتے ہیں اور.... لیکن چونکہ تمہارے خلاف ھمارے پاس کسی ظاہری جرم کا کوئی ثبوت نہیں اس لئے ھم تمہیں رہا کر رہے ہیں. کسی بھی قانون کے تحت ھم تم لوگوں کو رکھ نہیں سکتے. تمہاری طرح دوسرے بہت سے قیدی بھی رہا کئے جائیں گے. ھم پر بہت زیادہ دباؤ ہے قیدیوں کے قید رکھنے سے ھمیں کوئی فائدہ نہیں ہوا.

میں چاہتا ہوں کہ تمیں وہ بتادوں جو ھم ہر کسی کو نہیں بتاتے. اگرچہ میں سمجھتا ہوں کہ تم ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہو مگر پھر بھی تمہیں بتاتا ہوں کہ تم دونوں بھائی تعلیم یافتہ ہو. ہر چیز سمجھتے ہو. اپنے مستقبل کی فکر کرو. ھمارا نیٹ ورک پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور تم لوگ جو کچھ بھی کرو گے ہمیں اطلاع ملے گی. مرضی تم لوگوں کی اپنی ہے کہ خطرناک کام کرتے ہو یا نہیں. اس نے ہاتھ بڑھایا اور ایک چھوٹا سہ آلہ اٹھایا جو میں نے کبھی دیکھا نہیں تھا اسے کمپیوٹر میں منسلک کیا. میرے خیال میں کوئی خاص قسم کا انٹیلی جنس سے متعلق سی ڈی یا حافظے کا کوئی آلہ تھا. وہ ماؤس ہلا رہا تھا جس کے ساتھ فلم کمپیوٹر سکرین پر شروع ہوئی. میں نے دیکھا کہ میں پشاور حیات آباد میں اپنے گھر کے کتب خانے میں مہمانوں کے ساتھ بیٹھا ہوں باتیں کر رہا ہوں. اس منظر کو ہٹا دیا گیا تو دیکھتا ہوں کہ استاد بدر ڈبل کیب گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہے. اس کے ساتھ والی سیٹ پر ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہے. اچھی طرح دکھائی نہیں دے رہا تھا یا تو ھمارے مرحوم والد تھے یا پھر حاجی کوچی تھے. اس آدمی کی سفید پگڑی اور سفید داڑھی تھی. مگر گاڑی کے شیشے کے اندر واضح طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا. استاد نے شیشے سے سر باھر نکال کر کسی کو کہا کہ آؤ گاڑی میں بیٹھ جاؤ. اور عبدالعزیز پیچھے بیٹھ جائے گا. ایسا لگ رہا تھا کہ کیمرہ مین سے مخاطب ہے. اس کے بعد تہکال بالا میں ھمارے کاروباری گودام کا منظر دکھا کر جلد ہٹایا گیا. پھر ایک اور آلہ کمپیوٹر کے ساتھ منسلک کیا اور دوسری فلم دکھا دی. میں نے دیکھا کہ مولوی سمیع اللہ نجیبی، حاجی روح اللہ، حاجی حیات اللہ، حاجی ولی اللہ اور بعض دوسرے لوگ ھمارے بارے میں باتیں کر رہے ہیں اور اس بات کی گواھی دے رہے ہیں کہ ھمارے اسامہ اور طالبان سے رابطے ہیں ھم امریکہ کے سخت ترین مخالفوں میں سے ہیں. پوری دنیا کی اسلامی تنظیموں کے ساتھ تعان کرتے ہیں اور لوگوں کو امریکہ کے خلاف جہاد کی دعوت دیتے ہیں. اور تبلیغ کرتے ہیں اس نے فلم جلدی جلدی چلائی اور تفصیل دکھائے بغیر صرف ہر ایک کی ایک آدھ

بات دکھادی. تفتیشی افسران ان چاروں مفسدین کو "فورولاز" کہتے تھے. فورولاز نے بڑے اخلاص کے ساتھ ھمارے خلاف گواھی دی. پھر انھوں نے حاجی روح اللہ کی تفتیش کے بعض اقتباسات مجھے دکھائے. اور پھر کمپیوٹر بند کردیا اور طویل تبصرہ کردیا اور یہ بھی کہا کہ ھم تمہارے خلاف یہ ثبوت رکھتے ہیں اور تمہیں سزا دلوانے کے لئے گواھی کی خاطر یہ فلم بھی پیش کرسکتے ہیں مگر ھم سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کے دشمن ہیں اور انھوں نے جھوٹ بولا ہے. انھوں نے اس کے علاوہ بھی ھم سے بہت جھوٹ بولا ہے اور ھمارے ساتھ خیانت بھی بہت کی ہے. ان لوگوں نے اپنے وطن، دین اور ھم سب کے ساتھ خیانت کی ہے. یہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کام کرتے ہیں اور آئی ایس آئی کے اشاروں پر ناچتے ہیں. اگر یہ لوگ ھمیں جھوٹ نہ کہتے اور ھمارے ساتھ خیانت نہ کرتے تو آج ھم یہ فلم تمہیں کبھی بھی نہ دکھاتے بلکہ تم دونوں بھائیوں کا مستقبل بھی اب کچھ اور ہوتا... پھر اس نے دینی معلومات اور سوالات شروع کئے اور یوں لگ رہا تھا جیسا وہ کوئی مستند دانشور ہو. اس کے پاس کافی معلومات تھیں اور بہت سے معاملات سمجھتا تھا اسلام سے منسوب مختلف مذاھب، تنظیموں، اداروں، اشخاص، کتب اور افکار کے بارے میں اسے معلومات حاصل تھیں.

پھر اس نے کہا کہ ھم سمجھتے ہیں کہ آپ لوگ ایک اسلامی امت اور خلافت کی بات کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ھماری مخالفت کریں آپ جیسے لوگ بہت زیادہ ہیں اور ھم سب کو گرفتار نہیں کرسکتے. آپ کے افکار نے خطرناک حد تک مسلمانوں میں سرایت کی ہے. آپ لوگ چاہتے ہیں کہ وھابی اور اخوانی خلافت قائم کریں. ھم اسلام کے خلاف نہیں مگر وھابی اخوانی حکومت کسی بھی جگہ برداشت نہیں کرسکتے...

مسلم دوست: وھابی اخوانی اور اسلام کے درمیان کیا فرق ہے؟

امریکی: وھابیوں اور اخوانیوں کا موقف سخت اور بنیاد پرست ہے. ھم مسلمانوں کے کئی علماء کے ساتھ بڑے اچھے روابط رکھتے ہیں. افغانستان اور عراق میں ھمارے ساتھ بڑی تعداد میں علماء کام کرتے ہیں. وہ جمہوریت کے خلاف نہیں ھم اسامہ، ظواھری، حکمتیار اور ملا عمر جیسا اسلام نہیں چاہتے امریکہ میں بھی مسلمان ہیں....

مسلم دوست: اسلامی خلافت کے قیام میں تمہیں کیا نقصان ہے؟

امریکی: موجودہ حکومتیں سب اسلامی ہیں اسلامی خلافت کی کیا ضرورت ہے؟. اگر بنیاد پرستوں کے ہاتھوں میں حکومت آجائے تو وہ ھمارے ساتھ اس سے بھی بدتر عمل کریں گے جس طرح

نیویارک اور واشنگٹن میں ہمارے ساتھ کیا۔

مسلم دوست: اگر آپ مسلمانوں کے امور میں مداخلت نہ کریں۔ اور مسلمانوں کے حوالے سے دھری سیاست نہ کریں۔ مسلمانوں کے دشمنوں کو مضبوط نہ کریں اور ان کے ساتھ امن کا معاہدہ کریں تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر کسی اسلامی خلافت کے قیام میں آپ کو کوئی نقصان ہے، بلکہ اسلام میں تم لوگوں کا فائدہ ہے۔ تمہارے اور مسلمانوں کے مسائل کا حل میرے خیال میں اسلامی خلافت اور اسلام میں ہے۔

امریکی: وہ کس طرح؟

مسلم دوست: وہ اس طرح کے تمہارے لئے اسلام میں چار راستے ہیں۔ تین راستے امن کے اور ایک راستہ جنگ کا ہے۔ اگر آپ امن کے تین راستوں میں سے کوئی بھی ایک راستہ اپنائیں تو امن و خوشحالی کی زندگی گزاروگے اور اگر خود ہی جنگ کا راستہ پسند کریں تو پھر یہ اسلام اور مسلمانوں کا گناہ نہیں۔

امریکی: وہ چار راستے کونسے ہیں؟

مسلم دوست: امن کے تین راستے یہ ہیں:

① اسلام قبول کریں تم ہمارے بھائی بن جاؤ گے اور پٹرول سمیت تمام وسائل میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ گے۔

② اگر اسلام قبول نہیں کرتے ۔تو مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کریں یہ جزیہ تمہارے موجودہ جنگی اخراجات کے دسویں حصے سے بھی کم آئے گا۔ جزیہ کے بدلے میں تمہارے ہاں امن کے قیام کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوگی اور وہ آپ کا دفاع کریں گے۔ پھر تمہیں فوج کی ضرورت ہوگی اور نہ ہی جنگی طیاروں، توپ و ٹینک اور میزائل و بارود کی چنانچہ ان پر خرچ ہونے والے اخراجات اپنی زندگی کی سہولتوں پر خرچ کرسکو گے۔

③ تیسرا راستہ یہ ہے کہ اگر اسلام بھی قبول نہیں کرتے اور جزیہ بھی نہیں دیتے تو پھر اسلامی خلافت کے ساتھ امن کا معاہدہ کریں مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت نہ کریں، مسلمانوں کے دشمنوں کو مضبوط نہ کریں۔ ان کے خلاف سازشیں اور منصوبے نہ بنائیں...تو مسلمان تمہارے خلاف کسی

قسم کی کوئی کاروائی نہیں کریں گے۔

④ اگر امن کے یہ تینوں راستے تمہیں قبول نہیں تو پھر خود بخود چوتھا راستہ جنگ کا اختیار کرتے ہو۔

امریکی: ھم اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ تم ھمیں یہاں ایسی باتیں کہتے ہو تو باھر جا کر کیا کہو گے؟

مسلم دوست: میں یہاں اور باھر حقیقت بیان کرتا ہوں۔ میری باتوں میں یہاں اور باھر کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔

امریکی: تمہاری فائلوں میں تین باتیں میرے دل کو لگی ہیں اس لئے تمہارے ساتھ باتوں میں اتنی دلچسپی لی۔ ایک یہ کہ تمہاری فائل میں ہر تفتیشی افسر نے لکھا ہے کہ یہ شخص سچ کہتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ دلائل کے ساتھ بحث کرتا ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ طنز و مزاح کرتا ہے۔ واپس پہلی بات کی طرف آتے ہیں۔ بنیاد پرست ھمیں کسی حال میں نہیں چھوڑتے اس لئے ھم ان کے خلاف ہیں اور انھیں نہیں چھوڑتے ہیں۔

مسلم دوست: پھر ان کے رد عمل کو بھی برداشت کرو۔

امریکی: ھمارے اور بنیاد پرستوں کے درمیان جنگ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ جیتیں گے اور ھم کہتے ہیں کہ ھم جیتیں گے۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ ھمیں اپنی زندگانی، مفادات اور کلچر کے حوالے سے خدشات ہیں اور ان کے اپنے اقدار اور معیار ہیں ھم ایک دوسرے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جنگ بہت وسیع اور طویل ہو جائے۔

اس نے کیمپ، قیدیوں، افغانستان، پاکستان سے متعلق اور بعض دیگر متعدد دینی، سیاسی، ثقافتی اور جاندار سوالات اور تبصرے کئے۔ تفصیلی باتیں، تبصرے اور سوالات کئے۔ پھر مجھے کہا کہ اگر افغان حکومت کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہو تو گورنری سے لے کر وزارت تک ھم تمہیں اور تمہارے بھائی کو کوئی بھی کام دے سکتے ہیں۔ اگر کوئی اور کام کرنا چاہو اس میں بھی مدد و تعاون کے لئے تیار ہیں، ھماری مخالفت چھوڑ دو۔ زندگی اچھی ہو جائے گی۔ اپنی اور اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر کریں..

مسلم دوست: افغان حکومت میں تعیناتی آپ کرتے ہیں؟

امریکی: کافی دیر خاموش اور فکر مند ہوا پریشانی میں چھت کی طرف تکتا رہا۔ پھر میری جانب منہ کر کے ہنسا اور

کہا کہ میرا مطلب تھا کہ ھم کرزئی کو سفارش کردیں گے. پھر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر کہا کہ ھم اور افغان حکومت اب یوں ہیں.

میں نے اسے کہا کہ ھم حکومت میں کام نہیں کرتے. جب میں رہا ہو جاؤنگا تو دیکھونگا. کہ اگر حکومت افغانستان اور افغانوں کے مفادات اور تقاضوں کے مطابق ہوئی، ہمارے دین اور ناموس کی محافظ ہوئی اور کسی کی کٹھ پتلی اور غلام نہیں. تو پھر ھم اس میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں گے اور یہ اپنا فریضہ سمجھیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر نہ صرف یہ کہ اس میں کام نہیں کریں گے بلکہ اس کی مخالفت کریں گے. سب سے بڑھ کر قلم کے ذریعے.

امریکی: تم نے ابتدائی دنوں میں بھی تفتیشی افسروں کے اس قسم کے سوالات کے جوابات اس طرح دیئے ہیں. ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا انتہائی سخت موقف والے ہو.

بات تبدیل کی میری تحریروں کے حوالے سے مختصر تبصرہ کیا.... اور فجر کی آذان سے کچھ پہلے مجھے رخصت کیا. رخصت کے وقت کہا کہ تمہارے ساتھ میری یہی ایک ملاقات تھی. آئندہ نہیں مل سکونگا میں امریکہ چلا جاؤنگا اور تم افغانستان. ہاتھ ملایا اور نکل گیا. تھوڑی دیر بعد سپاہی آئے. میرے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے باندھ دیئے اور زنجیروں کی جھنکار میں واپس بلاک لے گئے.

جھوٹ کی پہچان کے لئے جھوٹی مشین

پشاور میں آئی ایس آئی کی جیل سمیت باگرام، قندھار اور گوانتانامو میں کئی بار امریکی تفتیشی افسران نے ھمیں کہا کہ تمہیں ایک ایسی مشین کے سامنے لایا جائے گا جو تمہارے جھوٹ اور سچ کو ظاہر کرے گی ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے. گوانتانامو جیل کے اکثر قیدیوں کو دو طرح سے مشین کے سامنے لے جایا اس کی کچھ تاریں قیدی کے جسم کے مختلف حصوں کے ساتھ لگا دی جاتی اور قیدی سے کہا جاتا کہ ہلو نہیں، سانسوں سے جواب دو گے. یہ ای سی جی کی طرح کی مشین تھی اور سوالات کے وقت دل کی حرکت کی لائنیں بتاتی باقی کوئی حیثیت اس کی نہیں تھی.

مجھے ایک بار تفتیشی افسر نے کہا کہ تمہیں مشین میں رکھتے ہیں تم تیار ہو؟ میں نے اسے کہا کہ ہاں میں تمہاری مشین کو سمجھتا ہوں. یہ دل کی ای سی جی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی. مشین لے آؤ مگر پہلے مشین

تمہارے سامنے رکھیں گے اگر مشین نے کہا کہ یہ تفتیشی افسر جھوٹا ہے تو مشین سچ کہے گی. پھر میں بھی اس کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں اور اگر مشین نے کہا کہ یہ تفتیشی افسر سچا ہے تو پھر مشین جھوٹی ہے کیونکہ تمہارے جھوٹ خود مجھے معلوم ہیں. اگر چاہتے ہو کہ میں تمہارے جھوٹ گنوادوں تو تیار ہو جاؤ. اس نے کہا اب میرے جھوٹ مت گنواؤ، ہنسا اور اٹھا. اس کے بعد پھر کسی تفتیشی افسر نے نہ تو مجھے مشین کے بارے میں کہا اور نہ ہی مجھے مشین کے سامنے کبھی رکھا. یہ بھی محض ایک ڈرامہ اور نفسیاتی دباؤ تھا جس کے ذریعے بعض سادہ لوح قیدیوں کو ورغلایا جاتا تھا.

ذوق واحساس کی آزمائش

قیدیوں کا ذوق وفکر جاننے کے لئے یا بہ الفاظ دیگر ان کی بنیاد پرستی اور روشن خیالی کا جائزہ لیں، قیدی کو تفتیش کے کمرے میں طلب کیا جاتا. وہاں ایک سپاہی، ایک ترجمان اور تفتیشی افسر ہوتا تھا. قیدی کو ایک چارٹ دکھایا جاتا وہاں قیدی کو مختلف شکلیں اور رنگ دکھائے جاتے اور پوچھا جاتا کہ رنگوں میں کونسا رنگ پسند ہے اور شکلوں میں کون کونسے پسند ہیں؟ یہ سوالات تمام قیدیوں سے کئے جاتے. مجھے طلب کیا گیا تو رنگوں کے حوالے سے میں نے انھیں کہا کہ رنگ تو سب خوبصورت ہیں مگر بات تناسب کی ہے ایک رنگ ایک چیز کے ساتھ اچھا لگتا ہے مگر وہی رنگ دوسری چیز کے ساتھ اچھا نہیں لگتا بلکہ برا بر لگتا ہے. پھر میں نے اپنی شاعری میں سے ایک شعر انھیں سنایا جو اس سے متعلق تھا اور میں نے گوانتانا مو کے پنجروں میں لکھا تھا. وہ شعر یوں ہے.

په ښایست کی در نگونو دخل نشته
ښکلا نمك چی ولری جمال شی

ترجمہ: (خوبصورتی میں رنگوں کا کوئی دخل نہیں. جن میں حسن کی نمکینی شامل ہو وہی جمال بن جاتا ہے)

شکلوں میں انھوں نے ایک قدیم پختہ قلعہ، مٹی کے مکانات، ایک باپردہ خاتون، خوبصورت آنکھوں والی ایک بڑی لڑکی کا نقاب میں چہرہ، مغربی لباس، سنگ مرمر کے مضبوط مینار، وردی میں ملبوس لڑکی، پھلوں اور خشک میوہ جات کی دکان، ایک جدید چوراہے، پھولوں، چمن اور فصلوں وغیرہ کی شکلیں وتصاویر تھیں.

میں نے پختہ قلعہ، مٹی کے مکانوں، باپردہ خاتون، خوبصورت آنکھوں، فصلوں، خشک میوہ، پھولوں

اور باغ کی شکلیں منتخب کیں؟ میں نے انھیں بتایا کہ پختہ قلعہ عقیدے، عزم اور ارادے کی پختگی، مٹی کے مکانات ھمارے پیارے وطن افغانستان کے مٹی کے مکانات، باپردہ خاتون ھمارے دین کی عزت اور عفت، خوبصورت آنکھیں، خشک میوہ، فصلیں، پھول اور باغ حسن کی ترجمانی کرتے ہیں اور ھمیں ھمارے وطن کی یاد دلاتے ہیں۔ اس لئے میں نے ان اشکال کا انتخاب کیا ہے۔

اس نے کہا کہ یہ باقی کیوں پسند نہیں کئے؟ میں نے کہا کہ نہ تو مجھے مغربی لباس پسند ہے اور نہ ہی باقی چیزیں ھمارے ملک میں ہیں جب ھمارا ملک آباد ہو جائے اور اس طرح کی عمارتیں اور چوراہے وہاں بن جائیں تب میں ان کو پسند کروں گا۔ اب دوسروں کی ترقی مجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی تو کیوں میں انھیں پسند کروں۔ اس سے پہلے بھی پنجروں میں میری انگلیوں کے نشانات اور تصاویر لی گئیں۔ اور یہاں چوتھے کیمپ میں انہی دنوں میرے ہاتھوں کی تمام انگلیوں، پورے ہاتھ اور کلائی کے نشانات اور تصاویر پھر لئے گئے۔ قیدیوں کا خیال تھا کہ یہ رہائی کی تیاری ہے۔

قیدیوں کی رہائی

قیدیوں کی رہائی ان دنوں میں شروع ہوئی جب ھم پنجروں میں تھے ھمارے آنے تک تقریباً آدھے قیدی رہا ہو چکے تھے۔ ہم بالکل درمیان میں رہا ہوئے۔ ہم سے پہلے بعض یورپی، عرب، افغان اور تین کے علاوہ باقی تمام پاکستانی رہا ہوئے۔ ہر بار جب قیدیوں کا کوئی گروپ رہا ہو جاتا تو باگرام سے مزید نئے قیدی وہاں منتقل کئے جاتے۔ ہماری رہائی تک قیدیوں کا کوئی ایسا گروپ رہا نہیں ہوا جن کے بدلے میں نئے قیدیوں کا گروپ نہ لایا گیا ہو۔

۹ فروری ۲۰۰۶ کو گوانتاناموسے ۷ قیدیوں کا جو گروپ رہا ہو کر کابل پہنچا، پینٹاگون کے رسمی اعلان کے مطابق ۴۹۰ قیدی گوانتانامو میں باقی رہ گئے۔ اور دوسرے اعلان کے مطابق ۵۸۵ یا ۵۵۸ مگر یہ بات واضح ہے کہ ان عام قیدیوں کے علاوہ القاعدہ کے لیڈر اور دیگر کئی پوشیدہ قیدی بھی مختلف خفیہ جیلوں میں ہیں جو اس تعداد کے علاوہ ہیں۔

گوانتاناموکی فوجی عدالت

استاد بدر کی رہائی تک قیدیوں کے جتنے گروپ جیل سے رہا ہوئے بشمول استاد کے گروپ کے

بغیر کسی عدالتی کاروائی کے رہا کر دیئے گئے. مگر استاد کی رہائی کے بعد باقی تمام قیدیوں میں عدالتی کاروائی کے حوالے سے اطلاع نامے تقسیم کئے گئے. جن کا ذکر ترجمانی کی سختیوں اور تشدد کے موضوع کے تحت گزر چکا ہے.

ان اعلانیہ پرچیوں کی تقسیم کے چند ماہ بعد ایک نام نہاد فوجی عدالت قائم کی گئی. اکثر قیدیوں کو یہ تجویز دی گئی کہ امریکہ کو حق ہے کہ تمہیں مزید نا معلوم مدت تک کے لئے جنگی قیدی کی حیثیت سے رکھے اٹھارہ (۱۸) قیدیوں کو بری کرنے کا اعلان کیا گیا اور انھیں چوتھے کیمپ کے یونیفارم بلاک میں ڈال دیا گیا بری ہونے والے ۱۸ افراد میں سے ایک میں بھی تھا.

میرے کیس کی عدالتی کاروائی اس طرح ہوئی کہ ایک دن مجھے طلب کیا گیا. فوجی لباس میں ملبوس ایک شخص آیا اور مجھے بتایا کہ میں تمہارا وکیل ہوں. چند روز بعد تمہارے کیس کی سماعت ہے.

مسلم دوست: میں نے تمہیں نامزد نہیں کیا ہے پھر کیسے تم میرے وکیل ہو؟

امریکی وکیل: مجھے امریکی فوج نے تمہارے لئے وکیل نامزد کر دیا ہے.

مسلم دوست: عجیب بات ہے! تم میرے دشمن ہو پھر کیسے تم میرے وکیل ہو سکتے ہو؟

امریکی وکیل: نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں.

مسلم دوست: چند روز قبل تم لوگوں نے ھمیں نوٹس دیئے جن میں لکھا تھا کہ تم لوگ امریکہ کے جنگی دشمن ہو. تم بھی ایک امریکی اور امریکی فوج کے سپاہی ہو. امریکہ کا کوئی فرد میرا وکیل نہیں ہوسکتا. عجیب عدالت اور انصاف ہے کہ امریکہ خود مدعی ہے، خود جج، خود گواہ اور خود وکیل ......؟

امریکی وکیل: وہ ہنسا. ماتھے پر بل ڈالا اور کہا کہ تمہیں پسند ہو یا نہ مگر یہ عدالتی کاروائی لازماً ہوگی. اس نے مجھے الزامات بتائے اور کہا کہ اپنی صفائی کے لئے کوئی گواہ رکھتے ہو یا نہیں؟

مسلم دوست: میں نے کہا کہ گواہ تو آپ لوگ پیش کریں گے. آپ لوگوں نے دعوٰی کیا ہے اور مجھ پر یہ الزامات لگائے ہیں. پھر مجھ سے گواہ کس طرح مانگتے ہو؟

امریکی وکیل: اس نے کہا کہ ھمارے پاس گواہ نہیں تم بتا دو.

کافی بحث کے بعد میں نے بتا دیئے. چند روز بعد پھر مجھے طلب کیا گیا اور مجھے بتایا کہ ھم تمہارے گواہوں کو ڈھونڈ نہیں سکے. یہاں جیل میں کوئی گواہ بتا دو. میں نے کہا کہ ان قیدیوں کے ساتھ تو میرا تعارف

یہاں ہوا.مگر یہ بات کہ ھرات میں میرا کوئی دفتر تھا، بہت بڑا جھوٹ ہے.اس کے بارے میں تم ھرات کے طالبان دور کے گورنر ملا خیراللہ خیرخواہ سے سوالات کرو اگر اس نے بتا دیا کہ میں جانتا ہوں یا اس قسم کا کوئی دفتر تھا تو میں مجرم ہوں گا.اگر نہیں تو پھر تم لوگ گواہ سامنے لے آؤ.گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے، مدعی علیہ کی نہیں.تم لوگوں نے مجھ پر دعوی کیا ہے. یقیناً تمہارے پاس گواہ ہوں گے اگر نہیں ہوں گے تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ میں بے گناہ ہوں. مجھے واپس بلاک بھجوایا گیا. چند روز بعد زنجیروں اور بیڑیوں میں بندھا ہوا عدالتی کاروائی کے لئے لے جایا گیا.عدالت کے لئے ایک بڑا ہال بنایا گیا تھا. مجھے دیوار کے قریب ایک جانب کرسی پر بٹھایا گیا اور فرش میں لگے آہنی ہک کے ساتھ حیوانوں کی طرح باندھا گیا.کچھ دیر بعد میرا وکیل اور ترجمان آیا.وکیل میرے دائیں جانب اور ترجمان بائیں جانب کرسیوں پر بیٹھ گئے.کچھ دیر بعد دو عورتیں آئیں ایک وائٹ امریکن تھی جو تھوڑے فاصلے پر ایک میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھ گئی اور دوسری بلیک امریکن تھی جو اس کے ساتھ دوسری میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھ گئی. بلیک خاتون امریکی حکومت کی جانب سے وکیل تھی اور وائٹ خاتون کے آگے ایک مشین رکھی تھی جس میں وہ عدالتی کاروائی ریکارڈ کر رہی تھی.ان کے بعد تین جج آئے جن کی وردیاں بھی نام نہاد عارضی خصوصی نمائشی ججوں کی گواھی دے رہی تھیں ایک جانب لمبا، چوڑا پیلی آنکھوں والا تھا میں نے اسے پہچان لیا مگر وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے نہیں جانتا.دوسرا دبلا پتلا پیلی آنکھوں والا گنجا شخص تھا. ایک سبز انکھوں والا تھا ان کے اندر آتے ہی سب احتراماً کھڑے ہوگئے اور میں بیٹھا رہا.لمبا چوڑا ھمارے سامنے بڑی میز کے پیچھے درمیان والی کرسی پر بیٹھ گیا.دبلا پتلا اس کے دائیں جانب اور سبز آنکھوں والا بائیں جانب کی کرسیوں پر بیٹھ گئے.ترجمان نے سب کا تعارف کیا.درمیان والے جج نے باتیں شروع کی. پہلے انھوں نے حلف لیا پھر مجھے حلف دیا کہ سچ کہیں گے اور انصاف کریں گے.پھر مجھے کہا کہ مسلم دوست! تم پر امریکہ کی جنگی دشمن کی حیثیت سے مقدمہ چلایا جا رہا ہے امریکی حکومت کی جانب سے تمہارے خلاف تین الزامات ہیں، جو یہ ہیں.

① تم سال ۲۰۰۱ میں افغانستان گئے ہو.

② تم ان اسلامی تنظیموں سے روابط رکھتے ہو جو دھشت گرد ہیں.

③ ھرات میں تمہارا ایک دفتر تھا جو القاعدہ کا دفتر تھا.اور القاعدہ کا کوئی بھی لیٹر تمہارے دستخطوں کے بغیر نہ جاتا..

میں نے انھیں کہا

(۱) سال ۲۰۰۱ کے دوران میں افغانستان گیا تھا. یہ بالکل درست ہے افغانستان میرا وطن ہے میں گاہے بگاہے وہاں جاتا رہتا ہوں. یہ کوئی جرم نہیں ہے.

(۲) تنظیموں کے ساتھ میرے روابط کس طرح کے تھے؟ میرا جن کے ساتھ جیسا رابطہ تھا اور جن کے ساتھ نہیں تھا یا روابط توڑ دیئے تھے. ان سب کی نشاندھی میں نے خود کی ہے اور یہ کوئی جرم نہیں ہے.

(۳) رہ گئی یہ بات کہ ھرات میں میرا دفتر تھا یہ سراسر بہت بڑا جھوٹ ہے. اگر میرا دفتر تھا تو کس علاقے کس روڈ پر تھا؟ گھر کا نمبر کیا تھا؟ اور ھمارے ھمسائے کون تھے؟.. دوسری بات یہ کہ یہاں تمہارے پاس ھرات کا والی ملا خیراللہ خیرخواہ قید ہے اس سے اس بارے میں پوچھیں. ہرات شہر تمہارے شہروں کی طرح بڑا شہر نہیں. اگر وہاں اتنا اھم دفتر تھا تو اس کا علم ملا خیراللہ کو لازماً ہوتا. اگر انھوں نے صرف اتنا کہا کہ میں ویسے ہی کبھی ہرات گیا ہوں تو پھر بھی یہ الزام درست ہوگا. میں اپنی ساری زندگی میں کبھی ہرات بھی نہیں گیا. دوسری بات یہ کہ تمہارے الزامات پہلا اور تیسرا باھم تضاد رکھتے ہیں. پہلے الزام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میں بیرون افغانستان رہ رہا ہوں اور صرف ۲۰۰۱ کے دوران افغانستان گیا ہوں اور تیسرے الزام سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرا دفتر افغانستان میں تھا اور میں وہاں رہ رہا تھا!!! اگر واقعی وہاں میرا دفتر ہوتا تو میں کبھی بھی انکار نہ کرتا بلکہ جرأت کے ساتھ اقرار کرتا. مگر یہ درست نہیں. جج نے امریکی حکومت کے وکیل سے پوچھا کہ ان کے پاس کوئی دلیل یا گواہ ہے؟

اس نے کہا کہ نہیں. میں بھی ہنسا اور جج بھی. خاتون وکیل نے پھر کہا. کہ بعض باتیں ہیں مگر سکیورٹی کے لحاظ سے خفیہ ہیں. میں ابھی وہ بیان نہیں کرسکتی. پھر آپ کے ساتھ خصوصی مجلس میں ان کا اظہار کردونگی.

میں نے کہا کہ عدالتیں مدعالیہ سے باتیں نہیں چھپاتا. ابھی بتاؤ تا کہ میں ان کا جواب دے سکوں.

خفیہ باتیں جھوٹی ہوتی ہیں اور مجرم ایسا کرتے ہیں. میں سمجھتا ہوں کہ اس بات کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے جاسوسوں اور کٹھ پتلیوں کا نام نہیں لے سکتے.

اس دوران ملا خیراللہ خیرخواہ کو لایا گیا اور میرے بائیں جانب ترجمان سے اگلی کرسی پر بٹھایا گیا.

اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں علم ہے کہ ہرات میں القاعدہ کا دفتر تھا اور مسلم دوست اس میں کام کرتا تھا؟ اس نے

بتایا کہ نہ تو وہاں دفتر تھا اور نہ ہی میں مسلم دوست کو جانتا تھا۔

اسے واپس لے جایا گیا۔ بڑے جج کے ساتھ سبز آنکھوں والے جج نے عدالتی کاروائی سے ہٹ کر بعض سوالات کئے کہ تم نے اخبارات میں مضامین لکھے ہیں؟ میں نے کہا ہاں! ان جرائد کے بارے میں سوالات کئے جو میں نے چلائے تھے۔ ان کے اجراء اور بندش کی تاریخ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے سب بتا دیا۔ میرے وکیل نے انہیں بتا دیا کہ اسلامی اور عیسوی کیلنڈر کے فرق کو مدنظر رکھیں میں نے انہیں بتایا کہ تمہاری آسانی کے لئے میں نے عیسوی تاریخوں کا حوالہ دیا ہے۔ وکیل نے کیس کی مکمل سماعت کے دوران صرف یہی ایک بات کی۔ باقی خاموش بیٹھا رہا۔ جج نے کہا کہ تم ایسی باتیں کر رہے ہو کہ وکیل کی ضرورت نہیں رکھتے۔ ہم اپنا فیصلہ واشنگٹن بھجوا دیں گے۔ انتظار کریں۔ پھر کہا کہ ہم تمہارے ساتھ عدل کریں گے۔ وہ چلے گئے اور مجھے بھی واپس بلاک بھجوایا گیا۔ ۲۸/۱/۱۳۸۴ ہجری ش۔ ۷/۳/۱۴۲۶ ہجری ق، ۱۷/۴/۲۰۰۵ء اتوار کے روز مجھے پھر طلب کیا گیا۔ ایک ترجمان اور ایک اور شخص جو فوجی لباس میں تھا، آئے اور مجھے بتایا کہ تمہارے بارے میں ججوں نے فیصلہ دے دیا ہے کہ تم پہ کوئی جرم ثابت نہیں ہوا ہے۔

کیا اس کے معنی سمجھتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں! اس کے معنی ہیں کہ مجھے بری کر دیا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں۔ تمہیں بری کر دیا گیا ہے اب تمہیں دوسرے قیدیوں سے الگ کر دیا جائے گا اور بہت جلد گھر چلے جاؤ گے۔ واپس بلاک لایا گیا۔ وہاں دوسرے قیدیوں کو اطلاع دی۔ سب بہت خوش ہوئے۔ معمول کے مطابق اپنا سامان اٹھایا۔ دو ساتھیوں نے میرا سامان اٹھایا اور ینگی بلاک کے قریب یونیفارم بلاک لے جایا گیا۔ بری ہونے والے دوسرے قیدی مجھ سے پہلے بھی وہاں لائے گئے اور میرے بعد بھی کئی لوگ لائے گئے۔ کل بیس افراد وہاں اکٹھے کئے گئے جن میں دو سعودی عرب کے اور ایک ترکی کا تھا جبکہ باقی سترہ ہم سب افغان تھے۔ چند روز بعد ریڈ کراس کے اہلکار آئے۔ ایک ایک کو باری باری کمرے سے بلایا اور بتایا کہ تم لوگ اپنے گھروں کو روانہ ہو رہے ہو اور روانگی کی ترتیب یوں ہوگی۔

بری ہونے کے ایک ماہ بعد ایک سپاہی نے مجھے کہا کہ تم لوگوں کو آج اپنے گھروں کو بھجوایا جائے گا۔ سب خوش ہوئے اور دیگر قیدیوں کے ساتھ دور سے الوداع کیا مگر یہ بات درست نہیں تھی اور ہم رات کو روانہ نہ ہو سکے۔ کل کیمپ کا انچارج آیا اور سب کو بتایا کہ آج رات تم سب کو طیارے میں باگرام بھجوایا جائے گا۔ چنانچہ ایک بار پھر تمام قیدیوں کے ساتھ دور سے الوداع کیا۔ رات اتوار کی شب ۲۹/۲/۱۳۸۴ ہجری ش ۸/۴/۱۴۲۶

ہجری ق ۲۰۰۵/۴/۱۷ کو رات ۱۱ بجے سپاہی آئے اور ہمیں بتایا کہ جانے کی تیاری کرو. ایک ایک کو کمرے سے نکالا اور ہر ایک کو ایک ایک کالے رنگ کا بکس حوالے کیا. جس میں پینٹ، شرٹس، بنیان، بوٹ، موزے ایک کمبل، شیمپو، صابن، ٹوتھ پیسٹ اور برش اور ادویات تھیں. ہم نے کپڑے بدل لئے. رات ایک بجے ہمیں باری باری نکالا گیا. زنجیروں اور بیڑیوں سے باندھ کر باہر بسوں میں لے جا کر بٹھایا گیا. کچھ دیر بعد بس روانہ ہوئی. تمام شیشوں کو رنگ کر دیا گیا تھا جس سے باھر کا منظر دکھائی نہیں دے رہا تا ہم میں ایسی جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں سے ڈرائیور کا شیشہ تھوڑا سا دکھائی دے رہا تھا. جس سے باھر سامنے کا منظر دکھائی دے رہا تھا. بس سمندر کے کنارے تک پہنچی اور بحری بیڑے پر چڑھی جو ساحل کی جانب روانہ ہوا. ساحل پر بس بیڑے سے اتری اور ہوائی اڈے میں داخل ہوئی. جہاں ایک بڑا فوجی طیارہ پرواز کے لئے تیار کھڑا تھا اور دم کی جانب سے کھلا تھا. ہمیں باری باری دونوں بازوں سے پکڑ کر طیارے کے اندر لے جا کر سخت پلاسٹک کی نشتوں پہ بٹھایا گیا. اور ماضی کی طرح پاؤں کی زنجیریں فرشی ہک میں لاک کر دی گئیں. عجیب بات تو یہ تھی کہ ہمیں امریکی عدالت نے بری کر دیا تھا مگر پھر بھی ہمیں زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑی حالت میں طیارے کی فرشی ہکوں میں لاک کر کے روانہ کیا گیا. ہم سوچتے رہے کہ ہم تو بے گناہ ہیں امریکی عدالت نے ہماری بے گناہی کا اعتراف کیا اور ہمیں بری کیا گیا اور ہمارے ساتھ اب انسانوں جیسا سلوک روا رکھا جائے گا. اور نرم نشتوں پر کھلے ہاتھوں اور کھلی ٹانگوں کے ساتھ گھروں کو جائیں گے مگر ہمیں معلوم نہیں تھا کہ بزدل امریکی فوجی اب بھی ہمیں معاف نہیں کریں گے اور اسی طرح جانوروں جیسا سلوک روا رکھیں گے!!!

فوجیوں نے ہماری آنکھوں پر تو پٹیاں نہیں باندھی مگر کانوں پر پٹیاں باندھ دیں جو ہم نے بعد میں ہٹا دیں. ایک عجیب طیارہ تھا میں تو مسافر طیاروں بوئنگ میں حج سمیت مختلف سفر کر چکا تھا. وہ تو بڑے اچھے طیارے تھے مگر یہ باربرداری کا طیارہ تھا. اس طیارے کی چھت اور دونوں جانب دیواروں کا اندرونی جانب سے کوئی پردہ نہیں تھا اور اس کے سارے پرزے دکھائی دے رہے تھے. مشین، سائیلنسرز، تار، پائپ، اور باقی سب کچھ نظر آ رہا تھا. اس کے پیچھے کی جانب کا تختہ بٹن کے ذریعے اوپر نیچے ہوتا تھا. طیارے میں رفع حاجت کی اجازت نہیں تھی. جبکہ چھوٹا پیشاب بھی کھڑے ہو کر کیا جاتا تھا اور سپاہی بھی ساتھ ہی پیچھے کھڑے ہو کر نگرانی کرتا تھا. جس کی وجہ سے قیدیوں پر سخت تکلیف گزری کئی بار انتہائی ناکارہ خوراک لائی گئی جو صرف دو سلائس جس کے اندر جیم لگا ہوا تھا جو کسی نے بھی نہیں کھایا. صرف ترش سیب ایک

بار بڑے شوق سے کھائے۔ باقی تیس گھنٹے کا سفر بڑی تکلیف دہ طریقے سے گزارا بری ہونے والے بیس افراد میں سے صرف دو عرب باقی رہ گئے اور ہم ۱۷ افغان اور ایک ترکی آ گئے ترک قیدی کو ترکی میں اتارا گیا۔ اور ہم منگل کے دن ۳۰/۱/۱۳۸۴ ہجری ش، ۹/۲/۱۴۲۶ ہجری ق، ۱۸/۴/۲۰۰۵ع تقریباً دن کے دس بجے باگرام کے ہوائی اڈے پر اترے جب ہم باگرام پہنچے تو ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں۔ باگرام کے ہوائی اڈے میں امریکیوں کے کیمپ کے ایک بڑے خیمے میں ہمیں لے جایا گیا۔ جہاں ہماری آنکھوں سے پٹیاں کھول دی گئیں تاہم ہاتھ پاؤں بدستور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ باری باری ایک ایک آدمی کو لے جا کر کمپیوٹر سے اس کی آنکھوں کا عکس اور ہاتھوں کی انگلیوں کے نشانات لئے گئے۔ اس عمل میں کافی زیادہ وقت لگا۔ ہم نے نماز بھی وہی ادا کی اور پیکٹ بند روٹی بھی وہاں کھائی۔ اس کے بعد ہمارے بکس ہمیں دیے گئے۔

امریکیوں نے ہمیں ہماری تحریریں نہیں دیں

گوانتانامو جیل میں کافی مدت تک ہمیں قلم کاغذ نہیں دی جاتی تھی پھر جب قیدیوں کی درجہ بندی ہوئی تو درجہ اول قیدیوں کو قلم کاغذ دینا شروع کیا۔ ایک نرم قسم کا قلم تھا اور ۲۴ گھنٹوں میں سپاہیوں کی تین شفٹ تبدیل ہوتیں۔ ہر دفعہ شفٹ والے ہمیں ایک ایک کاغذ دیتے۔ بعض اوقات کوئی سپاہی دو تین کاغذ بھی دے دیتا۔ میں اور استاد بدر درجہ اول قیدیوں میں سے تھے اس لئے ہمیں قلم اور کاغذ دیا جاتا۔ کبھی کبھی استاد سے کاغذ فارغ ہوتا تو وہ مجھے دے دیتا اور دوسرے قیدی بھی اپنے حصے کا کاغذ مجھے دے دیتے تھے۔ ہم قلم اور کاغذ کے لئے بہت خوش تھے۔ میں نے لکھنا شروع کیا اور بہت زیادہ لکھا۔ دوسرے قیدی بھی حیران تھے کہ میں اتنا زیادہ لکھ رہا تھا۔ قید کے اس عرصے کے دوران میں نے اتنا کچھ لکھا کہ آزادی کی ساری عمر میں اتنا نہیں لکھا ہے جبکہ استاد بدر نے میرے مقابلے میں کم لکھا ہے۔

مجھے اللہ تعالی نے توفیق دی اور قرآن کریم کا لفظ بہ لفظ ترجمہ اور بامحاورہ ترجمہ و مختصر تفسیر لکھ دی۔ عقیدہ کے موضوع پر ایک کتاب تحریر کی اصول حدیث پر ایک کتابچہ عربی میں لکھا جس سے جیل میں موجود عرب قیدیوں نے بھی استفادہ کیا۔ منظوم فقہ تحریر کی جس میں ایمان، طہارت، نماز، زکوات، روزہ، حج اور نکاح کے موضوعات پر تمام بحث شامل کی گئی تھی۔ پشتو، عربی اور فارسی میں ۲۵ ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل شاعری کی

جس میں مختلف موضوعات کو یکجا کیا گیا تھا اس کے علاوہ دیگر ادبی ، علمی ، فرہنگی ثقافتی اور معلوماتی مباحث تحریر کئے ۔ یہ سارا ذہن اور حافظے کا محاصل تھا جن سے لگ بھگ بارہ کتب بن سکتی تھیں. وہاں نہ تو کسی سے رجوع ہوسکتا تھا اور نہ ہی لائبریریوں اور کتب سے کچھ اخذ کیا جا سکتا تھا. میں نے کافی محنت کی تھی. تلاشی کے وقت سپاہی یہ تحریریں مجھ سے لے لیتے تھے اور پختہ رنگ کے زرد لفافوں میں ڈال لیتے تھے اور ان پر میری فائل اور پنجرے کا نمبر لکھ لیتے تھے اور لے جاتے تھے ۔ لے جاتے وقت میں سپاہیوں کو تاکید کرتا کہ انہیں ضائع نہ کریں. تفتیش کے دوران بھی میں وقتاً فوقتاً یہ مطالبہ کرتا تھا اور تفتیشی افسران سے بھی کہتا تھا کہ میری تحریریں ورثہ اور اثاثہ ہے ۔ میں انہیں گھر لے جانا چاہونگا. یہ مجھے واپس دی جائیں یہ میرا حق ہے. تم لوگوں نے مجھے قلم اور کاغذ دیا تو اب میری تحریریں ضائع بھی نہ کرو. تفتیشی افسران وقتاً فوقتاً وعدے کرتے ۔ بالآخر آتے وقت کیمپ انچارج آیا اس نے مجھے کہا کہ تم نے اپنی تحریروں کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا. ہم نے یہ تحریریں ضائع نہیں کی ہیں بلکہ سنبھال رکھی ہیں ۔ یہ تمہارے ساتھ طیارے میں جائیں گی اور باگرام میں تمہارے حوالے کی جائیں گی مگر جب میں باگرام آیا اور ان کا مطالبہ کیا تو امریکیوں نے انکار کیا اور مجھے کہا کہ تمہاری تحریریں نہیں پہنچی ہیں. میری تحیریریں امریکیوں نے رکھ لیں اور صرف آخری دنوں کی چند تحیریریں ساتھ لانے دیں. میری تحریریں اسلامی مکتب اور پشتو زبان کا بہت بڑا سرمایہ اور اثاثہ تھیں وہ اب بھی امریکی فوجیوں کے پاس ہیں اگر وہ چاہیں تو مجھے واپس کرسکتے ہیں. استاد بدر نے بھی کافی اچھی چیزیں تحریر کی تھیں وہ بھی ان سے لے لی گئیں ۔

کابل کی طرف روانگی

باگرام میں جب امریکیوں کا کام مکمل ہوا تو انہوں نے پھر ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں اور ہمیں گاڑیوں میں بٹھایا کیمپ کے باہر افغان اہل کار ہمارے منتظر تھے وہاں ہماری آنکھوں سے پٹیاں ہٹا دی گئیں اور ہاتھوں اور پیروں کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بھی کھول دی گئیں. ہمیں افغان سرکاری اہل کاروں کے حوالے کیا گیا. ہمیں اپنے ہینڈ بیگز دیئے گئے ۔ افغان اہل کاروں نے ہمارے ساتھ ہاتھ بھی نہیں ملایا اور ہمیں فلائنگ کوچ میں بٹھایا اور ہمیں بتایا کہ سپریم کورٹ میں تم لوگوں کے لئے تقریب منعقد کی گئی ہے ۔ جہاں اخبار نویس بھی جمع ہیں ۔ ہم نے کہا کہ ٹھیک ہے. ساتھ ہی ہمیں یہ تلقین بھی کی گئی کہ تم لوگ وہاں باتیں نہیں کروگے بلکہ سپریم کورٹ کا چیف جسٹس باتیں کرے گا.

افغان اہل کاروں کی گاڑی جہاں کھڑی تھی یہ کیمپ سے باہر اور آخری حصار کے اندر تھی جب گاڑی باگرام سے نکلی تو ہم نے دیکھا کہ سڑک پر تھوڑے تھوڑے فاصلوں سے کہیں دائیں اور کہیں بائیں جانب کنکریٹ کی رکاوٹیں پڑی ہیں اور گاڑی کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب مڑ کر ہچکولے کھاتی ہوئی آہستہ چل رہی تھی جبکہ سڑک کے کناروں پر جگہ جگہ کانٹا تار بچھائی گئی تھی اور ریت کی بوریوں سے مورچہ بندیاں کی گئی تھیں. ہر جگہ سخت تلاشی کا سلسلہ جاری تھا یہ سب کچھ امریکیوں کے خوف اور افغانستان میں بدامنی کی ترجمانی کر رہی تھیں. ہم سمجھتے رہے کہ افغانستان میں اب کارپٹ سڑکیں ہوں گی، آبادی ہوگی اور کابل گل گلزار ہوگا. مگر یہ سوچ مکمل الٹ تھی. ہر جگہ مٹی اور دھول تھا. سڑکیں تباہ حال اور خراب تھیں اور کوئی مثبت تبدیلی نظر نہیں آرہی تھی بلکہ یوں دکھائی دے رہا تھا کہ اگر پرائی اور غیر ملکی افواج مزید تین چار سال افغانستان میں باقی رہیں تو کابل کی سڑکیں لوگوں کے چہروں پر چسپاں ہو جائیں گی اور جگہ جگہ ریت کی چٹان، رکاوٹیں اور کانٹا تار ہوں گے اور پھر خارجی افواج کے نکلنے کے وقت کابل جزیرۃ العرب کی صحرا کی طرح رہ جائے گا جہاں خشک ریت کے سیلاب بہیں گے.

جب ھم امریکی فوجیوں کے آخری حصار سے نکلے تو امریکی فوجیوں نے افغان اہل کاروں سے وہ کارڈ واپس طلب کئے جو حصار کے اندر جاتے وقت انھیں دیئے گئے تھے. جب بے وقت افغان اہل کاروں نے کارڈز واپس کئے تو امریکی فوجی نے انتہائی تکبر اور حاکمانہ لہجہ میں کہا کہ ایک کارڈ کی کمی ہے. جب تک یہ کارڈ واپس نہ کریں تب تک یہاں سے جا نہیں سکتے داخلہ امور کی وزارت کا انچارج کمانڈر جن کے ساتھ شمالی اتحاد کے محافظین بھی ساتھ تھے، انتہائی معذرت خواہانہ اور غلامانہ لب ولہجہ و انداز میں منت وسماجت کرتا رہا کہ ھمیں راستہ دو ھمیں جانے دو. سب ادھر ادھر کارڈ تلاش بھی کرتے رہے مگر کارڈ نہیں ملا. میں نے ایک افغانی منتظم سے کہا کہ کوئی بات نہیں صرف ایک کارڈ کی تو کمی ہے. کمانڈر صاحب کو امریکیوں کے پاس چھوڑ دیں. ھم لوگ چلے جائیں گے. یہ بات منتظم کو بری لگی. بالآخر ایک سپاہی کی نظر فلائنگ کوچ کے نیچے سڑک پر پڑی. اس نے دیکھا کہ کارڈ سڑک پر پڑا ہے وہ بہت خوش ہوا. کارڈ اٹھایا. کمانڈر کے حوالے کیا اور کمانڈر نے بڑے احترام کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے کارڈ امریکی فوجی کے حوالے کیا. اس معاملے میں ایک گھنٹہ گذر گیا اور ایک گھنٹہ رکے رہنے کے بعد ہم اس مشکل سے نکل گئے اور کابل کی جانب روانہ ہوئے. کافی دیر بعد ہم کابل پہنچے اور سپریم کورٹ کی عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے. صحافی گروپوں کی شکل میں سپریم کورٹ کی عمارت کے باھر

کھڑے تھے. ھمیں دیکھتے ہی وہ ھماری جانب لپکے. سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مولوی فضل ھادی شینواری باھر نکلے انھوں نے سفید پگڑی اور کالا گاؤن پہن رکھا تھا پریس کانفرس کے لئے بڑے ھال میں داخل ھوا. حال کے درمیان میں میزیں رکھی تھیں اوران کے اردگرد کرسیاں رکھی تھیں. بائیں جانب میزوں کے آخر میں اسٹیج تھا.فضل ہادی شینواری اور حکومتی اہل کار اسٹیج پر بیٹھ گئے. ھم کرسیوں پر بیٹھ گئے صحافی بھی کرسیوں پر بیٹھے تاھم کرسیاں کم اور صحافی زیادہ تھے اس لئے کئی کھڑے ہوگئے. میزوں پر چائے کی پیالیاں رکھی تھیں. بعض اخبارنویسوں نے رہائی پانے والے قیدیوں سے چوری چھپے باتیں بھی شروع کیں مگرانھیں وقت نہ مل سکا. فضل ھادی کواللہ تعالی نے اتنی توفیق بھی نہیں دی کہ ساڑھے تین سال بعد امریکی قید سے رہا ہونے والے قیدیوں کے ساتھ گلے ملے اور ہاتھ ملائے اور یہ اس لئے کہ کہیں امریکی آقا ناراض نہ ہوں اور ان کی جانب سے ڈالر بند نہ ہوجائیں!!!

اسٹیج سے اس نے باتیں شروع کیں اور یوں لگ رہا تھا کہ امریکیوں نے پہلے سے اسے ڈکٹیشن دے دی ہے کیونکہ اس نے ساری باتیں امریکی مفاد اورانھیں خوش کرنے کے لئے کیں. اس کی نظریں نیچی تھیں اور اس کی سفید پگڑی دور سے اس کی چغلی کھارہی تھی کہ میری سفیدی کو نہ دیکھیں، میری سفیدی ڈالروں نے ایسی کالی کی ہے جس طرح شینواری صاحب کے سینے میں موجود کالا دل اوراس کے کندھوں پر پڑا کالا گاؤن.... فضل ھادی نے مختصر باتیں کیں اور کہا کہ آپ لوگوں پر گوانتانامو جیل میں اوراس سے پہلے کافی تکالیف اور مشکلات گزری ہونگیں. ان کا ذکر کسی سے نہ کریں اور وہاں کے حالات بیان نہ کریں.

پھراس نے کہا واللہ میں نے امریکی سفیر سے ملاقات کی. اس نے مجھے اطمینان دلایا کہ امریکہ نے جن قیدیوں کو گوانتانامو میں قید کیا ہے یہ انھوں نے اچھا کیا ہے. واللہ میں تو اس کی باتوں کا یقین نہیں کرتا پھر اس نے کہا کہ کیوبا میں تین قسم کے قیدی ہیں ایک وہ جو دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہوئے ہیں ایک وہ جو غیروں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے سبب وہاں پہنچے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ جو ھمیشہ وہاں ہوں تو اچھا ہے....

ایک صحافی نے فضل ھادی سے سوال کیا کہ یہ قیدی تو بری ہو کر آئے ہیں. ان کے تین ساڑھے تین سالوں کا ھرجانہ کون دے گا؟ فضل ھادی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا ادھرادھر کی کہنے لگا. میں نے حکومتی اہل کاروں کی پابندیوں کو نظر انداز کیا اور بغیر کسی باری کے اپنی جگہ کھڑا ہوگیا اور باتیں شروع کیں. میرے اٹھنے پرصحافیوں نے بہت زیادہ دلچسپی لی. سب نے شور مچایا کہ اسٹیج پر چلے جاؤ. اسٹیج پر کوئی کرسی خالی نہیں تھی مگر

صحافیوں کے زبردست اصرار پر فضل ہادی کی دائیں جانب ایک سرکاری اہل کار نے اپنی کرسی خالی کر دی میں ادھر گیا اور باتیں شروع کیں۔

میں نے کہا کہ ہم عالم برزخ سے آئے ہیں اور یہ اس لئے کہ ھم ایک ایسی جگہ پر تھے جہاں نہ دنیا تھی اور نہ ہی آخرت۔ دنیا اس لئے نہیں تھی کہ دنیا کے ساتھ ھمارا کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ وہاں نہ تو ریڈیو تھا اور نہ ہی ٹی وی۔ نہ ہی اخبارات تھے اور نہ رسائل۔ ھمیں اس دنیا کی کوئی خبر نہیں تھی۔ ھمیں تو اس بات کا بھی علم نہیں کہ ھم افغانستان میں کوئی حکومت رکھتے ہیں یا نہیں؟! بالفرض اگر کوئی حکومت رکھتے بھی ہیں تو پھر حکومت کا کام یہ نہیں، جیسا کہ فضل ہادی صاحب نے کہا۔ بلکہ حکومت کا کام اور ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں سے اپنے قیدی اپنے ملک منتقل کریں گے۔ بہ فرض محال اگر وہ مجرم ہیں اور آپ خود کو حکومت کہتے ہیں تو پھر انھیں یہاں کیوں نہیں بلاتے اور خود ان پر مقدمات کیوں نہیں چلاتے؟ میں جہاں تک جانتا ہوں اور دیکھا ہے، گوانتانامو کے قیدی بے گناہ ہیں لیکن اگر وہ مجرم ہیں تو پھر آپ انھیں خود اپنی عدالتوں میں کیوں نہیں لاتے؟ اور اگر بالفرض کوئی قیدی قابل قتل ہے تو اسے بلا کر یہاں پھانسی دیں۔ مسلمانوں کا فریضہ تو یہ ہے کہ وہ کافروں کی قید سے اپنے قیدی رہا کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ **فکوا العانی** (تم قیدی آزاد کراؤ) پھر میں نے خلیفہ معتصم باللہ کی کہانی بیان کی کہ روم میں ایک مسلمان خاتون قیدی نے گرفتاری کے وقت یہ صدا لگائی تھی کہ اے معتصم کہاں ہو، اور کدھر گئے؟ اس نے ایک بڑی فوج تیار کی، بھجوائی اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کروایا۔۔ میری باتوں کے دوران فضل ہادی اس مجلس سے اٹھا اور خاموشی سے چلا گیا۔ میرے پیچھے جو حکومتی اہل کار کھڑا تھا اس نے پیچھے سے میرا دامن کھینچا اور مجھے کہا کہ بس کریں بس کریں میں نے یہ بھی کہا کہ پاکستانی افغانستان جنگ کے لئے آئے تھے افغانستان میں نہ تو حج تھا اور نہ ہی عمرہ جن کی آدائیگی کے لئے وہ آئے تھے مگر پاکستانی حکومت کی چالاکی اور کوششوں سے وہ آزاد ہوئے۔ مگر افسوس کے افغان سپریم کورٹ کے جج صاحب کہتے ہیں کہ افغان قیدی وہاں گوانتانامو میں رہیں تو اچھا ہے!!!

مزید باتوں کے لئے حکومتی اہل کاروں نے نہیں چھوڑا اس لئے باتیں مختصر کیں۔ صحافیوں کی خواہش تھی کہ ھمارے ساتھ باتیں کریں مگر ھمیں ان سے الگ کر دیا گیا۔ دو مزید قیدیوں نے بھی مختصر باتیں کیں۔ ایک ھنگامہ سا برپا ہو گیا۔ میز پر رکھی پیالوں میں چائے ڈالنے کا موقعہ بھی کسی کو نہیں ملا اور ھمیں زبردستی روانہ کیا گیا

اور گاڑیوں میں بٹھایا گیا اور اس بہانے کہ یہ ھمارے مہمان ہیں، ھمیں صحافیوں سے چھپایا گیا۔ کارتہ پروان میں وزارت داخلہ کے ایک مہمان خانہ نما عمارت میں ھمیں لے جایا گیا۔ وہاں ھمیں ڈبل بیڈ کمروں میں تقسیم کیا گیا۔ ھمیں ایک ایک کالے رنگ کی افغان واسکٹ، پگڑی اور کپڑے دیئے گئے۔ ھم نے کپڑے تبدیل کئے اور امریکی لباس پتلون، بنیان جیکٹ وغیرہ میں نے اسی مہمان خانے کے ایک منتظم کو دے دیں۔ ھم نے رات وہاں گزاری۔ میں نے ٹیلی فون کرنا چاہا مگر سرکاری اہل کاروں کو ان کے افسران نے ٹیلی فون کرنے کی اجازت نہیں دی۔ منتظم کے پاس موبائل فون تھا میں نے اسے موبائل کارڈ لانے کے لئے پیسے دیئے۔ اور کارڈ لوڈ کر کے میں نے پشاور اکیڈمی ٹاؤن میں اس گھر کا نمبر ملایا جہاں سے ھمیں گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ تین ساڑھے تین سالوں کی قید میں وہ نمبر میں بھولا نہیں تھا۔ جب میں نے فون ملایا تو میرے ایک دوست کے بیٹے نے ریسور اٹھایا اس نے مجھے پہچانا اور مجھے بتایا کہ آپ کا گھرانہ اس مکان سے اگلی گلی میں منتقل ہو چکا ہے۔ میں انھیں اطلاع کر دونگا۔ میں نے اسے منتظم کے موبائل فون کا نمبر دیا۔ اس نے نمبر میرے بیٹے عبدالاحد کو دیا اور کچھ ہی دیر بعد عبدالاحد نے مجھے فون کیا اور میں نے اس سے باتیں کیں ان کے بعد استاد بدر کا فون آیا۔ حکیم صاحبان عطاء الرحمٰن اور عبدالمالک اور دیگر سے باتیں کیں۔ استاد بدر جلال آباد میں تھا اس نے کہا کہ ھم ابھی کابل کی طرف روانہ ہو رہے ہیں میں نے بہت منع کیا کہ آپ نہ آئیں میں خود آ جاؤنگا مگر ان کا اصرار تھا کہ ھم انشاءاللہ آ رہے ہیں۔

وہ لوگ رات کے تین بجے جلال آباد سے کابل کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ صبح ۹ بجے وہ کارتہ پروان آ پہنچے افغان سرکاری اہل کاروں نے ہر ایک کو ان کی فائل اور کرایہ کے لئے دس ہزار افغانی کرنسی دی۔ تقریباً تمام قیدیوں کے عزیز و اقارب اور دوست آ پہنچے۔ ھمارے باقی رشتہ دار جلال آباد میں ٹھہر گئے تھے اور استاد بدر، مولوی محمد یونس حسنیار اور حکیم عبدالمالک کابل آئے تھے۔ اگرچہ کابل میں تمام دوستوں کی خواہش اور استدعا تھی کہ ھم کچھ دیر کے لئے ان کے پاس ٹھہر جائیں مگر ھمارے پاس وقت نہیں تھا۔ البتہ مامور عبدالرزاق کے انتہائی اصرار پر بدھ ۱۳۸۴/۱/۳۱ ہجری شمی کو دوپہر کا کھانا ھم نے ان کے ہاں کھایا۔ استاد بدر میرے لئے گھر سے میری پرانی ٹوپی، پگڑی اور کپڑے کابل لے آیا تھا وہ میں نے پہن لئے۔ ظہر کی نماز ادا کی اور مامور صاحب سے رخصت کی اجازت لے لی۔

جلال آباد کی طرف روانگی

جلال آباد اور پشاور میں بہت سارے دوست احباب انتظار میں تھے. بدھ ۳۱/۱/۱۳۸۴ھ ش کو دن کے ۲ بجے ھم کابل سے جلال آباد کی جانب روانہ ہوئے.: ماھی پر کا راستہ سڑک پر تعمیراتی کام کی وجہ سے ٹریفک کے لئے بند کر دیا گیا تھا اور اکثر گاڑیاں "لتہ بند" کے متبادل راستے سے چل رہی تھیں تاھم بعض چھوٹی گاڑیاں ماھی پر کے زیر تعمیر سڑک پر سے بھی گزر جاتی. ھم بھی ماھی پر کے راستے سے چلے. راستے میں نئ پرانی باتوں کے حوالے سے سوالات کئے اور باتوں ہی باتوں میں کابل اور جلال آباد کا راستہ طے کیا.

جذبوں اور ولولوں سے بھرپور استقبال

تمام دوستوں اور رشتہ داروں کی خواہش تھی کہ وہ کابل آئیں مگر میں نے فون پر انھیں کہہ دیا تھا کہ مت آئیں. مگر وہ خوشی انس ومحبت اور احساس وجذبے کے ساتھ درونٹہ سرنگ سے بہت آگے تک آ گئے تھے اور راستے میں استقبال کے لئے کھڑے تھے. جب ھماری گاڑی وہاں پہنچی تو ان پر میری نظر پڑی. ھم نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور نیچے اتر آئے. سب میری طرف دوڑے لپکے اور کئی نوجوانوں نے انتہائی خوشی میں سڑک پر اللہ تعالی کے حضور سجدہ شکر ادا کئے یہ احساسات اور محبت سے بھرے لمحات تھے جو زندگی میں انتہائی نادر تھے. کوئی خوشی کے مارے رو رہا تھا اور کوئی اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا. ہر کوئی گلے مل رہا تھا اور معانقہ کر رہا تھا. احساسات وجذبات کا ایک طوفان تھا. سڑک ک کنارے قائم ایک ہوٹل والے نے یہ جذباتی مناظر دیکھے تو کسی سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے؟ کسی نے بتایا کہ کوئی ساڑھے تین سال گوانتانامو میں امریکی جیل میں گزارنے کے بعد رہا ہو کر آیا ہے اور ھم اس کے استقبال کے لئے آئے ہیں تو وہ بھی میری جانب لپکا اور مجھے گلے ملا. جذبات واحساسات سے بھرپور استقبال نے میری جیل کی تمام تھکاوٹ دور کر دی.

پرجوش معانقوں مصافحوں کے بعد ھم جلال آباد کی جانب بڑھے. وہاں سارے مہمانوں کو تقسیم کر دیا گیا. ھم نے حکیم عبدالمالک کے ہاں رات گزاری جہاں میری مہربان ماں پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود پشاور سے میرے استقبال کے لئے آئی ہوئی تھیں. کیونکہ یہ ان کے لئے زندگی میں ایک بہت بڑی خوشی کا موقعہ تھا. میرا جوان بیٹا عبدالوھاب بھی آیا ہوا تھا. کوئی ریڈیو کے ذریعے خبر سن کر اور کوئی ٹیلی ویژن کے ذریعے اطلاع پا کر پہنچا ہوا تھا. اگرچہ ھم چاہتے تھے کہ کوٹ چلے جائیں اور اپنے گاؤں صاحبانو کلی میں کچھ

وقت گزاریں اور سارے ھم وطنوں اور دوستوں سے ملیں مگر جیسا کہ ھمارا گھر ھجرت کے باعث پشاور میں تھا اور وہاں بھی بہت سارے عزیز و اقارب اور دوست منتظر تھے اور سب ٹیلی فون کے ذریعے بار بار تقاضا کر رہے تھے کہ پشاور آئیں. جب ھم پشاور کی جانب روانہ ہو رہے تھے تو کوٹ سے بعض مخلص دوست ھم سے ملنے جلال آباد آپہنچے. دو تین گروپ آئے. ھم نے ان سے کہا کہ ھم انشاء اللہ بہت جلد یہاں واپس آئیں گے اور کوٹ والوں سے بھی کہیں کہ یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں مگر پھر بھی وہاں سے کافی لوگ جلال آباد اور پشاور آئے. ھم سب کے لئے اللہ تعالی سے خیر و برکت کی دعا کے طلب گار ہیں.

جلال آباد میں کئی اخبار نویسوں نے ٹیلی فون کیا کہ انھیں وقت دیا جائے اور پریس کانفرنس کی جائے تاھم وقت کی کمی کے باعث ھم ایسا نہ کر سکے. پشاور کی جانب روانہ ہوئے. کافی دوست احباب ھمارے ساتھ طورخم تک آئے طورخم سے بعض واپس مڑے اور بعض پشاور تک ساتھ آئے.

ایک امریکی صحافی کابل سے روانہ ہوا تھا اور فون کیا کہ جلال آباد میں ٹھہرو، ھم آپ سے انٹرویو کرنا چاہتے ہیں ھم نے کہا کہ ھمارے پاس وقت نہیں. جب ھم طورخم پہنچے تو پھر اس کا فون آیا کہ کچھ دیر ٹھہرو ہم انٹرویو کرنا چاہتے ہیں ھم نے پھر بتایا کہ ھم رک نہیں سکتے. چنانچہ وہ پشاور ھمارے گھر پہنچا اور ھم دونوں بھائیوں سے انٹرویو لیا ھمارا خیال تھا کہ طورخم جلال آباد روڈ پختہ تعمیر ہو چکی ہوگی مگر اس کی حالت انتہائی خراب تھی اور جگہ جگہ گڑھے بنے ہوئے تھے، گرد اور دھول تھی. میں نے پوچھا کہ ایسا کیوں ہے؟ کسی نے بتایا کہ پاکستان اسے تعمیر کے بہانے اکھاڑ رہا ہے اور اس لئے جلدی نہیں بنا رہا ہے کہ افغانستان کے حالات بدل جائیں گے اور سڑک کی تعمیر رک جائے گی!!!

پشاور گھر پہنچنا

مختصر یہ کہ طورخم سے گزر آئے. راستے میں وقتاً فوقتاً استاد بدر اور دوسرے رشتہ دار ٹیلی فون کے زریعے گھر سے رابطہ رکھے ہوئے تھے اور انھیں بتاتے رہے کہ کہاں پہنچے. بالاخر اکیڈمی ٹاؤن پشاور میں اپنے گھر پہنچے. گھر میں بڑی تعداد میں عزیز و اقارب اور دوست احباب جمع ہو چکے تھے. چھ سات ماہ قبل جب استاد بدر گھر آئے تھے تو پر جوش استقبال کے بعد گھر کے تمام افراد کو تو پہچان لیا تھا مگر اپنے چھوٹے

بیٹے جابر کو نہیں پہچان سکا تھا۔ انھوں نے راستے میں مشورہ کیا کہ بچوں کا تعارف مجھ سے نہ کریں مگر الحمدللہ میں نے سب کو پہچان لیا۔ سب نے حجرے میں پرجوش استقبال اور خوش آمدید کہا۔ احساسات سے بھرپور ھیجانی لمحات تھے جو ریکارڈ بھی ہوئے۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے گھر کے اندر گیا وہاں بھی ولولوں اور جذبوں سے بھرپور پرجوش استقبال ہوا۔ سب سے پہلے ھماری محترمہ ھمشیرہ پھولوں کے ہار کے ساتھ سامنے آئیں اور گھر کی باقی خواتین کے ساتھ دعا سلام ہوئی۔ میں گھر میں نہیں بیٹھا اور واپس حجرہ میں نکل آیا جہاں بڑی تعداد میں دوست احباب جمع تھے اور میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

ولولوں اور جذبوں سے بھرپور مہمان

پہلے ہی روز سے ولولوں، جذبوں اور احساسات سے بھرپور خوش آمدید کا سلسلہ شروع ہوا۔ گروہ در گروہ عزیز و اقارب اور دوست احباب آتے رہے جن میں سے کئی انتہائی خوشی اور جذبات سے رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ بہت سے ایسے لوگ بھی آتے رہے اور ابھی تک آتے رہے ہیں جن کے ساتھ میں اپنی ساری عمر میں کبھی ملا بھی نہیں تھا مگر وہ آتے رہے۔ روتے رہے، خوشی کا اظہار کرتے رہے اور انتہائی خلوص اور محبت کے ساتھ باتیں سنتے رہے۔ ہر کسی کی یہ خواہش تھی کہ قید اور پنجروں کے واقعات سنیں۔ اکثر دوست بھیڑ، بکریاں، گھی کے ٹین، چاول اور چینی کی بوریاں اور اس طرح کے دیگر بہت سے تحفے تحائف بھی ساتھ لائے تھے۔ اللہ تعالی سے ان سب کے لئے اجر کے طلب گار ہیں۔ سب نے ھم پر اتنے احسانات کئے ہیں کہ ھم ان کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتے۔ تمام مسلمان گوانتانامو کے قیدیوں کو کسی ایک گھر، خاندان یا قوم کے قیدی نہیں سمجھتے بلکہ پوری اسلامی امت کے قیدی قرار دیتا ہے اور بڑے اخلاص کے ساتھ انھیں دعائیں دیتے ہیں بلکہ گوانتانامو کے قیدی وہ قیدی ہیں جنہیں اسلامی دنیا کی تمام مساجد اور گھروں میں دعائیں دی جاتی ہیں ھمیں بھی بڑے خلوص کے ساتھ لوگوں نے دعائیں دی ہیں یہاں تک گھروں میں خواتین نے روزے رکھ کر اور نمازیں پڑھ کر ھمیں دعائیں دیں ہیں اللہ تعالی ان تمام دوستوں کو دنیا و آخرت کی سعادت نصیب کرے جنہوں نے ھمیں اور دیگر مسلمانوں کو دعائیں دی ہیں، ھماری قید پر غمگین ہوئے ہیں اور ھماری رہائی پر خوش ہوئے ہیں اگرچہ ھمارے گلے خراب تھے پھر بھی نماز فجر سے لے کر رات گئے تک بڑے پیار کے ساتھ مہمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوتے ان سے باتیں کرتے اور جیل کے واقعات سناتے۔ کئی ماہ تک مسلسل مہمان بڑی تعداد میں آتے رہے مگر اب

تک ۱۳۸۴/۱۰/۱۷ ھ ش نئے نئے دوست بڑی دور دور سے آتے ہیں اور حالات کے حوالے سے سوالات کرتے ہیں.

صحافیوں کا سیلاب

ھماری آمد کے ساتھ ہی ملکی و غیر ملکی صحافیوں کا تانتا بندھا رہا. جیسا کہ ھم دونوں بھائیوں کا صحافت سے تعلق تھا اور وہ کچھ ہم کہتے رہے اور ان حقائق سے پردہ اٹھاتے رہے جن سے ابھی تک دیگر رہا ہونے والے قیدیوں نے پردہ نہیں اٹھایا، اس لئے صحافیوں کی دلچسپی زیادہ تھی. ایک جانب مہمانوں کا ھجوم واژدھام تھا اور دوسری جانب صحافیوں کا. ھم دونوں بھائی باری باری ان کے سوالوں کا جواب دیتے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے.

رہا ہونے والے قیدیوں سے ملاقاتیں

بہت سے ان قیدیوں کے رشتہ دار بھی ھمارے گھر آئے جو ابھی تک گوانتانامو میں قید ہیں. ھم نے انھیں وہاں کے بارے میں مختصر معلومات دیں اور قیدیوں کے حوالے سے جو کچھ دیکھا تھا انھیں بتایا. اور بعض وہ قیدی بھی ملنے آئے جو ھم سے پہلے یا بعد میں رہا ہو کر آئے تھے. ان میں چند نام یہ ہیں:

(۱) دین محمد فرہاد (افغانی)
(۲) چاچا الیاس (کراچی)
(۳) ابومھند (شام) (سوریا)
(۴) عبدالستار (ڈیرہ اسمٰعیل خان)
(۵) حبیب رسول (بنوں)
(۶) مولوی امین اللہ (کوئٹہ)
(۷) ڈاکٹر سرفراز احمد خان لاہور شامل ہیں.
(۸) حافظ نوراللہ (افغانی)
(۹) حکیم عبداللہ
(۱۰) مولوی ولی محمد
(۱۱) عبداللہ فاریابی

ھماری غیر موجودگی میں افواہیں

ھماری غیر موجودگی میں ھمارے اور دوسرے قیدیوں کے بارے میں طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیل گئی تھیں جو ھمارے دشمنوں اور بعض مفاد پرستوں نے پھیلائی تھیں. ان افواہوں میں سے ایک یہ تھی کہ ان لوگوں کو امریکیوں نے جان سے مار ڈالا ہے. دوسری یہ کہ امریکیوں نے مسلم دوست کی آنکھیں نکال دی ہیں

اور وہ پاگل ہو چکا ہے... ان تمام جھوٹی افواہوں نے ایک عرصے تک ھمارے گھر کے افراد اور رشتہ داروں اور دوستوں کو انتہائی سخت پریشان کر رکھا تھا مگر حقائق کے اظہار کے بعد دشمن ہوئے اور ندامت کا شکار ہوئے اور دوستوں کو خوشی ہوئی ان کے سر فخر سے بلند ہو گئے.

ھماری نئی زندگی

ھم نے نئی زندگی شروع کی اور ابھی تک اپنے مقام تک واپس نہیں آئے ہیں. صحت کی خرابی کی مشکلات پیدا ہوئی ہیں. کاروبار اور تجارت آئی ایس آئی کے ہاتھوں تباہ ہوا ہے. صابن کا کاروبار کرتے تھے وہ ختم ہو چکا ہے. گھر میں جو نقدی، زیورات، قیمتی پتھر اور دیگر سامان تھا وہ سب آئی ایس آئی کے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں کیا ہے. جن میں بعض دوستوں کی امانتیں بھی تھیں. اوپر سے ایک بار آئی ایس آئی کے دو اہل کار ہمارے گھر آئے جن میں ایک پنجابی اور ایک کوھاٹی تھا اور ہمیں آئی ایس آئی کے خفیہ عقوبت خانے میں دیکھ چکا تھا اور طارق کے نام سے اپنا تعارف کیا تھا. دونوں کہہ رہے تھے کہ تم لوگ اخبار نویسوں اور میڈیا کے نمائندوں کو انٹرویو مت دیا کرو اور ھمارے بارے میں لوگوں کو حقائق بیان مت کرو اگر امریکیوں کے حوالے سے کچھ کہتے ہو تو ٹھیک ہے مگر آئی ایس آئی کے خلاف مت کہیں.. ھم نے کہا کہ ھم حقائق لازماً بیان کریں گے. تم لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ ھمارے ساتھ خیانت کی. افغانستان، بے گناہ مسلمانوں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی. ھمیں امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کیا اور اب یہ بھی کہتے ہو کہ حقائق بیان نہ کرو؟ تمہارے ہاتھ آزاد ہیں جو کچھ کر سکتے ہو کرو. اگر ہتھکڑیاں پاس ہوں تو ابھی ھمارے ہاتھوں میں ڈال دو. ھم موت، درد، غم، قید و بند اور سب کچھ کے لئے تیار ہیں مگر حقائق چھپا نہیں سکتے.

تم لوگوں نے ھمارا گھر لوٹا، ھماری زندگی تباہ کر دی، ھمارے بچوں، دوستوں اور رشتہ داروں کو رنجیدہ کیا اور ان تمام باتوں کے بعد اب یہ بھی کہہ رہے ہو؟...

ان باتوں کے ساتھ ان کے کان سرد ہوئے اور چلے گئے. اس کے کچھ عرصہ بعد آئی بی کا ایک اہل کار آیا اسے بھی ہم نے یہی باتیں کیں. پھر اگلے روز آیا ھم دونوں بھائیوں کو دفتر لے گیا. وہ تمام چیزیں جو آئی ایس آئی کے ڈاکوں نے ھمارے گھر سے لوٹ کر لے گئے ان کی تفصیل ھم نے بتا دی، اس نے تحریر کی مگر ابھی تک ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا. اس کے باوجود ھماری زندگی آئی ایس آئی اور ان کے افغانی و پاکستانی

کٹھ پتلیوں کے ہاتھوں خطرے میں ہے. بالخصوص افغانستان اور پنجاب کے دو جاسوس گروپ جو دونوں جماعت الدعوۃ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور دونوں نے بے گناہ افغان، عرب، ازبک، ترکستانی اور دیگر ۵۳ ممالک کے بے گناہ مسلمان ڈالروں کے عوض امریکیوں پر فروخت کئے ہیں اور اب جب ہم نے دنیا کے سامنے حقائق ظاہر کئے ہیں اور ان کے مکروہ اعمال سے پردہ اٹھایا ہے اور ان کی حقیقت لوگوں پر ظاہر کی ہے تو اب وہ ھم پر مشتعل ہیں مگر انشاء اللہ ان کا بُعض و کینہ اور غصہ و اشتعال ان کے ساتھ قبر تک جائے گا اور ایک دن ایسا آئے گا کہ ان کے ساتھ حساب کتاب ہوگا. **وماذالک علی اللہ بعزیز.**

آئی ایس آئی کے تاریک منصوبے

آئی ایس آئی پاکستان کی فوج کا انٹیلی جینس ادارہ ہے. جو خلاف انسانیت منصوبوں اور اقدامات کے لئے قائم کیا گیا ہے. ہر شہر میں اسی ادارہ کے خفیہ دفاتر اور جیل قائم ہے. یہ ہر قانون سے مبرا ہے اور اس پر کسی قانون کا اطلاق نہیں ہوتا. حکومت اور ریاست کے اصل حکمران اس ادارے کے اعلی حکام ہیں. داخلہ و خارجہ پالیسیوں اور حکمت عملیوں کی تشکیل اسی ادارہ کے ذمہ داران کے ہاتھوں میں ہے. پردے کے پیچھے اور زمین کے نیچے ایک غیر متزلزل حکومت ہے. حکومتوں کا انتخاب اور تبدیلی اسی ادارے کے ہاتھوں میں ہے. اپنے انتہائی ذھین اور زیرک افراد اور کرائے کے احمقوں سے کام لیتے ہیں. اور یہ اس لئے کہ یہ ذھین اور ھوشیار اشخاص منصوبے بنائیں اور کرائے کے احمقوں کو اپنے مفاد میں استعمال کریں جو ان کی غلط پالیسیوں کی مخالفت کرتے ہیں انھیں پکڑتے ہیں اور خفیہ تاریک کمروں میں ڈالتے ہیں انھیں مارتے پیٹتے ہیں اور بجلی کے جھٹکے دیتے ہیں اور طرح طرح کے تشدد کا نشانہ بناتے ہیں. مہینوں اور سالوں وہ لوگ قید ہوتے ہیں. کسی کو پتہ نہیں ہوتا اور تشدد کے ذریعے مارتے ہیں. اکثر وہ لوگ جو پاکستان میں لاپتہ ہوتے ہیں اس ادارے کے ہاتھوں پکڑے اور مارے جاتے ہیں اکثر لاوارث لاشیں جو نہروں اور گلیوں میں ملتی ہیں انھیں اسی ادارے نے مارا ہوتا ہے... گھروں، گلیوں کوچوں، بازاروں اور دیگر متعدد جگھوں میں مختلف قسم کے اجرتی قاتلوں اور اپنے کٹھ پتلیوں کے ذریعے ملک کے اندر اور باھر سیاسی قتل کرتے ہیں اسلامی اور سیکولر تنظیموں میں اپنے تربیت یافتہ لوگ شامل کئے ہیں. جو ان کی تمام سرگرمیوں سے اپنے ھیڈکوارٹر کو مطلع کرتے ہیں ان کے خفیہ اہل کار کوئی خاص وردی نہیں رکھتے، عام لوگوں میں ان

کے لباس میں پھرتے ہیں. ظاہراً ان کے مخبروں کا پیشہ عام ہوتا ہے مثلاً ظاہراً مولوی، ڈاکٹر، انجینئر، دکاندار، صراف، مزدور، مجنون، بھکاری، فقیر، تبلیغی، مجاہد، مستری، ھواباز.... ہوتا ہے اور اندرون ان کا بندہ ھوتا ہے.

آئی ایس آئی نے جس طرح اسلام کو نقصان پہنچایا اس کی کئی مثالیں موجود ہیں یہ ناروا سلوک نہ صرف ہم سے کیا گیا بلکہ ۱۹۹۵ء میں بے نظیر کے دوسرے دورِ حکومت میں فوج کے جنرل ظہیر الاسلام عباسی، بریگیڈئیر مستنصر باللہ اور دیگر حضرات نے مل کر خلافت کے نظام کے نفاذ کے لئے جو کوشش کیں اس کو ناکام بنانے میں آئی ایس آئی کے شیعہ اور قادیانی عناصر کا ہاتھ تھا جس کو وہ اپنی کتاب ''آپریشن خلافت'' میں بیان کر چکے ہیں۔ آئی ایس آئی میں اچھی سوچ اور مذہبی ذہن رکھنے والوں کو نکال دیا جاتا ہے۔ نائن الیون کے بعد امریکی خوشنودی کی خاطر کئی جنرل، کرنل اور میجر لاپتہ ہیں اور جبری طور پر کئی اپنے مناصب سے ہاتھ دھو بیٹھے اور یوں پاک فوج میں بھی آئی ایس آئی کے خفیہ آپریشن سے داڑھی والوں اور طالبان سے ہمدردی رکھنے والوں کو غائب کر دیا گیا اور جن میں کیپٹن عتیق بھی شامل ہے۔ آئی ایس آئی نے نہ صرف مذہبی لوگوں بلکہ موجودہ دور میں عدلیہ کے محکمے کو درہم برہم کر دیا ہے۔ یہ تو علیحدہ بحث ہے کہ انگریزی عدالتیں اور قوانین بجائے خود ایک جرح ہے اور ان کو تو ہم عدالت مانتے ہی نہیں۔ موجودہ دور میں لاپتہ افراد کی بازیابی کے لئے چیف جسٹس آف پاکستان نے جب خفیہ اداروں بشمول آئی ایس آئی کے کچھ بڑے ڈائریکٹروں کو تنبیہ کی کہ وہ لاپتہ افراد کو سپریم کورٹ میں پیش کریں ورنہ خفیہ اداروں کے سربراہوں کو میں عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرونگا۔ عدلیہ کے بحران کی سو فیصد وجہ ہی افتخار چوھدری کا یہ اقدام تھا جس سے آئی ایس آئی کے کرتوت اور ڈالروں کی کہانی افشاں ہوتی تھی اور سابق ڈکٹیٹر جنرل پرویز کی مکمل حمایت سے افتخار چوھدری سمیت ۶۰ ججوں کی جبری برطرفی پاکستان کی تاریخ پر ایک سیاہ داغ ہے۔ پاکستانی قوم خود اس بات کی گواہ ہے کہ افتخار چودھری کے اٹھائے گئے کیسوں میں لاپتہ افراد کے کیس کو پھر آئی ایس آئی نے بزورِ بازو گم کر دیا اور ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرے ابھی تک چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر نے لاپتہ افراد کے کیس کو ری اوپن نہ کیا۔

اندرونی منصب اور مراتب اصل ہوتے ہیں اور عوام کے سامنے کچھ اور ان کے ساتھ پیسوں کا حساب کتاب نہیں ہوتا. ان کے پاس ہر طرح کے وسائل ہوتے ہیں. ھمسایہ ممالک اور برطانیہ، امریکہ، چین،

بھارت، عرب ممالک اور دیگر متعدد ممالک کی انٹیلی جینس اداروں میں گھس چکے ہیں. اور ہر ملک کے انٹیلی جنس اداروں کو کہتے ہیں کہ ھم تمہارے ہیں اور تمہارے لئے کام کرتے ہیں سب سے بے انتہا دولت ھڑپ کرتے ہیں آئی ایس آئی کے اعلی ذمہ داران ایسے مستقل لوگ ہیں کہ حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں مگر یہ تبدیل نہیں ہوتے. بلکہ یہ حکومتوں کو تبدیل کراتے ہیں. حکومت اور ریاست کی ساری پالیسیاں یہ لوگ بناتے ہیں اور حکومتوں کے حوالے کرتے ہیں. اگر پالیسی ناکام ہوجائے تو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ حکومت کی پالیسی تھی جو ناکام ہوئی. پھر آئی ایس آئی کے محرکین احتجاج منظّم کرتے ہیں اور حکومت کی تبدیلی کے لئے بہانے بناتے ہیں. پارلیمنٹ کے ارکان حتی کے وزارتوں اور حکومتی مناصب تک اپنے ایجنٹ پہنچادیئے ہیں. ھوائی اڈوں میں اکثر و بیشتر اہل کاران کے ہوتے ہیں. بیرون ملک سفیر اور سفارت کار اور غیر ملکی وفود میں بھیجنے والے افراد آئی ایس آئی کے منظوری سے متعین اور بھجوائے جاتے ہیں. اور سفارت خانوں کی اکثر تعیناتی اس ادارے کے افراد ہوتے ہیں. بھارت، چین، امریکہ، افغانستان اور بعض دیگر ممالک کے ارکان پارلیمنٹ خریدتے ہیں اور اس کے لئے بڑی رشوتیں اور ڈالر دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے پارلمینٹ اور اجلاسوں میں آئی ایس آئی کے مفادات کے لئے کام کریں.

آئی ایس آئی اسلحہ، منشیات، جعلی کرنسی، انسانوں، حساس ٹیکنالوجیکل آلات کی سمگلنگ اور کاروبار کرتی ہے اور جب ان کا کوئی راز فاش ہوجائے تو اپنے ملک کی عظیم شخصیت کو بھی اپنے انا کی بھینٹ چڑھادیتی ہے۔ مثال کے طور پر محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ساری عمر کی خدمات کا نتیجہ قوم کے سامنے ہے۔ بھارت، امریکہ اور افغان کرنسی اور ڈالر.... بنا کر اپنے انٹیلی جنس کٹھ پتلیوں کے توسط سے پھیلاتے ہیں. سب سے زیادہ استفادہ اسلام، تبلیغ اور جہاد کے نام سے کرتے ہیں اور یوں سادہ لوح، بے علم مسلمانوں کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کررہے ہیں. مدارس، تبلیغی مراکز اور جہادی کیمپوں کے نام پر قائم مقامات میں لوگوں کی تربیت کرتے ہیں اور پھر انھیں اپنے اھداف کے حصول کے لئے اندرون اور بیرون ملک دیگر ممالک بھجواتے ہیں اور ان سے کام لیتے ہیں. اکثر بیوقوفوں کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ آئی ایس آئی کے لئے کام کررہا ہے. وہ سمجھتا ہے کہ میں ایک جہادی لیڈر، ایک مولوی صاحب یا اسلامی تنظیم کے ایک ذمہ دار کی ھدایت اور راھنمائی میں ثواب کا کام کررہا ہوں مگر درحقیقت وہ آئی ایس آئی کے کسی کرنل اور جنرل کے حکم پر ان کے فوائد اور مفادات کے لئے گناہ اور عذاب کے کاموں میں مصروف

ہوتا ہے. وہ جب کبھی کسی غیر ملک میں گرفتار ہوتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ مجھے آئی ایس آئی نے تربیت دے کر بھجوایا ہے بلکہ وہ کسی اسلامی تنظیم اور مدرسے کا نام لیتا ہے اس لئے کہ اسے پتہ نہیں ہوتا. سارے کام پنجاب کے لئے ہوتے ہیں، پختون، بلوچ، سندھی اور ان کے تمام وسائل پنجاب کے مفادات کے لئے استعمال ہو رہے ہیں اور آئی ایس آئی صرف اور صرف پنجابی نیشنلزم کے لئے کام کر رہی ہے. افغان ھجرت اور جہاد سے قبل پاکستان کی اقتصادی حالت بہت خراب تھی. اس کی حکومت و رعایا زندگی کے بہت سے وسائل سے محروم تھی. سڑکیں بہت پتلی تھیں اور جب دو گاڑیوں کا آمنا سامنا ہوتا تو آسانی سے گذر نہیں سکتے تھے اور دونوں آدھی آدھی پختہ سڑک سے اتر کر گزر جاتیں حکومت کی جانب سے پاکستان میں نئی گاڑیوں کی درآمد پر پابندی تھی. حکومتی وزراء اور دیگر اعلی حکام بھی پرانی گاڑیوں میں پھرتے تھے. پرانی اور ری کنڈیشنڈ گاڑیاں آتی تھیں اور انھیں رکھنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی. مگر جب روسیوں نے افغانستان پر یلغاری کی تو پوری دنیا جاگ اٹھی ہر کسی کو تشویش لاحق ہوئی. تو ایسے میں پاکستان کی چاندی ہوگئی اور کام بن گیا.

کہتے ہیں کہ ایک فارسی بان سخت جاڑے میں بیمار ہوا انتہائی سردی تھی. بیماری کے باعث اس کے لئے وضو بنانا اچھا نہیں تھا. گاؤں کے امام صاحب نے اسے کہا تھا کہ کوئی بات نہیں تم تیمّم کیا کرو، وضو مت کرو. تم معذور ہو تمہارے لئے تیمّم جائز ہے. جب اس نے تیمّم کرنا شروع کیا اور سردیوں میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے سے جان چھوٹی، تو اسے بہت مزہ آیا. یہاں تک کہ جب تندرست ہوا تو پھر بھی تیمّم کرتا رہا. اور وضو نہیں کرتا تھا. اور کہتا تھا کہ " تیمّم نہ بود گنج خدا بود کہ اموختہ شدم اسودہ شدم " یعنی تیمّم نہیں تھا بلکہ اللہ تعالی کا خزانہ تھا کہ اس کا عادی ہوا اور آسودہ حال ہوا. اس طرح افغان جہاد اور ہجرت پاکستان کے لئے " گنج خدا ثابت ہوا". جب آئی ایس آئی کے منہ کو اس گائے کا دودھ لگا تو اب اسے نہیں چھوڑ رہا. یہاں تک کہ اس پوری گائے کو کھانے کے لئے بھی منہ سے رال ٹپک رہی ہے. جیسا کہ ابتداء میں اس کتاب کے دیباچہ میں عرض کیا ہے کہ افغان جہاد اور ھجرت سے پاکستان نے کون کونسے مادی اور معنوی فوائد اٹھائے ہیں. چنانچہ روسی افغانستان سے نکلے تو آئی ایس آئی کے ذمہ داران سخت افسردہ ہوئے.

مگر ان کی توبہ تب قبول ہوئی جب امریکہ اپنے اتحادیوں کے ھمراہ، ڈالروں، اسلحہ اور وسائل سمیت دھشت گردوں کو مٹانے کے ڈرامے کے لئے خطے میں آیا. پاکستان نے ڈالروں کے عوض انھیں اپنے

ھوائی آڈے دیئے. پاکستانی ھواباز امریکی طیاروں کیساتھ افغانستان کے مظلوم عوام پر بے دریغ بمباری کرتے . پاکستانی اڈوں سے ۵۷۰۰۰ ستاون ہزار امریکی پروازیں پاکستانی حکومت تسلیم کرتی ہے.سات سو پچاس بے گناہ افغان، عرب اور دیگر ۵۳ ممالک کے مسلمانوں کو دھشت گردی کے نام پر امریکیوں کے ہاتھوں فروخت کیا.آئی ایس آئی کے جرنیلوں اور کرنیلوں نے ایسا بھی کیا کہ کون زیادہ قیمت ادا کر رہا ہے. بڑے بڑے عرب تاجروں اور امراء کے بیٹے اور رشتہ دار جب پکڑ لیتے تو ان کے پاس موجود دولت تو وہ شیرِ مادر سمجھ کر ویسے لے لیتے.اور انھیں ٹیلی فون کی سہولت فراہم کر کے انھیں کہا جاتا کہ گھروں سے اتنے ہزار، لاکھ یا کروڑ ڈالر منگواؤ، تمہیں رہا کر دیا جائے گا جب وہ ان کے اس تقاضے کو پورا کر کے مطلوبہ رقم منگوا لیتا تو اسے ائرپورٹ کے خصوصی راستوں سے لے جا کر طیارے میں سوار کیا جاتا اور اپنے گھر بھجوا دیا جاتا. ھمیں گوانتانامو میں ایک عرب قیدی نے بتایا تھا.کہ جب مجھے آئی آیس آئی والوں نے پکڑا تو مجھے کہا کہ تم ایک عام بے گناہ آدمی ہو.اور ھمیں امریکی ایک عام آدمی کے عوض پانچ ہزار ڈالر دیتے ہیں.لیکن تم ھمارے ایک مسلمان بھائی ہو.اس لئے کوئی بات نہیں تم ھمیں چار ہزار ڈالر دے دو.ھم تمہیں رہا کر دیں گے.میں ان کی ڈیمانڈ پوری نہیں کر سکا اور مجھے امریکیوں کے حوالے کر دیا گیا!.

مالدیپ کا ایک طالب علم ابراھیم نامی نے ھمیں گوانتانامو میں بتایا تھا کہ میں مالدیپ کا ہوں، میں نے نہ تو افغانستان دیکھا ہے اور نہ طالبان کو جانتا ہوں. کراچی میں جامعہ ابی بکر نامی مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا. نئی شادی کی تھی اور میری جوان بیوی بھی میرے ساتھ تھی.کرائے کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہ رہا تھا اور علم حاصل کر رہا تھا. پاسپورٹ، ویزہ اور تمام تر قانونی دستاویزات بھی میرے پاس تھیں، آئی ایس آئی کے مجرموں نے مجھے پکڑا اور مجھے کہا کہ گھر سے سات لاکھ روپے منگوا لو تمہیں چھوڑ دیں گے میں نے انھیں کہا کہ میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں انھوں نے مجھے امریکیوں کے حوالے کر دیا.اب گوانتانامو میں پڑا ہوں. میری جوان بیوی حاملہ بھی تھی مجھے پتہ نہیں کہ اس کے ساتھ کیا گزری ہوگی؟!!

اب بات اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ امریکی عام آدمی کے عوض آئی ایس آئی کو ڈالر نہیں دیتے. چنانچہ بعض عربوں کو اپنی کٹھ پتلیوں کے پاس رکھا ہے اور انہیں کہا ہے کے ہم فلاں اسلامی اور جہادی تنظیم کے ارکان ہیں ہم تمہیں حکومت سے خفیہ اور پناہ میں رکھتے ہیں مگر دوسری جانب امریکیوں کو کہتے ہیں کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ فلاں قبائلی علاقہ میں ایک عرب ہے وہ اسامہ کا نمبر تین آدمی ہے. انتہائی اہم شخص ہے مگر اس کی گرفتاری

پر بڑے اخراجات آتے ہیں اسلحہ، ٹرانسپورٹ اور ڈالروں کی ضرورت ہے دوسری بات یہ کہ وہاں سڑک بھی نہیں. سڑک کی تعمیر کی بھی ضرورت ہے جس پر کافی اخراجات آتے ہیں. بعض قبائلی افراد کو بھی رشوت دینی ہوگی اور اس آپریشن کے لئے اپنے جن فوجیوں اور ملیشیا سپاہیوں کو بھجوائیں گے انہیں بھی کچھ دینا پڑے گا......امریکی احمق کہتے ہیں کہ درست ہے. اس طرح ان سے اور بھی زیادہ مقدار میں ڈالر لے لیتے ہیں. دو، تین بار کہتے ہیں کہ آگے پیچھے ہوا، پکڑتے پکڑتے بچ گیا ہمارے اتنے فوجی ہلاک وزخمی ہوئے اب مزید ڈالروں کی ضرورت ہے. اس طرح کئی بار ورغلاتے ہیں اور پھر کافی رقوم کے بدلے حوالے کردیتے ہیں. تقریباً تین سو عرب باشندے اسامہ کے نمبر تین کے نام پہ امریکیوں کے حوالے کئے گئے اور تیسرے نمبر سے چوتھا نمبر نہیں ہوا.

آئی ایس آئی کے جرائم، دہرے کردار اور سازشوں کی کہانیاں بہت زیادہ ہیں. آئی ایس آئی نہیں چاہتی کہ دہشت گردوں کے قلع قمع کے نام پہ جاری یہ ڈرامہ اختتام تک پہنچے. اور دودھ دینے والی یہ گائے خشک ہوجائے اور امریکی افواج خطے سے نکل جائے. جب تک امریکہ پاکستان کو ڈالر اور وسائل دیتا رہے گا یہ کھیل جاری رہے گا اور کبھی اختتام پزیر نہ ہوگا. کشمیر کا مسئلہ بھی آئی ایس آئی حل نہیں ہونے دے رہی. کیونکہ اگر کشمیر کا مسئلہ حل ہوجائے تو پھر ملکی اور فوجی بجٹ سے کرنل اور جنرل کس بہانے سے بے اندازہ رقوم ہڑپ کریں گے؟

دس ماہ کا معصوم دہشت گرد

آئی ایس آئی کے ظالمانہ اور بزدلانہ منصوبوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دس ماہ ایک دودھ پیتا بچہ بھی دہشت گردوں کے نام سے امریکیوں کے حوالے کیا ہے. اور وہ گوانتانامو جیل پہنچا ہے. کہانی کچھ یوں ہے کہ چمن بلوچستان میں ایک افغان مہاجر دس ماہ کے ایک شیرخوار بچے کو ویکسین کے لئے ڈسپنری لے جانے کی غرض سے گھر سے نکلا. وہ ابھی گھر کے قریب تھوڑے فاصلہ پہ ڈسپنری پہنچا نہیں تھا کہ آئی ایس آئی کے مجرموں نے اسے پکڑا. اور امریکیوں کو دہشت گرد کے نام پر حوالے کردیا امریکیوں نے بغیر کسی تحقیق کے اسے گوانتانامو بھجوادیا وہاں باپ پنجرے میں ڈالا گیا اور بچہ ہسپتال کے حوالے کیا گیا دو سال بعد اس حال میں قید سے رہا کردیا گیا کہ بچہ انگریزی میں بات کرتا تھا. مادری زبان پشتو اسے نہیں آتی تھی اور اپنے والد کو

پہچانتا نہیں تھا. ابھی ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۵ جب کشمیر اور صوبہ سرحد کے شمال مشرق میں جو انتہائی سخت زلزلہ آیا اور بڑی تعداد میں فوجی اور عام لوگ اس میں مرے. یہاں بھی آئی ایس آئی نے اس دردناک سانحہ سے مزموم فوائد لیئے. فوجیوں اور عام لوگوں کے بعض مردے اٹھا کر وزیرستان کے ایک علاقے میں ڈال دیئے اور امریکیوں سے کہا کہ ہم نے القاعدہ اور طالبان دہشت گردوں کے ساتھ سخت مقابلہ کیا اور جنگ میں دونوں جانب کے کافی زیادہ جانی نقصانات ہوئے. پھر یہ مردے دکھائے اور ان کی فلمیں بھی بنوائیں اور یوں اس طرح ایک بار پھر امریکیوں کی جیبیں خالی کی گئیں.

امریکہ کافر، ڈالر مسلمان

آئی ایس آئی کے جرائم اور خیانتوں کی مثالوں میں ایک عجیب مثال یہ ہے کہ ایک عرب قیدی نے اپنی گرفتاری کی کہانی مجھے یوں بیان کی. جب مجھے آئی ایس آئی کے اہلکاروں نے گرفتار کیا تو میں نے انہیں کہا کہ آپ ہمیں کیوں امریکیوں کے حوالے کرتے ہیں وہ کافر ہیں اور ہم مسلمان ہیں اور تم لوگ بھی اسلام کا دعوی کرتے ہو؟ انہوں نے قسمیں اٹھائیں کہ ہم ایسا نہیں کرتے. تمہیں کبھی بھی امریکیوں کے حوالے نہیں کریں گے. آپ ہمارے مسلمان بھائی ہیں. کافروں کے حوالے کیوں کریں گے.؟ تمہیں گھروں کو بھجوا رہے ہیں مگر جب حوالے کرنے کا دن آ گیا اور ہمیں ہوائی اڈے لے جایا گیا اور ہم سمجھ گئے کہ اب ہمیں امریکیوں کے حوالے کیا جا رہا ہے. تو ہم نے ان سے کہا کہ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تمہیں کافروں کے حوالے نہیں کریں گے. اب اپنے وعدوں سے وفا کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے مسکرا کر کہا کہ امریکہ کافر، ڈالر مسلمان. مطلب یہ کہ ہم نے ڈالر لے لیئے ہیں!!! اس طرح گوانتانامو میں بعض قیدیوں نے ہمیں بتایا کہ آئی ایس ایس والوں نے بعض عربوں کو ان کے بچوں اور بیویوں سمیت گرفتار کیا ہے. بعض عورتوں کی عفت وعصمت لوٹی ہے اور بعض عورتیں امریکیوں کے حوالے کی ہیں. بے گناہ معصوم عافیہ صدیقہ اور اس کے تین بچے بھی آئی ایس آئی کے ذریعے کراچی سے اٹھا کر FBI کے حوالے کئے یوں پاکستانی قوم کی ایک عفت ماب بیٹی ڈالروں کے عوض بیچ ڈالی. اس قسم کا واقعہ تو کبھی کفار کی تاریخ میں بھی نہیں ملتا کہ انہوں نے اپنی عورتوں کو بیچا ہو. حقیقت یہ ہے کہ آئی ایس آئی نے باقی دنیا سے تو کیا پاکستان کے ساتھ بھی بڑی دشمنی کی ہے.

مختصر یہ کہ آئی ایس آئی سمجھتی ہے کہ وہ اللہ تعالی، اسلامی امت، افغانستان، پاکستانی عوام، امریکہ اور پوری دنیا کو ورغلاے گی مگر ایسا نہیں ہے. کہا جاتا ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے. یہ چالبازی اور فریب آخر تک نہیں چل سکے گا. گھڑے روز نہیں ٹوٹتے مگر یہ منافقت، دورخی، شیطانیت اور فریب کے گھڑے ایک نہ ایک دن ٹوٹیں گے اور یوں دکھائی دے رہا ہے کہ انشاءاللہ ان کے ٹوٹنے کا وقت بہت جلد قریب آرہا ہے.

شمالی اتحاد کی سیاہ تاریخ

افغانستان کے شمالی اتحاد کے سابقہ دو غلے پن، منافقت اور اسلام دشمنی و افغان دشمنی اور روسیوں کے ساتھ آٹھ سالوں کی فائر بندی اور دوستی اور کمیونسٹوں کے ساتھ اتحاد کی تاریخ کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ ایک الگ بحث ہے یہاں اس کا ذکر نہیں کرتے. بلکہ یہاں اس کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ کس طرح امریکیوں کے پہلو میں کھڑے ہوگئے اور امریکی شمالی اتحاد کے ذمہ داران ربانی، سیاف، فہیم، محقق، عبداللہ، قانونی، دوستم، اور..... دیگر کے کندھوں پر سوار ہوکر کابل اور افغانستان میں داخل ہوئے اور ان مجرموں نے کس طرح کی بداعمالیوں اور دوغلے پن سے تاریخ کے صفحات کالے کئے ہیں؟.

یہ ایک کھلی حقیقت ہے اور پوری دنیا نے دیکھ لیا کہ پاکستان اور شمالی اتحاد نے امریکیوں کو افغانستان میں داخل کرادیا. اس حقیقت سے اگر کوئی انکار کرے گا تو سورج کو انگلیوں سے چھپانے کی کوشش کرے گا. جیسا کہ ھم پہلے ہی تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں کہ پاکستانی انٹیلی جینس ادارے ھمیشہ افغانستان کے بڑے دشمن رہے ہیں، اب بھی ہیں اور ھمیشہ افغانستان کی تباہی میں اپنا مفاد دیکھتے ہیں. اس موضوع پر پہلے بحث گزر چکی ہے.

اب شمالی اتحاد کے کردار کی جانب آتے ہیں. جب امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان پر یلغار کررہے تھے تو نیویارک اور واشنگٹن پر حملے کے ساتھ ہی امریکی صدر بش نے کہا کہ ھم دھشت گردی کے خلاف طویل جنگ لڑیں گے اور یہ ایک مقدس صلیبی جنگ ہوگی. اور یہ بھی کافی وضاحت کے ساتھ کہا کہ صرف دوراستے ہیں. یا تو سب ممالک ھمارا ساتھ دیں گے یا پھر دھشت گردوں کے ساتھ. چنانچہ پوری دنیا کے بزدل کفار اور اسلامی دنیا کے مرتد اور غیروں کے کاسہ لیسوں نے یک زبان ہوکر کہا کہ ھم تمہارے ساتھ ہیں. ان میں سے بعض نے خوف کے مارے، بعض نے اپنے مفادات کی خاطر اور بعض نے اس لئے کہ امریکہ کو دلدل

میں پھنسائے اور شکست سے دوچار ہو.... اوراس لئے افغانستان پر حملے کا آغاز ہوا. ہزاروں کلوگرام وزنی بموں کی بمباری، کروز میزائلوں کے حملے اوران طرح طرح کے بھاری، مہلک ایٹمی اور لیزر اسلحہ کا استعمال ہوا جن کا استعمال اس سے پہلے کہیں نہیں ہوا تھا. مگر اس بھاری یلغار سے بھی شمالی اتحاد کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا اور ربانی نے خبر رساں اداروں کے سامنے برملا کہا کہ یہ بمباری کمزور اور مختصر ہے اس کو مزید تیز اور زیادہ کیا جائے! سیاف نے افغانستان میں رہائش پذیر مہمانوں کے حوالے سے کہا کہ یہ وہ مہمان ہیں جنہیں کسی نے مدعو نہیں کیا ہے. حالانکہ یہ وہ مہمان تھے جو ایک وقت میں سیاف کو عمر سوم کہا کرتے تھے اور اسے کروڑوں کی تعداد میں ریال اور دینار دیا کرتے تھے. اور سیاف جب سیاف بنا تو انہی اموال کی وجہ سے بنا مگر سیاف اور ربانی "اضلہ اللہ علی علم" کے مصداق بن گئے. قرآن، اسلام، اسلامی امت اور افغانستان کو فروخت کر دیا اور تھوڑے سے ڈالر اور کرسی کی امید میں اس امریکی جنگ میں قرآن کو پائمال کیا، اور امریکہ کی صف میں کھڑے ہو گئے اور سمجھتے رہے کہ ھم اللہ، مسلمانوں، امریکہ، افغان اور پوری دنیا کو ورغلا دیں گے. شمالی اتحاد کے ان نااہل بے غیرت اور بے اصول ذمہ داران نے امریکی صدر بش سے کہا کہ آقا آجاؤ، مسلمانوں کو پکڑو، ان کی داڑھیاں مونڈھ لو، ان کے کپڑے اتار دو اور گوانتانامو کے پنجروں میں ڈال دو، ھماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں اور بیویوں کی سڑکوں اور گلیوں میں دن کی روشنی میں تلاشی لیا کرو اور ان کے سینوں اور دیگر زنانہ مخصوص مقامات پر ہاتھ پھیرو اور ان کے پاجامے چیک کرو، نوجوان لڑکیوں کی عصمت وعفت تارتار کرو اور ان میں ایڈز پھیلاؤ، ھمارے نوجوان نسل کو فحاشی وعریانی اور بے غیرتی میں مبتلا کرو، گھر اور مساجد مسمار کرو، قرآن کی توھین وبے عزتی کرو، بچوں، خواتین، سفید ریش، نوجوانوں اور بزرگوں کو مارو اور انھیں بارود کی آگ میں جلادو... مختصر یہ کہ جس قسم کے مظالم اور زیادتیاں تمہارے بس میں ہو وہ ان کے ساتھ کرو مگر آقا! دو باتوں میں ھمیں یاد رکھا کرو اور وہ ڈالر اور کرسی ہے. ھم سب کچھ کے لئے تیار ہیں. تمہاری ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے ھم اپنے ملک کے اندر جب تمہارے دروازے پر کھڑے ہوں تو تلاشی کے دوران ہماری ... میں انگلیاں مارو، کتوں سے ھماری داڑھیوں کو چیک کیا کرو مگر ھماری جیبیں بھرا کرو...

ھم تمہاری مرضی سے قرآن کی آیتوں میں تحریف کریں گے اور اسلامی اقدار پائمال کریں گے اور تمہارے کھانے کی پلیٹوں میں تمہارا چھوڑا ہوا کھانا انتہائی نیازمندی سے چاٹیں گے شمالی اتحاد کی سیاہ تاریخ کے سیاہ باب اس کتاب کے مختصر بحث میں نہیں سما سکتے. اس کے لئے الگ کتاب لکھنے کی ضرورت ہے،

مگر یہاں مثال کے طور پر چند باتوں کا ذکر کریں گے۔

شمالی اتحاد نے سیاسی اختلاف، زبان اور قومی تعصب، کرسی اور ڈالرز کے حصول کی توقع میں بے گناہ مسلمان انتہائی بے رحمی سے مار ڈالے، تشدد کیا، ان کے سروں میں کیل ٹھونک دیئے، عورتوں کی عصمتیں لوٹ لیں، چوری، فریب، دھوکہ دہی اور زیادتیوں سمیت طرح طرح کے مظالم اور جرائم کا ارتکاب کیا۔ زنا، لواطت سمیت دیگر فواحش کا تو ذکر ہی نہ کریں، لڑکیوں کا اغواء، جبر وظلم سے کم عمر بچیوں سے زبردستی کا نکاح تو شمالی اتحاد میں ایک عام بات ہے۔ اور ان سب کے علاوہ بے گناہ مسلمانوں کو پکڑا اور طرح طرح کے تشدد کے بعد امریکیوں پر فروخت کیا۔ افغانستان کی زمین، اپنی عفت، ناموس اور عصمتیں تو بڑی خوشی کے ساتھ امریکیوں اور غیر ملکی فوجیوں کو نذرانہ، اور نیلام کیں۔ ھمیں گوانتانامو میں بعض قیدیوں نے شمالی اتحاد، شیعوں اور دوستم و جنبش ملی کے مظالم کے ایسے وحشیانہ واقعات بیان کئے کہ بدن پر لرزہ طاری ہوا اور بال کھڑے ہو گئے۔ امریکی ملیشیا شمالی اتحاد نے ایک فلسطینی کو ایک کنوئیں میں لٹکا دیا تھا اور کئی دنوں تک بھوکا پیاسا رکھا تھا۔ مارا پیٹا تھا اور اس کے ساتھ زبردستی لواطت کا ارتکاب کیا تھا!!!۔

کرغیزستان سے تعلق رکھنے والے ایک اور قیدی بھی شمالی اتحاد کے ملیشیا فورس کی جانب سے ظلم وجبر اور تشدد کی ایسی کہانی بیان کی جس طرح پہلے اظہار کیا جا چکا ہے۔ اس نے بتایا کہ شمالی اتحاد کی قید میں ایک چوکیدار نے اس کے ساتھ لواطت کی بڑی کوشش کی مگر اس نے کامیابی سے خود کو بچا لیا، چوکیدار ۲۲ سال کا ایک نوجوان تھا' چونکہ کرغیزستانیوں کی داڑھی نہیں نکلتی اور ان کا رنگ بھی انتہائی سفید ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ بدفعلی کی کوشش کی گئی زندہ افراد کو دفنانا، زخمیوں کو رسیوں سے باندھ کر گاڑیوں کے ذریعے سڑکوں اور راستوں پر کھینچنا، کنٹینرز میں لوگوں کو ڈالنا اور اس طرح کے دیگر وحشتناک اعمال ہیں جن کا ارتکاب شمالی اتحاد کے مجرموں نے کیا ہے۔

دوستم نے طالبان اور ان کے ساتھ موجود غیر ملکی مہمانوں سے رابطہ کر کے کہا کہ تم ھمارے ساتھ آملو بھاری ہتھیار ھمارے حوالے کرو۔ اور ہلکے ہتھیار اپنے پاس رکھو۔ ھم قندھار تک تمہیں امن وسلامتی کے ساتھ پہنچا دیں گے۔ مگر جب وہ ان سے آملے تو ان سے ۱۲ سو گاڑیاں، بھاری ہتھیاروں سمیت تمام ہلکے ہتھیار لے لئے اور ان کی پگڑیوں اور چادروں سے ان کے ہاتھ پشت کی جانب باندھ لئے۔ ان سے قیمتی لباس، بوٹ اور نقدی لے لی۔ بعض کو اسی وقت مار ڈالا، بعض کو کنٹینرز میں ڈال دیا اور کنٹینرز کے نیچے اتنی آگ جلائے رکھی

کہ آہنی کنٹینرز کے اندر بند انسان مکئی کے دانوں کیطرح بھنتے رہے اور تڑپ تڑپ کر جان دیتے رہے. بعض قیدیوں کو کنٹینرز میں ڈال کر کنٹینرز پر انٹی ائر کرافٹ گنوں سے فائرنگ کی بوچھاڑ کردی اور یوں انھیں مارڈالا گیا. بعض کو ہاتھوں پاؤں سے باندھ کر زندہ کھڈوں میں ڈال دیا گیا اور اوپر سے بلڈوزر چلا کر ان پر مٹی ڈال دی گئی اور انھیں زندہ درگور کردیا گیا. باقی لوگوں کو قلعہ جنگی لے جایا گیا وہاں جیل میں جب جنگ شروع ہوئی تو ان پر مارٹروں، توپوں اور میزائلوں کی فائرنگ کروادی اور امریکی طیاروں نے جیل پر بمباری کردی. قیدیوں نے بھی دوستم ملیشا کے کافی آدمی مارے اور قیدیوں میں بھی اکثر شہید اور زخمی ہوئے اور جب قیدی زیر زمین تہہ خانوں میں گھس گئے تو نیچے اترنے والی سیڑھیوں میں میزائل رکھ کر فائرنگ کردی اور ان کمروں کو جانے والے پائپ اور لگی کھڑکیوں میں تیل ڈال کر آگ لگادی. پھر تہہ خانوں میں پانی چھوڑ دیا گیا. قلعہ جنگی کے قیدیوں نے اپنی کہانی بیان کرتے ہوئے ھمیں بتایا کہ جب کمروں میں پانی بھر گیا تو اکثر زخمی ڈوب گئے. جو تھوڑے بہت بچے تھے انھوں نے زخمیوں کو کندھوں پر اٹھایا اور کھڑے رہے. پھر بھی کئی زخمی پانی میں ڈوب کر شہید ہوئے. قلعہ جنگی کے مظالم اور جرائم اس قدر زیادہ ہیں کہ الگ کتاب کے متقاضی ہیں. اخضر ابراھیمی کہتا ہے کہ قلعہ جنگی کا موضوع انتہائی نازک اور حساس ہے اب اسے نہ چھیڑا جائے.

عجیب بات تو یہ ہے کہ اگر مسلمان فلسطین میں یہودی ٹینکوں کے مقابلے میں غلیل یا ہاتھوں سے پتھر پھینکتے ہیں تو وہ قانون کی خلاف ورزی ہے اور وہ دھشت گرد ہیں مگر ایک فلسطینی ماں کی گود میں شیر خوار بچہ یہودیوں کی فائرنگ کا نشانہ بنتا ہے اور فلسطینی بوڑھے کے سر پر اسرائیلی ٹینک گزرتا ہے تو یہ قانون کے مطابق ہیں اور قلعہ جنگی میں جن جرائم اور مظالم کا ارتکاب کیا گیا ہے ان کو زیر بحث نہ لایا جائے؟!!... یہ موضوع انتہائی وسیع و عریض ہے مگر ھم نے صرف نمونے کے طور پر مختصر ذکر کیا.

وما علينا الاالبلاغ

مجاہدینِ راہ حق کا طاغوتی ایجنٹوں کو مشورہ

مجاہدین کے عربی متن کا اُردو ترجمہ:

جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ انگریزی سامراج سے آزادی کی خاطر مسلمانان ہند کے عظیم جدوجہد اور قربانیوں کے بعد مسلمانوں کو زمین کا ایک ایسا ٹکڑا ملا جس کا مقصد اسی ٹکڑے پر اللہ تعالی کا نازل کردہ قانون کو نافذ کر کے اس قانون کے مطابق زندگی گزارنا تھا. ان قربانیوں کا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ مشترکہ ہندوستان سے علیحدہ ہو کے دوبارہ ان مصیبت زدہ مسلمانو پر انگریزی قانون نافذ کر دیں. اس مقصد کیلئے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے مجاہدوں سے لیکر شہداء بالاکوٹ تک سفر تحریک مجاہدین کی صورت میں نمودار ہوا اور اسی تحریک کی قربانیوں کے نتیجے میں آخرکار پاکستان معرض وجود میں آیا.

برصغیر سے انگریزوں کے جانے کے بعد اس وقت کے حق پرست علماء کرام نے فرمایا تھا کہ سفید انگریز تو چلے گئے لیکن کالے انگریزوں کی شکل میں اپنے ایجنٹ چھوڑ کر اس انگریزی قانون کو مسلمانوں پر مسلط کر کے حقیقی آزادی کے تصور کو سبوتاژ کیا گیا ہے.

خلافتِ عثمانی کے خاتمے کے بعد یہی سازش تمام دنیا کے مسلمانوں کے خلاف کی جارہی ہے اور جہاں بھی مسلمان اپنے خون بہانے اور جیل کاٹنے کی قیمت پر آزادی کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو وہاں عالم کفر ان پر اپنا ایجنٹ مقرر کر کے ان کو مختلف قسم کے دھوکوں اور سازشوں سے مغلوب کر کے اپنی ظالمانہ حکمرانی کی مدت بڑھاتے ہیں، حتی کہ الجزائر، مصر، فلسطین اور کئی اسلامی ممالک میں مغرب کے اپنے بنائے ہوئے جمہوری قانون کے مطابق انتخابات جیت کر بھی مسلمانوں کو حکومت نہیں دی جاتی. اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس وقت تمام عالم اسلام پر کسی نہ کسی صورت میں یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ مسلط ہیں. امت مسلمہ کے درمیان سیاسی حدود قائم کر کے مسلمان کئی ممالک میں تقسیم کئے گئے ہیں اور اسی طرح یہود و نصاریٰ اپنے مشہور شیطانی فارمولے "اختلاف ڈالکر حکومت کرو" کے تحت بالواسطہ مسلمانوں پر حکمرانی کر رہے ہیں. انگریزوں کے حلالی پروردہ، بے دین، جابر، عیاش اور بدعنوان حکمرانوں کا تو کام ہی یہی ہے کہ اپنے آقاؤں کو جس طریقے سے بھی خوش کرنا ہو کر لیں خواہ اپنی ہی ملک کے مسلمانوں پر بمباری کر کے شہید کرنے اور ہزاروں مسلمانوں

کو جیل بھیجنے کی قیمت پر کیوں نہ ہو. عالم اسلام کے اوپر مسلط کردہ طاغوتی حکمرانوں کے بارے میں قران کریم نے تو صاف فیصلہ کر کے اعلان کیا ہے کہ (ومن یتولھم منکم فانھم منھم ....) یعنی جن لوگوں نے یہود اور نصاریٰ کے ساتھ موالات کیا بیشک یہ لوگ ان ہی میں سے ہیں. یعنی ان جیسے کافر ہیں.

اب قرآنی فیصلے کے بعد ان طاغوتی حکمرانوں کے بارے میں مزید بات کرنے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں رہی. اب جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ طاغوتی حکمرانوں کے ماتحت دو طرح کے لوگ رہتے ہیں ایک عوام الناس اور دوسرے ان کے قیادت کرنے والے لیڈر. اب لیڈر بھی دو طرح کے ہیں ایک سیکولر یا لادین لیڈر جن پر گفتگو کرنا وقت کا ضیاع ہوگا کیونکہ یہ بے دین لیڈر اور ان کے لادین پیروکار دونوں اس قابل نہیں کہ وہ دین وملت کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کردیں جان تو درکنار، وہ تو دین اور ملت کی خاطر مال خرچ کرنے کیلئے بھی تیار نہیں. بلکہ مسلمانوں کے مال لوٹنا ان کا مشغلہ ہے ان کا مقصد بھی جابر حکمرانوں کی طرح صرف دنیا ہی ہے. مسلمانوں پر مسلط جابر حکمران اور بے دین سیاست دان آپس میں ملی بھگت سے عالم اسلام کو تباہی کی طرف دھکیل رہے ہیں اور جب خطرے کے موقعے پر قربانی کی نوبت آجائے تو صرف مسلمان ہی قربانی کے بکرے بنتے ہیں ماضی اور حال دونوں میں جابر حکمرانوں نے مسلمانوں کی قربانی کو کیش کیا ہے.

جہاں تک مذہبی لیڈروں اور عام مسلمانوں کی بات تو بہت افسوس کہ اول تو مسلمانوں کو واحد قیادت میسر نہیں بلکہ درجنوں گروہوں اور قیادتوں میں بٹے ہوئے ہیں. تأسف سے کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے اکثر طاغوت کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں گویا کہ یہ لوگ غلاموں کے غلام ہے کیونکہ عالم اسلام پر مسلط طاغوتی حکمران یہود ونصاریٰ کے غلام ہیں اور مسلمانوں کی قیادت کرنے والے اکثر لیڈر شعوری اور غیر شعوری طور پر ان غلاموں کے اشاروں پر ناچتے ہیں. مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں میں بہ مشکل ایسا لیڈر دیکھنے کو ملے گا جو کہ طاغوت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر یہ ثابت کردیں کہ مسلمان کسی بھی طاغوت کے سامنے نہیں جھکتا. عالم اسلام میں ایک صالح سیاسی قیادت کے فقدان کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام کے لباس میں ملبوس لیڈر مسلمان عوام اور جابر حکمرانوں کے درمیان رکاوٹ بن کر جابر حکمرانوں کو مخلص مسلمانوں کے قہر اور غضب سے بچائے رکھے ہیں یہی اسلام نما لیڈر طاغوتی حکمرانوں کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں ان مکار لیڈروں اور ان کے حواریوں میں سے ایسے لوگ بھی ہے جو بظاہر تو ان کی لمبی لمبی داڑھیاں ہیں اور ان کی شلوار ان کے ٹخنوں سے ایک فٹ اوپر رہتی ہے اور بظاہر وہ ہر بات میں قرآن اور احادیث سے استدلال

کر کے لوگوں سے چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھ پڑتے ہیں. یہ لوگ بظاہر انتخابات اور جمہوریت کے بھی مخالفت ہیں یہ لوگ مسجدوں میں جہاد کے موضوع پر جذباتی تقریریں بھی کرتے ہیں اور اسلام کو جمہوریت کے بجائے انقلابی طریقے سے لانے کی باتیں کر رہے ہیں. یہ لوگ اپنے آپ کو پکے مؤحد بھی سمجھتے ہیں. لیکن یہ وہی لوگ ہیں جو انگریزی قانون کے تحت رہ کر وطنیت کے بت کی پرستش کرتے ہیں. یہی لوگ طاغوت کے اشاروں پر دین اسلام کو اپنے لئے ایک انداز میں اور اپنے پڑوسیوں کے لئے دوسرے انداز میں پیش کرتے ہیں یہی لوگ اپنے آپ کو موحد کہہ کر بھی شرک میں مبتلا ہیں ان ہی لوگوں کی قیادت طاغوتی حکمرانوں کے سب سے زیادہ قریب ہے اور ان سے خفیہ مشوروں میں مشغول ہیں اور ان سے احکامات لیکر ان کو قرآن اور احادیث میں لپیٹ کر عوام الناس کو پیش کرتے ہیں. امت مسلمہ کی مخلص عوام جو جذبہ اسلام سے سرشار ہیں دل کھول کر ان مکاروں کو چندے اور قربانی کی کھالیں دیتے ہیں اور مال سے بڑھ کر اپنی جانوں کے نذرانے تک پیش کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے یہ تمام قربانی عالم اسلام کی سطح پر اسلامی خلافت یا کم از کم شروع میں کسی ایک ملک میں اسلامی نظام کے قیام پر خرچ ہونے کی بجائے طاغوتی ایجنڈے اور ان کی سیاسی مصلحتوں کی نذر ہو جاتی ہیں اور مخلص مسلمانوں کی قربانی کو بظاہر اسلام اور پس پردہ کسی زمینی تنازع یا وطنیت کے تعصب پر خرچ کیا جاتا ہے. اسلام تو تمام زمینی، وطنی، قومی، لسانی اور دوسرے ہر طرح کے تعصّبات سے پاک ہے. ہم مسلمان ہو کر کسی طرح کی طاغوتی سرحدوں کو نہیں مانتے، ہم سب ایک ہی امت مسلمہ ہیں، اس میں عرب اور عجم، مقامی اور مہاجر کا کوئی فرق نہیں. مسلمان ہو کر ہم اگر جہاد جو کہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے کی بات کرتے ہیں تو ہمیں حقیقی اور جھوٹے مجاہدین کے درمیان فرق کرنا ہوگا. صحابہ کرام کے اقوال میں تو ایک قول یہ بھی ہے کہ ''اگر حق کو نہیں پہچان سکتے تو باطل کے تیروں پر نظر رکھو جہاں پر لگے وہی حق ہے.'' اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ کے ایماء پر کن کن لوگوں پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے. بمباری کن کن لوگوں کے گھروں پر ہو رہی ہے اور کن کن لوگوں کو پکڑ کر کفر کے حوالے کئے جا رہا ہے.

راہ حق کے مجاہدین نہ صرف یہ کہ اپنے گھروں میں غیر محفوظ ہیں بلکہ ان کو چن چن کر دہشت گردی کے الزام میں کفار کے حوالے کیا جا رہا ہے اور ان کو جان سے بھی مارا جا رہا ہے. لیکن دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جو جہاد کے نام پر چندے بھی جمع کر رہے ہیں مسجدوں میں جہاد کے موضوع پر کھل کر جذباتی تقریریں بھی کرتے ہیں مگر طاغوتی حکمران ان لوگوں کو کچھ بھی نہیں کہتے بلکہ ان کی سرپرستی کر رہے ہیں ان کے

اجتماعات کی سیکورٹی کے لئے پولیس بھی تعینات کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلیئے کبھی کبھی ان کے لیڈروں کو چند دنوں کیلیئے کسی ریسٹ ہاوس میں نظر بند کر کے ان کو مرغیاں بھی کھلاتے ہیں اور ان سے اپنے ایجنڈا آگے لے جانے کے بارے میں مشورے بھی کرتے ہیں اور ان کی خفیہ مالی مدد بھی کرتے ہیں، یہ سب مرحمت اس لئے کہ مذکورہ حضرات طاغوت کے کٹھ پتلی ہیں اور جہادی ہوتے ہوئے بھی طاغوت کے کہنے پر امریکیوں کے زلزلہ زدگان کی امدادی کیمپ کے پہلو بہ پہلو کیمپ لگا کر داڑھیاں ہلاتے ہیں اور ان کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ دہشت گرد تو صرف عرب ازبک' تاجک' چیچن اور دوسرے غیر ملکی مجاہدین اور افغان مجاہدین ہیں اور ہم بہت شریف لوگ ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ واضح ہوا کہ مجاہدین بھی دوطرح کے ہیں۔ ان کے لباس اور صورت تو ایک جیسے ہیں لیکن ایک گروہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں اور دوسرا گروہ مجاہدین فی سبیل الطاغوت ہیں، ایک گروہ طاغوت سے بیزار اور دوسرا گروہ طاغوت کے تابعدار ہیں، ان میں سے ایک گروہ طاغوتی حکمرانوں کی آنکھوں کا کانٹا ہیں اور دوسرا گروہ طاغوت کی آنکھوں کا تارا ہے ہم اسی کتاب کے آخری صفحات میں بطور ضمیمہ یہ واضح کرنا چاہتے ہے کہ اس کتاب کے دو بھائی مصنفین میں سے ایک جناب شیخ عبدالرحیم مسلم دوست ہیں جو کہ اپنے بھائی استاد بدر کے ساتھ ۱۷ نومبر ۲۰۰۱ کو اسلام کے نام پر لوٹنے والے طاغوت کے ایجنٹوں کی سازش سے گرفتار ہوئے اور پاکستانی خفیہ اداروں کی جیل، نیز باگرام، قندھار اور کیوبا کے بدنام زمانہ جیلوں میں ساڑھے تین سال گزارنے کے بعد جب ان کو رہائی ملی تو ان دونوں بھائیوں نے نہائت جرأت کے ساتھ اپنے اوپر ہونے والے مظالم اور مسلمانوں کی صفوں میں منافقین کی خیانتوں سے پردہ اٹھایا اور عالم کفر اور منافقین کی تمام سازشوں کو بے نقاب کیا جس کی گزشتہ صفحوں میں تفصیل موجود ہے جس سے عام مسلمانوں پر تمام حقائق واضح ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے سرکش طاغوت کے بعض ایجنٹوں کے چندوں میں کمی آئی اور کئی مخلص لوگ جوان ایجنٹوں کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا تھے ان سے علیحدہ ہو گئے تو یہ کام منافقین اور مرتدین سے برداشت نہ ہوسکا اور توحید کے دعوے کرنے والے افغانی اور مقامی منافقین جن کا ذکر کتاب میں موجود ہے نے مل کر جابر حکمرانوں کو ایک بار پھر مسلم دوست صاحب کو دوبارہ گرفتار کرنے پر اکسایا اور ۲۹ ستمبر ۲۰۰۶ مطابق ۷ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ کو مسلم دوست صاحب کو دوبارہ گرفتار کیا جو اب تک ظالموں کے ہاتھوں میں ہے اور ان کے بھائی استاد بدر کے خلاف بھی سازشوں

میں مصروف ہیں. گوانتانامو تک ساڑھے تین سال کی مصیبتوں سے ان ظالموں کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا اور ان کے زخموں پر مرہم پٹی لگانے کی بجائے زخموں پر نمک چھڑکنے پر اتر آئے ہیں. طاغوت کے انہی ایجنٹوں نے مسلم دوست صاحب کے خلاف اخبارات میں غلط بیانات دیئے اور اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے مسلسل پر پیگنڈہ کر رہے ہیں. اب جب ہم راہ حق کے تمام حقیقی مجاہدین مسلم دوست صاحب کی گرفتاری پر آزردہ ہے ہم راہ حق کے اس مرد مجاہد کو سلام پیش کرتے ہیں اور ان کی رہائی کیلئے اللہ تعالی سے دعاء مانگتے ہیں اور تمام اہل اسلام سے بھی ان کے رہائی کیلئے دعاء کی اپیل کرتے ہیں. نیز تمام امت مسلمہ کو مسلم دوست کی شخصیت اور جرأت کو بطور نمونہ پیش کر کے راہ حق میں قربانی دینے کی دعوت دیتے ہیں. ہم تمام عالم اسلام کو یقین دلاتے ہیں کہ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ طواغیت کے ہاتھوں میں. اللہ تعالی نے جس طرح مسلم دوست صاحب اور ان کے بھائی استاد بدر کو گوانتانامو بے سے نجات دی اسی طرح اللہ تعالی ان کو مقامی حکمرانوں کے ظلم وتشدد سے بھی نجات دلائے گا مکہ اور مدینہ کے منافقین جیسے مذکورہ منافقین بھی شرمندہ اور رسواء ہونگے. انشاء اللہ وہ وقت بھی زیادہ دور نہیں جب اسلامی خلافت کے لئے راستہ ہموار ہوگا اور سرکش طواغیت اور ان کے ایجنٹوں کا محاسبہ ہوگا. ہم راہ حق کے تمام حقیقی اور فی سبیل اللہ مجاہدین، طاغوت کے راستے میں سارے لڑنے والوں کو دعوت اور مشورہ دیتے ہیں کہ تم حقیقی اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرو اور جو چیزیں اسلام کے منافی ہیں ان سے باز آجاؤ. یوں لگتا ہے کہ آپ اسلام کے احکامات سے ناواقف ہیں. کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالی کے احکامات میں تبدیلی کرنے والے طاغوت ہیں؟ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ”جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے اولیاء طاغوت ہیں انھیں روشنی سے تاریکی کی طرف لاتے ہیں۔“ البقرہ: ۲۵۷.

اللہ تعالی نے طاغوت سے انکار اور ان کے پاس فیصلہ نہ لے جانے کا حکم دیا ہے۔ النساء ۶۰.

اللہ اور رسول کو چھوڑ کر جن کے پاس فیصلے لئے جاتے ہیں وہی طاغوت ہیں. اللہ تعالی کا فرمان ہے: جس نے یہود ونصاریٰ سے دوستی کر لی وہ انہی میں سے ہیں. یہی حکم طواغیت اور ان کے متبعین سے دوستی رکھنے والوں کے لئے بھی ہے.

اگر آپ واقعی مسلمان ہیں تو کیا آپ نے اسلام میں ولا اور براء کے اصول کے عین مطابق حقیقی مؤحد بن کر طاغوت سے انکار کیا ہے؟ کیا آپ طاغوت کیلئے جاسوسی نہیں کرتے؟ کیا آپ نے صدق دل

سے طاغوت سے اعتقادی، قولی اور عملی اجتناب کیا ہے؟ کیا آپ توحید کے چاروں اقسام یعنی ربوبیت، الوہیت، اسماء اور حاکمیت میں مؤحد ہیں؟ کیا آپ نے داڑھی بڑھا کر صرف چند ایک سنتوں پر عمل کر کے اپنے آپ کو شرک کی تمام اقسام سے پاک کیا ہے؟ کیا آپ تمام معبودوں کو خیر باد کہہ کر صرف ایک ہی حقیقی اللہ کے بندے بن گئے ہو؟ کیا آپ ارباب من دون اللہ کے ماتحت نہیں رہتے ہو؟ کیا آپ طاغوت کے اقسام سے واقف نہیں؟ کیا آپ کا آئین، دستور، آپ اور آپ کے حکمران طاغوت کی اقسام میں سے نہیں؟ کیا آپ وطنیت کے بت کی پوجا نہیں کرتے ہو؟ کیا آپ نے اللہ تعالی کے احکامات کو اپنی دنیوی آسائش کی خاطر پاؤں تلے نہیں روندا ہے؟ تم سب جانتے ہو کہ آپ حقیقی مؤحد اور مجاہد نہیں بلکہ طاغوت کے ایجنٹ اور مجاہد فی سبیل الطاغوت ہیں. تمہارے لئے اب بھی وقت ہے کہ طاغوت کی دوستی سے باز آجاؤ اور مجاہد فی سبیل اللہ بن جاؤ، حقیقی مجاہدین اور مؤحدین کے ساتھی بن کر طواغیت سے ٹکراو اور تصادم سیکھو تاکہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاؤ چندوں کی فکر مت کرو بلکہ اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کے احکامات پر یقین رکھو. پیارے نبی محمد ﷺ فرماتے ہیں: کہ (الرزق تحت ظل رمحی) میرا رزق میرے نیزے کے نیچے ہے. ہمارے اسلاف کی قربانیوں کو ضائع مت کرو، ابھی تک ہم انگریزوں کی غلامی سے مکمل آزاد نہیں ہوئے ہیں شاید آپ برصغیر پر قابض برطانوی سلطنت کے خلاف لاکھوں شہداء، معذور اور لاکھوں مہاجرین کو بھول چکے ہیں. شاید آپ ماضی قریب میں روسیوں کے خلاف اڑھائی ملین شہید افغان بھائیوں کو بھول چکے ہیں جن کے خون میں آپ کے فرزندوں کا خون بھی شامل ہے. کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حال ہی میں پورے خطے پر قابض کافر اتحادی فوجوں اور پوری خطے میں ان کے کٹھ پتلیوں کا صفایا کرنا صرف عرب اور دوسرے غیر ملکی مجاہدین کا کام ہے؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جہاد کی آیتیں کسی خاص ملک یا قوم کیلئے نازل ہوئی ہیں؟ اگر مذکورہ بالا حقائق درست ہیں تو پھر اپنے طاغوت سے نہ تنہا یہ کہ اجتناب کرو بلکہ انہیں اپنے مقام سے ہٹاؤ اور اپنی قوم کے مرتدوں کو مرتد کہو اور ان سے لڑو اور اپنے پڑوسی مسلمان پر ثابت کرو کہ آپ وطنیت کے بت کی پوجا نہیں کرتے ہو بلکہ (وقاتلوا الذین یلونکم من الکفار) پر عمل پیرا ہیں. اپنے ملک اور قوم سے وفاداری کا اصل حق یہ ہے کہ انہیں طاغوتی حکمرانوں کے چنگل سے نکال کر حکم الٰہیہ کے ماتحت ڈھال لو. حقیقی مجاہدین کے ساتھ ٹکراؤ سے بچو اور ان کے خلاف پراپیگینڈوں سے باز آجاؤ ورنہ دنیاوی اور اخروی نقصان تمہارا ہی ہوگا.

دین تو حق کی یاری ہے اور باقی دنیاداری ہے
تو اس مُلّا کی بات نہ مان جو ملا سرکاری ہے

والسلام۔

منجانب: مجاہدین راہ حق۔

☆☆☆

گوانتاناموں میں قید افراد کی فہرست جو پینٹا گون نے شائع کیں

افغانستان:

(1) غلام روحانی عمر 31 سال، (2) عبدالحق واثق عمر 35 سال، (3) ملا محمد فضل عمر 39 سال، (4) عبداللہ غلام رسول عمر 33 سال، (5) ملا نوراللہ نوری، (6) محمد ریاض عمر 37 سال، (7) محمد جان برکزئی عمر 39 سال، (8) عبدالرؤف العزیز عمر 25 سال، (9) عصمت اللہ عمر 29 سال، (10) عبدالرحمان عمر 37 سال، (11) سلیمان درمحمد شاہ عمر 29 سال، (12) حبیب رسول عمر 51 سال، (13) خان جائن عمر 24 سال، (14) عبدالسالم عمر 39 سال، (15) محمد غلام عمر 34 سال، (16) عزت خان عمر 40 سال، (17) یاسر علی مست عمر 34 سال، (18) غلاد خان عمر 26 سال، (19) محمد علی عمر 32 سال، (20) عزیز خان علی خان عمر 44 سال، (21) محمد صادق عمر 93 سال، (22) امان اللہ عمر 33 سال، (23) عبدالغفور عمر 35 سال، (24) عبدالوحید عمر 34 سال، (25) عبدالنبو غنی عمر 54 سال، (26) ناصر ملنگ عمر 34 سال، (27) عبدالرزاق عمر 35 سال، (28) عبدالرحمان عمر 30 سال، (29) محمد سر گیلانی عمر 29 سال، (30) عبداللہ عمر 46 سال، (31) عبدالمرتضٰی رحمان عمر 30 سال، (32) صاحب جان عمر 29 سال، (33) غفور شاہ جان عمر 37 سال، (34) محمد رضا محمد عمر 29 سال، (35) صبغت لیار عمر 25 سال، (36) حضرت سنگین خان، (37) محمد یوسف یعقوب، (38) ارمان بقر محمود عمر 31 سال، (39) جمعہ خان عمر 38 سال، (40) محمد یوسف یعقوب، (41) حمد اللہ فتو عمر 32 سال، (42) گل محمد عمر 44 سال، (43) سراج الدین مجیب عمر 64 سال، (44) نامعلوم فرد (45) گل زمان عمر 35 سال، (46) زمان خان عمر 44 سال، (47) زمان خان عمر 30 سال، (48) حاجی نوراللہ عمر 35 سال، (49) فیض اللہ رحمان عمر 44 سال، (50) صادق محمود عمر 54 سال، (51) محمد سلطان عمر 30 سال، (52) خیر اللہ، (53) احسان اللہ عمر 29 سال، (54) عطاء اللہ آدم گل عمر 24 سال، (55) داؤد مہیمن عمر 27 سال، (56) گل داد عمر 26 سال، (57) عبدالحنان عمر 48 سال، (58) محمد شریف عمر 30 سال، (59) امان اللہ علکزئی عمر 31 سال، (60) نوراللہ عمر 35 سال، (61) محبّ اللہ فنو عمر 24 سال، (62) محمد ولی عمر 42 سال، (63) بدرالزمان عمر 35 سال، (64) عبدالرحیم عمر 46 سال، (65) قاری حسن اللہ عمر 29 سال، (66) خیر اللہ عمر

39سال، (67) احمد نور عمر 33سال، (68) رحمان عمر 41سال، (69) عبد الرحمان نورانی عمر 33سال، (70) قاری عصمت اللہ عمر 22سال، (71) حبیب اللہ نور عمر 26سال، (72) نعمت اللہ خان عمر 48سال، (73) علی خان عمر 48سال، (74) نثار احمد عمر 26سال، (75) وزیر بادشاہ عمر 34سال، (76) محمد اختر رستم عمر 26سال، (77) فاروق محمد نیام عمر 46سال، (78) محمد اکبر عمر 50سال، (79) گل نختی عمر 26سال، (80) انسان اللہ عمر 26سال، (81) ولی بادشاہ عمر 29سال، (82) مسجد اللہ فنو عمر 38سال، (83) نیاز ولی جان عمر 44سال، (84) حامد اللہ عمر 26سال، (85) محمد طاہر عمر 31سال، (86) محمد مرزا عمر 42سال، (87) محمد کبیل عمر 43سال، (88) عزیز اللہ عمر 26سال، (89) فدی داد عمر 49سال، (90) عبدالباقی عمر 64سال، (91) حاجی فیض محمد، (92) بسم اللہ عمر 54سال، (93) حاذب اللہ عمر 25سال، (94) محمد سرور کرزئی عمر 28سال، (95) عبدالحمید عمر 39سال، (96) عبداللہ حکمت عمر 34سال، (97) سید عباس عمر 24سال، (98) عالف خان عمر 38سال، (99) گل وزیر زالم عمر 29سال، (100) محمد فرہادالدین عمر 30سال، (101) عبدالظاہر عمر 34سال، (102) عبید اللہ عمر 26سال، (103) گل اوال عمر 43سال، (104) شمس اللہ عمر 20سال، (105) حاجی صاحب روح اللہ عمر 44سال، (106) شبر لال عمر 44سال، (107) قلندر شاہ عمر 33سال، (108) عثمان خان عمر 45سال، (109) حاجی محمد یوسف عمر 39سال، (110) اسلم نور عمر 24سال، (111) عبدالسلام عمر 31سال، (112) قادر خان عمر 37سال، (113) محمد نبی عماری عمر 38سال، (114) نقیب اللہ عمر 29سال، (115) محمد رسول شاہ ولی عمر 28سال، (116) محمد اختر عمر 36سال، (117) امین اللہ عمر 50سال، (118) محمد نسیم عمر 26سال، (119) محمد اختر عمر 36سال، (120) بارق فنو عمر 34سال، (121) عبدالناصر عمر 25سال، (122) نصر اللہ عمر 27سال، (123) عصمت اللہ عمر 29سال، (124) رحمت اللہ عمر 38سال، (125) فرہادالدین بار عمر 29سال، (126) عبدالرحیم عمر 31سال، (127) زعیم شاہ عمر 23سال، (128) شوال خان عمر 43سال، (129) محمد جواد عمر 21سال، (130) تاج محمد عمر 25سال، (131) حبیب الرحمان عمر 24سال، (132) محمد پیٹا عمر 21سال، (133) محمد خان عمر 24سال، (134) عبدالصمد عمر 24سال، (135) اسد اللہ عمر 18سال، (136) نقیب اللہ عمر 18سال، (137) سردار خان عمر

24 سال، (138) عبدالرزاق عمر 42 سال، (139) خلیل گل عمر 43 سال، (140) عبدالقدس عمر 18 سال، (141) محمد اسماعیل عمر 22 سال، (142) حاجی نعیم عمر 66 سال، (143) سرور خان عمر 36 سال، (144) عبدالغنی عمر 34 سال، (145) جمعہ دین عمر 33 سال، (146) عبدالرزاق عمر 67 سال، (147) عبدالغنی عمر 23 سال، (148) شریف اللہ عمر 26 سال، (149) عامر سعید جان عمر 26 سال، (150) انور خان عمر 39 سال، (151) عبدالظہور عمر 39 سال، (152) عبداللہ خان 42 سال، (153) ناصر اللہ عمر 59 سال، (154) حاجی شہزادہ عمر 47 سال، (155) حمد اللہ عمر 33 سال، (156) عبدالغفور عمر 44 سال، (157) محمد قاسم عمر 29 سال، (158) احمد عمر 52 سال، (159) محمد نعیم عمر 44 سال، (160) بسم اللہ، (161) عبدالوہاب عمر 38 سال، (162) عبدالبغامی عمر 38 سال، (163) رحمت اللہ عمر 25 سال، (164) حفیظ اللہ عمر 32 سال، (165) بری داد عمر 53 سال، (166) نصیر اللہ عمر 26 سال، (167) حاجی بسم اللہ عمر 27 سال، (168) محمد اختر، (169) امان اللہ عمر 43 سال، (170) یار کشکو عمر 43 سال، (171) محمد عالف عمر 60 سال، (172) بلرموہی عمر 25 سال، (173) کریم بوستان عمر 36 سال، (174) عبداللہ وزیر عمر 27 سال، (175) نصرت یار عمر 36 سال، (176) قندھاری کاکو عمر 36 سال، (177) حاجی غالب عمر 43 سال، (178) حاجی وزیر محمد عمر 63 سال، (179) مہر حسن عمر 26 سال، (180) شہباز حفیظ اللہ عمر 60 سال، (181) عبدالمتین عمر 41 سال، (182) شبیر احمد عمر 35 سال، (183) محمد یعقوب عمر 30 سال، (184) محمد مصطفیٰ سہیل عمر 25 سال، (185) حاجی نصرت خان عمر 71 سال، (186) نہار شاہ عمر 33 سال، (187) امین اللہ بر پال عمر 34 سال، (188) احمد فدا عمر 29 سال، (189) نصیب اللہ عمر 29 سال، (190) گل چمن عمر 43 سال، (191) حافظ عبداللہ عمر 45 سال، (192) عبدالغفار عمر 48 سال، (193) سعدیہ جان، (194) محمد اختر عمر 53 سال، (195) نصیر گل عمر 26 سال، (196) نور حبیب عمر 38 سال، (197) عبدالرزاق عمر 48 سال، (198) محمد کمین عمر 28 سال، (199) عزم اللہ عمر 24 سال، (200) شرابت عمر 33 سال، (201) محبوب رحمان عمر 21 سال، (202) محمد سعید عمر 29 سال، (203) امان عمر 49 سال، (204) کاکی خان عمر 35 سال، (205) مجاہد عمر 35 سال، (206) محمد ظاہر، عمر 53 سال (207) محمد رحیم، (208) حاجی جلیل، (209) حامد اللہ، عمر 43 سال (210) علی شاہ، عمر 47 سال (211) حکمار، عمر

32 سال (212) یعقوبی، عمر 40 سال کل افغان قیدی 212۔

پاکستان:

(1) عبدالستار عمر 24 سال (2) عبدالستار نفیسی عمر 35 سال (3) صاحبزادہ عثمان عمر 24 سال (4) اقبال ظفر عمر 27 سال (5) ضیاءاللہ شاہ عمر 30 سال (6) جمال الدین عمر 39 سال، (7) محمد اعجاز خان عمر 29 سال، (8) سید محمد عمر 37 سال (9) محمد اخلاق شاہ عمر 25 سال، (10) محمد اسحاق (11) صالح محمد عمر 24 سال، (12) عیسیٰ خان عمر 31 سال، (13) اسد اللہ عمر 25 سال (14) منیر بن نصیر عمر 28 سال، (15) طارق خان عمر 28 سال، (16) حافظ احسان سعید، (17) عبدالرزاق عمر 34 سال، (18) محمد اشرف عمر 26 سال، (19) محمد عرفان عمر 23 سال، (20) سرفراز احمد عمر 40 سال، (21) سیف اللہ گثیر عمر 27 سال (22) اعجاز احمد خان عمر 31 سال (23) طارق محمد عمر 34 سال (24) صلاح الدین ایوبی عمر 32 سال (25) حافظ لیاقت عمر 29 سال، (26) علی سید عمر 29 سال، (27) ایوب حبیب عمر 32 سال (28) فضل داد عمر 24 سال، (29) محمد سانگھر عمر 54 سال، (30) الیاس محمد عمر 64 سال، (31) حمید اللہ خان عمر 35 سال، (32) محمد کاشف خان عمر 27 سال، (33) محمد ارشد رضا عمر 26 سال، (34) اقبال خائق عمر 23 سال، (35) ماجد خان (35) خبات اللہ عمر 23 سال، (36) عابد رضا عمر 23 سال، (37) زاہد سلطان عمر 25 سال، (38) حافظ خلیل لرحمان، (39) محمد اعجاز (40) محمد عنصر عمر 25 سال، (41) علی احمد عمر 24 سال، (42) محمد حنیف عمر 24 سال ، (43) عبدالمولیٰ عمر 37 سال، (44) ولی جمال عمر 39 سال، (45) محمد رفیق عمر 26 سال، (46) انعام اللہ امین، (47) اسرار الحق عمر 26 سال، (48) محمد انور عمر 25 سال، (49) باچا خان عمر 34 سال، (50) محمد عمر، عمر 20 سال، (51) محمد نعمان عمر 29 سال، (52) محمد عباس، (53) سحبین اریامان عمر 22 سال، (54) مجید محمود عمر 27 سال، (55) علی محمد عمر 54 سال، (56) حافظ قاری سعید اقبال عمر 28 سال، (57) محمد طلحہ خان عمر 26 سال، (58) سلطان احمد عمر 21 سال، (59) ساغر احمد عمر 31 سال، (60) احمد بشیر عمر 30 سال، (61) محمد عرفان عمر 27 سال، (62) عبدالحلیم صدیقی عمر 38 سال، (63) محمد اکبر عمر 33 سال، (64) سیف اللہ پراچہ عمر 58 سال، (65) ابورحمان، عبدالربان عمر 37 سال، (66) محمد احمد غلام عمر 36 سال کل پاکستانی قیدی (66)

سعودی عرب:

(1) یاسر حمیدی، عمر 26 سال (2) محم فہد نصیر، عمر 24 سال (3) مجید عبداللہ، عمر 39 سال (4) عبدالرحمان، عمر 30 سال (5) برہان مجید، عمر 33 سال (6) سعود وکیل اللہ معلم، عمر 29 سال (7) محمد یحیٰ موسن، عمر 28 سال (8) سالم سلیمان، عمر 37 سال (9) سلطان دیرودیر موسن، عمر 30 سال (10) محمد ناجی صحبی، عمر 38 سال (11) احمد الصالح، عمر 27 سال (12) عبدالحدی باوان الیسبائی، عمر 34 سال (13) یحیٰ شامل السوامل، عمر 27 سال (14) عبدالرزاق محمد ابراہیم، عمر 22 سال (15) خالد سعود ابدال رحمان، عمر 29 سال (16) مسحال محمد راشد، عمر 24 سال (17) یوسف خلیل عبداللہ، عمر 24 سال (18) مش ارشد، عمر 26 سال (19) فہد، عمر 27 سال (20) فہد عبداللہ ابراہیم، عمر 23 سال (21) یاسر طلال، عمر 21 سال (22) ابراہیم دیف اللہ نیمان، عمر 40 سال (23) عبدالرحمان القمان، عمر 32 سال (24) سوردرد خیل اللہ، عمر 22 سال (25) یوسف عبداللہ صالح، عمر 25 سال (26) عبدالعزیز سعد، عمر 26 سال (27) یوسف محمد مبارک، عمر 20 سال (28) سلمان سعد الخذئی، عمر 24 سال (29) بیجاد دتیف اللہ، عمر 34 سال (30) خواز عبدالعزیز، عمر 28 سال (31) سالم عبداللہ، عمر 25 سال (32) ابراہیم اشد برکیال، عمر 25 سال (33) عبدالسلیم، عمر 21 سال (34) مازن صالح سعد، عمر 26 سال (35) خالد سلیمان، عمر 31 سال (36) سعد خاتم، عمر 37 سال (37) مجید عبداللہ حسین، عمر 25 سال (38) علی محمد ناصر، عمر 23 سال (39) مجید محمد، عمر 33 سال (40) فہد صالح سلیمان، عمر 23 سال (41) عبدالرحمان، عمر 25 سال (42) آفاس رادھی، عمر 32 سال (43) احمد مبارک، عمر 27 سال (44) زیاد العوی، عمر 31 سال (45) رشید خلافہ، عمر 28 سال (46) مکرام سعید، عمر 30 سال (47) جبار جبران، عمر 31 سال (48) خاتمی صالح علی، عمر 25 سال (49) ابراہیم جی سلمان، عمر 26 سال (50) محمد الرحمان، عمر 31 سال (51) رحمان مرزا ظفر، عمر 27 سال (52) عبدالرحمان تفیہ، عمر 33 سال (53) سید محمد حسین، عمر 28 سال (54) ابراہیم رمزی، عمر 25 سال (55) عبداللہ محمد، عمر 38 سال (56) شمال سیاف، عمر 26 سال (57) محمد عبدالرحمان، عمر 29 سال (58) فہد عمر عبدالمجید، عمر 30 سال (59) فہد محمد عبداللہ، عمر 22 سال (60) انور النور، عمر 29 سال (61) انور النور، عمر 29 سال (62) سعد الجد ان، عمر 33 سال (63) عبدالہادی ابراہیم، عمر 23 سال (64) خالد محمد، عمر 34 سال (65) شاکر عبدالرحیم محمد، عمر 37 سال (66)

ابوامر، عمر 28 سال (68) صالح عبدالرسول، عمر 26 سال (69) صالح، عمر 26 سال (70) نیاف عبداللہ ابراہیم، عمر 24 سال (71) عبداللہ الوفتی، عمر 39 سال (72) عبدالعزیز عبدالرحمان، عمر 24 سال (73) طارق صالح حسین، عمر 23 سال (74) عبداللہ محمد، عمر 32 سال (75) عبدالرحمان، عمر 26 سال (76) ابراہیم محمد ابراہیم، عمر 24 سال (77) زید محمد، عمر 24 سال (78) بدرالاکبری، عمر 29 سال (79) زید سید فراگ، عمر 27 سال (80) عادل حسین عمر، 32 سال (81) امی بن سید، عمر 25 سال (82) محمد جید، عمر 23 سال (83) خالد حسن حسین، عمر 31 سال (84) احمد محمود، عمر 30 سال (85) عبداللہ، عمر 26 سال (86) محمد عتیق الوحد، عمر 32 سال (87) محمد خالد سعد، عمر 32 سال (88) مجید حمد، عمر 26 سال (89) سعد ابراہیم سعد، عمر 28 سال (90) خالد عبدالرحمان، عمر 36 سال (91) یام محمد صالح، عمر 28 سال (92) محمد مبارک صالح، عمر 27 سال (93) عبداللہ ابراہیم عمر 39 سال (94) راشد ابہال مصلح، عمر 46 سال (95) سید بیزان اشیک، عمر 25 سال (96) امران باقر محمد، عمر 31 سال (97) الحیز انی عبد، عمر 30 سال (98) جبار الخاتم، عمر 32 سال (99) نیاف فہد مقلقی، عمر 27 سال (100) فاضل شاہ، عمر 26 سال (101) سید محمد، عمر 34 سال (102) خالد مولا، عمر 23 سال (103) صادق احمد، (104) عبدالحاکم، عمر 51 سال (105) ناصر مزیاد عبداللہ، عمر 35 سال (106) نصراف فہد، عمر 23 سال (107) خالد رشد علی، عمر 30 سال (108) سلطان سیال، عمر 32 سال (109) عبدالرحمان حسین، عمر 34 سال (110) عبدالغرسیال انس، عمر 26 سال (111) رحمان العربی، عمر 32 سال (112) محمد عبداللہ الحربی، عمر 27 سال (113) عبدالخالد صالح، عمر 23 سال (114) عبدالحاکم عبدالرحمان، عمر 29 سال (115) منصور محمد علی، عمر 24 سال (116) صالح محمد صالح، عمر 34 سال (117) ابراہیم محمد علی، عمر 23 سال (118) شامان ابرادی، عمر 30 سال (119) عبدالحمید، عمر 27 سال (120) راشد الودراشد، (121) احمد زید سالم ظہیر، عمر 33 سال (122) عبداللہ، عمر 31 سال (123) عبدالعزیز کریم سالم، عمر 30 سال (124) جبار سید وزیر، عمر 29 سال (125) محمد مرادی عینی، عمر 37 سال (126) احمد محمد صفی سعودی گل، عمر 31 سال (127) تولیق ناصر احمد، عمر 33 سال (128) علی بن آقاش حسن محمود، عمر 21 سال۔

کل قیدی (128)

یمن:

(1) فہد عبداللہ احمد، عمر 24 سال (2) القمان الرحیم، عمر 27 سال (3) حمزہ احمد، عمر 29 سال (4)

احمد عمر عبداللہ، عمر 34 سال (5) عبدالمجاہد محمد عبدالعزیز، عمر 28 سال (6) احمد فاروق علی، عمر 22 سال (7) محمد احمد سید، عمر 44 سال (8) عبداللہ محمد، عمر 36 سال (9) قادر ادریس، عمر 27 سال (10) ادریس ابراہیم، عمر 45 سال (11) عبدالوہاب عبدالمالک، عمر 27 سال (12) علی حمزہ احمد، عمر 37 سال (13) عبدالقادر حسین، عمر 30 سال (14) احمد مجید محمد، عمر 25 سال (15) عبدالرحمان شبلی، عمر 30 سال (16) عمیعہ نجال حسین، عمر 28 سال (17) محمد رجب صادق، عمر 31 سال (18) علی احمد محمد، عمر 26 سال (19) وقاص محمد علی، عمر 24 سال (20) عبدالصالح، عمر 27 سال (21) محمد عبدالرحمان صالح نصیر، عمر 26 سال (22) مختار یحییٰ نجی، عمر 32 سال (23) غالب نصیر، عمر 26 سال (24) توفیق شیر محمد، عمر 30 سال (25) صالح احمد حدی، عمر 30 سال (26) سلیم احمد ملک، عمر 36 سال (27) عاصم نہات عبداللہ، عمر 38 سال (28) فیض احمد یحییٰ، عمر 32 سال (29) الال الجلیل، عمر 30 سال (30) علی حسین عبداللہ، عمر 28 سال (31) خالد الجبار، عمر 38 سال (32) عادل الج بھید، عمر 37 سال (33) علی یحییٰ مہدی، عمر 23 سال (34) شرف احمد محمد، عمر (35) ابوبکر ابن علی محمد، عمر 27 سال (36) عبداللہ احمد باوا، عمر 28 سال (37) عیسام احمد، عمر 26 سال (38) محسن محمد محسن، عمر 39 سال (39) محمد احمد علی، عمر 26 سال (40) محمد عمر محمد، عمر 26 سال (41) حسن علی صالح، عمر 25 سال (42) عبدالرحمان ابوسلیمان، عمر 27 سال (43) عبدالرحمان علی، عمر 24 سال (44) عبدالمصلح، عمر 27 سال (45) عبدالرزاق محمد، عمر 33 سال (46) سعید احمد عبداللہ، عمر 30 سال (47) خالد قاسم، عمر 30 سال (48) محمد عبداللہ، عمر 30 سال (49) محمد سعید بن سلیم، عمر 31 سال (50) یاسم محمد، عمر 30 سال (51) محمد علی حسین، (52) محمد صالح خاتمی، عمر 30 سال (53) ریاض عتیق علی عبداللہ، (54) فدیال حسیان صالح، عمر 37 سال (55) احمد سیلام، عمر 25 سال (56) مصطفیٰ عبدالقوی، عمر 27 سال (57) محمد علی عبداللہ، عمر 26 سال (58) عبدالرحمان، عمر 27 سال (59) عبدالرحمان عمریال، عمر 30 سال (60) محمد احمد سید، عمر 28 سال (61) صالح محمد، عمر 51 سال (62) خالد محمد صالح، عمر 25 سال (63) سلیمان یحییٰ حسین، عمر 26 سال (64) محمد ناصر یحییٰ، عمر 56 سال (65) سلیمان بن اگیل، عمر 31 سال (66) یاسین قاسم محمد، عمر 27 سال (67) عبدالرحمان، عمر 30 سال (68) ولید بن سید، عمر 28 سال (69) فہیم سلیم سید، عمر 29 سال (70) جلال سلام احور، عمر 33 سال (71) انعم سید الشربی، عمر 29 سال (72) محمد ابراہیم الشربی، عمر 36 سال (73) محمد عبداللہ محمود، عمر 40 سال (74) ناصر مکبل ایزانی، عمر 27 سال (75) ماصر ایزانی، عمر 27 سال (76) ظاہر، عمر 26 سال

(77) جمال محمد علاوی، (78) عبدالعزیز عبداللہ (79) سید کرم، عمر 37 سال (80) خواز نعمان عبداللہ، عمر 26 سال (81) محمد احمد علی، عمر 26 سال (82) عیماد عبداللہ، عمر 26 سال (83) محمد حسین، عمر 26 سال (84) فیاد یحییٰ، عمر 29 سال (85) فہیم عبداللہ، عمر 29 سال (86) محمد احمد سلیم، عمر 25 سال (87) عبدالقادر احمد، عمر 29 سال (88) محمد علی سلیم، عمر 25 سال (89) عبدالا احمد قادر، (90) علی بن علی صالح، عمر 29 سال (91) احمد بن علی، (92) احمد علی عبداللہ، عمر 29 سال (93) جمیل احمد سید، عمر 36 سال (94) صالح یعقوب رشید علی، عمر 28 سال (95) بشیر ناصر علی، عمر 26 سال (96) بالہند وار سید، عمر 24 سال (97) مصعب عمر علی، عمر 29 سال (98) عزیز احمد الحئ، عمر 29 سال (99) صالح سید، عمر 32 سال (100) محمد ولید ساحر، عمر 27 سال (101) محمد حسین سلیم، عمر 29 سال (102) عمر محمد علی الرحمان، عمر 31 سال (103) یسلام الاکاظمی، عمر 36 سال (104) عبدالاعلیٰ، عمر 31 سال (105) عبدالسلام، عمر 38 سال۔ کل قیدی (105)

الجیریا:

(1) بن شایا بلیکم، عمر 43 سال (2) شبیر محفظ، عمر 37 سال (3) محمد نحیکلی، عمر 38 سال (4) اعتزادار، عمر 35 سال (5) لاخدار بومیدان، عمر 40 سال (6) بودیلا الحج، عمر 41 سال (7) عالد الجزیری، عمر 30 سال (8) امیور حمار، عمر 47 سال (9) عبدالعزیز، عرم 31 سال (10) بوچیتا فتحی، عمر 42 سال (11) مصطفیٰ احمد، عمر 47 سال (12) سمیر، عمر 33 سال (13) عبداللہ حسینی، عمر 48 سال (14) جحرال نبیل، عمر 26 سال (15) محمد عبدالقادر، عمر 30 سال (16) محبت سعید احمد سیاب، عمر 29 سال (17) احمد بن صالح باچا، عمر 36 سال (18) عبداللہ فوگیل، عمر 45 سال (19) سادی علی، عمر 39 سال (20) فرحی سیدی، عمر 45 سال (21) حسین رابی، عمر 30 سال (22) عبداللہ راحم، عمر 28 سال، کل قیدی 22

ازبکستان:

(1) شاہ رخ ہمدایو، عمر 22 سال (2) تربداوچ، عمر 32 سال (3) محمد صادق آدم، عمر 33 سال (4) حمید اللہ علی شیر، عمر 31 سال (5) ابوبکر جمال اووچ، عمر 32 سال (6) محمد عبداللہ خان، عمر 34 سال۔ کل قیدی (6)

تاجکستان:

(1) رکن الدین ضیا زوچ، عمر 33 سال (2) محمد ابن فزاوچ، عمر 47 سال (3) نبی یوسف، عمر 42 سال (4) سوبت ولکواچ، عمر 36 سال (5) مروف سلیم وچ، عمر 28 سال (6) عبدالکریم ارگا شیو، عمر 41 سال (7) سیداہدو، عمر 53 سال (8) کمال الدین کاشمیو، عمر 28 سال (9) مویا بھلا ہمرو، عمر 25 سال (10) مظہرالدین، عمر 26 سال (11) غفار ہمروچ شیرینو، عمر 32 سال (12) جومعہ جان، عمر 28 سال، کل قیدی، 12۔

ترکی:

(1) مرت کرنز، عمر 24 سال (2) ابراہیم سفید، عمر 25 سال (3) صالح اویار، عمر 25 سال (4) معمونوری مارٹ، عمر 34 سال، کل قیدی، 4۔

مراکش:

(1) عبداللہ تبارک، عمر 50 سال (2) لاکن اکسرن، عمر 33 سال (3) محمد حسین علی، عمر 39 سال (4) محمد ابراہیم آونز، عمر 26 سال (5) سید بوجیدیا، عمر 35 سال (6) محمد موخان بن، عمر 25 سال (7) یونس عبدالرحمان، عمر 38 سال (8) محمد لالمی، عمر 30 سال (9) عبداللطیف ناصر، عمر 41 سال (10) موذ محمد، عمر 33 سال (11) اشکوری روان، عمر 34 سال (12) ٹاوک ٹریگول، عمر 28 سال (13) ابراہیم بن شکران، عمر 26 سال (14) احمد رشیدی، عمر 40 سال، کل قیدی 14۔

برطانیہ:

(1) فیروز علی عباسی، عمر 26 سال (2) شفیق رسول، عمر 33 سال (3) آصف اقبال، عمر 25 سال (4) روحیل احمد، عمر 25 سال (5) جمال ملک، عمر 39 سال (6) رچرڈ دین، عمر 26 سال (7) مارٹھن جون، عمر 33 سال، کل قیدی 33۔

کویت:

(1) امین عمر رجب، عمر 38 سال (2) محمد حسن خود، عمر 46 سال (3) فیاض محمد احمد، عمر 30 سال (4) عادل زمیل عبدالمحسن، عمر 42 سال (5) سعد موی سعد، عمر 26 سال (6) نصیر جوی، عمر 29 سال (7) خالد عبداللہ، عمر 30 سال (8) عبدالعزیز سیار، عمر 32 سال (9) عبداللہ صالح، عمر 27 سال (10) عبداللہ کمیل، عمر 32 سال

(11) محمد فنیتال، عمر 40 سال (12) خالد عبداللہ، عمر 29 سال ،کل قیدی 12۔

سوڈان:

(1) ابراہیم احمد محمود، عمر 45 سال (2) حامی محمد ولید محمد، عمر 31 سال (3) سمیع محی الدین محمد، عمر 37 سال (4) مجید محمد غزنی، عمر 32 سال (5) نورانعام (6) رچرڈ حسن عدیل، عمر 48 سال (7) رچرڈ عبدالحسن، عمر 40 سال (8) مصطفیٰ ابراہیم مصطفیٰ، عمر 49 سال (9) حسن عادل، عمر 48 سال ،کل قیدی 9۔

فرانس:

(1) کنونی امداچپ، عمر 29 سال (2) مراد بنچیلا، عمر 24 سال (3) خالد ریڈ یونی، عمر 38 سال (4) خالد بنز، عمر 34 سال (5) نذیر ساسی، عمر 26 سال (6) یادیل براہیم، (7) حاجی محمد، عمر 44 سال (8) مصطفیٰ خالد، عمر 34 سال (9) مراد، عمر 24 سال (10) خالد ریڈ یونی، عمر 38 سال (11) براہیم عادل، عمر 35 سال۔ کل قیدی 11۔

لیبیا:

(1) حامد ابن مفتیٰ، عمر 43 سال (2) عبدالرزاق علی، عمر 35 سال (3) عمر خلیفہ محمد، عمر 34 سال (4) اسماعیل علی فراغ، عمر 37 سال (5) عبدالرؤف، عمر 41 سال (6) عمر عامر، عمر 36 سال (7) ابراہیم زیدان، عمر 29 سال (8) سلیم عبدالسلیم، عمر 45 سال (9) عبدالمنصور، عمر 37 سال (10) سلیم عبدالسلیم سلطان، عمر 34 سال (11) ابوسفیان ابراہیم، عمر 16 سال ،کل تعداد 11۔

تیونس:

(1) عبدالا بن محمد، عمر 40 سال (2) ریاض بن محمود طاہر، عمر 39 سال (3) لفطی بن سیوی، عمر 37 سال (4) شرافت فیتالی، عمر 29 سال (5) ہاشم بن علی بن امور، عمر 40 سال (6) عادل بن ابراہیم، عمر 41 سال (7) عادل بن مادیہ، عمر 35 سال (8) عبداللہ سیاف بن، عمر 32 سال (9) ریاض بن صالح، عمر 41 سال، (کل قیدی 9)

مصر:

(1) محمد سلیم، عمر 39 سال (2) طارق محمد احمد، عمر 48 سال (3) خیال روڈو، عمر 40 سال (4) الاجیزانی عبد، عمر 40 سال، (کل قیدی 4)

روس:

(1) نسیم وچ، عمر 29 سال (2) رستم اکرامیو، عمر 26 سال (3) ذاکر جان عصم، عمر 32 سال (4) تیمورراوچ، عمر 30 سال (5) منگیز یوراول، عمر 38 سال (6) گمرواول، عمر 43 سال (7) المصام رابل وچ، عمر 35 سال (8) اوسلان انقو وچ، عمر 32 سال (9) عبدالعزیز سالم، عمر 49 سال (10) عبداللہ کفکاس، عمر 22 سال، (کل قیدی 10)

قازقستان:

(1) عبدالرحیم فریمکو بیو، عمر 3 2 سال (2) یعقوب ابھانو (3) عبداللہ تھوتھن شو، عمر 23 سال (کل قیدی 3)

متفرق قیدی:

(1) محمد احمد نیام، عمر 27 سال ایتھوپیا (2) بشیر امین خلیل، عمر 36 سال، عراق (3) عبدالطیف، عمر 54 سال، یونان (4) رفیق بن بشیر بن جلود، عمر 37 سال، تیونس (5) عمر احم دھوکھر، عمر 19 سال، کینیڈا (6) عباس جیدرومی، عمر 37 سال، عراق (7) منہال النہال، عمر 43 سال، شام (8) جہاد احمد مصطفیٰ، عمر 34 سال، لبنان (9) عمر بن عبداللہ، عمر 49 سال، تیونس (10) عبدالحامد حسن خلیل، عمر 44 سال، اردن (11) رحیم عبدالرحیم رساک، عمر 27 سال، شام (12) محمد سلیم متلاک، عمر 32 سال، شام (13) عبدالمجید، عمر 27 سال، ایران (14) محمد شعیب محمد، عمر 24 سال، عراق (15) محمد سلیم باری، عمر 41 سال، صومالیہ (16) عادل نوری، عمر 26 سال، چین (17) وہاب المصر خالد، عمر 42 سال، اردن (18) بختیار باماری، عمر 25 سال، ایران (19) حیدر جبار حفیظ، عمر 32 سال، عراق (20) عثمان حسن احمد ابو، عمر 31 سال، اردن (21) اکرام محمد غافیل، عمر 30 سال، عراق (22) محمد ابراہیم احمد، عمر 50 سال، آسٹریلیا (23) احمد حسن جمیل، عمر 44 سال، اردن (24) محمد انور کرد، عمر 23 سال، ایران (25) جمال عبداللہ، عمر 27 سال، یوگنڈا

(26) عبداللہ محمد حسین، عمر 23 سال، صومالیہ (27) احمد تورسن، عمر 35 سال، چین (28) عبدالرزاق، چین (29) صالح عبدالرسول، عمر 24 سال، بحرین (30) شیخ سلمان ابراہیم، عمر 26 سال، بحرین (31) انور حسن، عمر 31 سال، چین (32) عادل احمد، عمر 33 سال، چین (33) عبداللطیف، عمر 32 سال، بحرین (34) احمد عبدالرحمٰن، عمر 31 سال، سپین (35) محمد حامد الکرانی، عمر 20 سال، چاڈ (36) موسیٰ زئی زیموری، عمر 27 سال، بیلجئیم (37) عباس یوسف، عمر 26 سال، چین (38) اکدر قسیم، عمر 32 سال، چین (39) عبدالحیلی، عمر 29 سال، چین (40) حاجی محمد ایوب، عمر 22 سال، چین (41) سعداللہ خالق، عمر 28 سال، چین (42) عبدالرحمان، عمر 33 سال، چین (43) حاجی اکبر، عمر 32 سال، چین (44) ابوبکر قاسم، عمر 37 سال، چین (45) عبدالقادر خان، عمر 26 سال، چین (46) عبدالرحیم دعوت، عمر 31 سال، چین (47) کوکس یسکیل، عمر 38 سال، ترکی (48) عبداللہ جم عادل، عمر 31 سال، چین (49) عبداللہ حیات امام، عمر 28 سال، چین (50) میسوت بیلجئیم (51) ابراہیم شافر، عمر 25 سال، ترکی (52) صالح یار، عمر 25 سال، ترکی (53) عبدالقادر، عمر 46 سال، ترکی (54) معین جمال، عمر 30 سال، متحدہ عرب امارات (55) عبدالناصر کھاتومنی، عمر 24 سال، شام (56) مومار باداوی، عمر 33 سال، شام (57) پرہت ہوزافا، عمر 35 سال، چین (58) ابدری ہمان، عمر 32 سال، ڈنمارک (59) احمد عدنان، عمر 29 سال، شام (60) علی حسین، عمر 24 سال، شام (61) عینی الاابارانی، عمر 41 سال، بحرین، (61) جاواد جبار، عمر 38 سال، عراق (62) عبدالسید حسن، عمر 30 سال، عراق (63) عبداللہ نعمانی، عمر 26 سال، بحرین (64) ایمان محمد سلمان، عمر 28 سال، اردن (65) محمد مہدی، عمر 26 سال، سویڈن (66) مبارک حسین بن ابول، عمر 28 سال، بنگلہ دیش (67) محمد نگ، عمر، 31 سال، چین (68) محمد ارکن، عمر 41 سال، چین (69) پلادت، عمر 31 سال، آذربائیجان (70) کامل عبداللہ، عمر 41 سال، بحرین (71) محمد شاوالحسین، عمر 32 سال، اردن (72) عصیم مترق محمد عمر فلسطین (73) عبداللہ الحمری، عمر 26 سال، متحدہ عرب امارات۔